فتاوی رضویّہ
مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات
امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
26
رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
پاکستان

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۶

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب________فتاوٰی رضویہ جلد ۲۶

تصنیف________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح________مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ________مولانا محمد منشاتابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات________۶۱۶

اشاعت________محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء

مطبع________

ناشر________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ **انتہائی کامیابی اور** برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ	(۱۳۲۳ھ)
مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ	(۱۳۲۶ھ)
(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ	(۱۳۲۶ھ)
مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری	(۱۳۲۸ھ)
(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم	(۱۳۲۴ھ)
(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	(۱۳۰۵ھ)
(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ	(۱۳۱۴ھ)
(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ	(۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً چودہ سال کے مختصر عرصہ میں چھبیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی پچیس جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

١٥	کتاب السیر (ب)	٨١	١٥	محرم الحرام ١۴٢٠ ________ اپریل ١٩٩٩	٧۴۴
١٦	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴٣٢	٣	جمادی الاولیٰ ١۴٢٠ ________ ستمبر ١٩٩٩	٦٣٢
١٧	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	١۵٣	٢	ذیقعد ١۴٢٠ ________ فروری ٢٠٠٠	٧٢٦
١٨	کتاب الشھادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	١۵٢	٢	ربیع الثانی ١۴٢١ ________ جولائی ٢٠٠٠	٧۴٠
١٩	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	٢٩٦	٣	ذیقعدہ ١۴٢١ فروری ٢٠٠١	٦٩٢
٢٠	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصیدو الذبائح، کتاب الاضحیہ	٣٣۴	٣	صفر المظفر ____ ١۴٢٢ ____ مئی ٢٠٠١	٦٣٢
٢١	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	٢٩١	٩	ربیع الاوّل ____ ١۴٢٣ ____ مئی ٢٠٠٢	٦٧٦
٢٢	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	٢۴١	٦	جمادی الاخری ____ ١۴٢٣ ____ اگست ٢٠٠٢	٦٩٢
٢٣	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴٠٩	٧	ذوالحجہ ____ ١۴٢٣ ____ فروری ٢٠٠٣	٧٦٨
٢۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	٢٨۴	٩	ذوالحجہ ____ ١۴٢٣ ____ فروری ٢٠٠٣	٧٢٠
٢۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	١٨٣	٣	رجب المرجب ____ ١۴٢۴ ____ ستمبر ٢٠٠٣	٦۵٨

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے

بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ و فتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہٰذا اکیسویں[۲۱] جلد سے مسائل حظر واباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلیٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب و غیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط و منضبط کر دیا ہے وللہ الحمد۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہو گئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل و مفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

چھبیسویں[۲۶] جلد

یہ جلد ۳۲۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیاہے۔ اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں، سترھویں، اٹھارھویں، انیسویں، بیسویں، اور پچیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الفرائض اورکتاب الشتی (حصہ اول) کے چندابواب یعنی تاریخ وتذکرہ، فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن، محافل ومجالس، تصوف وطریقت اوراَوراد ووظائف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے۔

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں للذامذکورہ بالابنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئ ہے، نیزاس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے توان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکرکردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت وابہام پیدانہ ہو۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل آٹھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع (۱۳۱۵ھ)

عصبہ بنفسہٖ کی قسم چہارم یعنی فروع جدمیت کے بارے میں آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء کامفصل ومدلل جواب۔

(۲) طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں تعدّد جہات وابدان کے معتبر ہونے کاروشن بیان۔

(۳) تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم (۱۳۲۱ھ)

بعض مسائل فرائض میں کچھ علماء معاصرین کی غلط فہمیوں کاازالہ

(۴) نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال (۱۳۱۷ھ)

حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور وصال اقدس کی صحیح تاریخ باعتبار قمری ماہ وسال۔

(۵) جمع القراٰن وبم عزوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ)

جمع قرآن کی تاریخ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنے کاسبب۔

(۶) الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)

علوم ارحام سے متعلق آیات کریمہ کی تفسیر اور ڈاکٹروں کے ادعاء اور پادریوں کا رَدّ۔

(۷) اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ (۱۲۹۸ھ)

محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت طیبہ قیام تعظیمی کا ثبوت اور اس کے منکرین کا رَدِّ بلیغ

(۸) کشف حقائق واسرارِ دقائق (۱۳۰۸ھ)

تصوف سے متعلق چند اشعار کی توضیح و تشریح۔

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ و عصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
۲/مارچ ۲۰۰۴

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

شرعاً صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں، اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے۔	۲۸۹	جس مکان کو متعلق خانقاہ مہمان خانہ یا لنگرخانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس کے مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکرالٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً عرس سالانہ مورث ونذر ونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہوسکتے ہیں یا نہیں۔	۲۸۹	اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں۔	۲۸۹	قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔	۲۹۱
جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا تعلیم ذکرالٰہی ہوتی ہو یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۰	ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے۔	۲۹۱
جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح ومرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلاشرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں، اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۰	کیا عورت بوجہ ناقابلیت کے فطرتی کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے۔	۲۹۲
فرش وشیشہ آلات ودیگر اسباب منقولہ جو عرس میں اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں۔	۲۹۰		

فہرست ضمنی مسائل

کتاب الفرائض

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱: یکم ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک عورت قوم طوائف سے تھی جس نے عمرو سے نکاح کیا، ہندہ کی نائکہ کے اور بھی چند رنڈیاں مختلف البطن تھیں جو اپنا پیشہ کسب اب تک کرتی ہیں ہندہ نے جس کا کوئی وارث نہ تھا شوہر کے بھتیجے کو متبنٰی کیااور اپنی حیات میں اپنے کل متروکہ کی بابت جواسے ترکہ شوہر ہی سے پہنچاتھازید کے لئے وصیت کی کہ میرے بعد کل ترکہ کامالک زید ہو،اب بعد انتقال ہندہ اس کی نائکہ کی دوسری رنڈیاں لیلٰی بدعوی خواہری ترکہ چاہتی ہے اس صورت میں شرعًا حق لیلٰی کاہے یازید کا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرواجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

شوہر کا بھتیجا یہ اپنامتبنی شرعًاوارث نہیں، پس اگر گواہان عادل سے جنہیں شرع قبول کرلے وصیت ثابت ہوجائے توشک نہیں کہ زید ہر طرح موصی لہ ہوگیاخواہ لیلٰی ہندہ کی بہن ہو یانہ ہوفرق یہ ہوگاکہ لیلٰی وہندہ ایک ماں کے پیٹ سے پیداہوئیں تو وہ اخیافی بہن ٹھہر کر چھٹے حصے کی فرضًااور نصف کی ردًا مستحق ہوگی **فان الرد مقدم عندنا علی الموصی لہ لجمیع المال** (کیونکہ ہمارے نزدیک رَد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔ت)

صرف ایک ثلث باقی بعدادائے دَین میں وصیت نافذ ہوگی دو ثلث باقیماندہ لیلٰی کو ملیں گے۔فرضًا و ردًااور اگر ثابت ہوگا کہ لیلٰی ہندہ کی بہن نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے انہیں بہنیں کہاجاتا کہ دونوں ایک ڈیرے کی رنڈیاں تھیں تو وصیت کل مال میں جاری ہوگی اور بعدادائے دَین اگرذمہ ہندہ ہو کل متروکہ زید کو ملے گا مگر اس امر کالحاظ واجب ہے کہ نسب کے ثبوت میں صرف شہرت کافی ہے **کما فی الخلاصۃ والخانیۃ والھدایۃ والھندیۃ والدر وغیرھا** (جیسا کہ خلاصہ، خانیہ، ہدایہ، ہندیہ اور در وغیرہ میں ہے۔ت) پس اگر مشہور ہو کہ یہ دونوں عورتیں ایک ماں کے پیٹ سے ہیں اگرچہ اولادِ زنا ہی ہوں تو بیشک وہ بہنیں ٹھہریں گی اور لیلٰی وارثہ ہوگی **کما فی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲: ۲۲جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے مرتے وقت زیور اپنے بھائی کے سپرد کیااور یہ کہا یہ زیور میری بہو متوفی کاہے،اس تفصیل سے کہ کچھ اس کے والدین کادیا ہواہے اور کچھ میرادیا ہواہے اور اول بہوکا انتقال ہواتو اس کی تجہیز و تکفین میں نے کی اور بعد کو اس کے خاوند کاانتقال ہوا تو اس کی بھی تجہیز و تکفین میں نے کی اور دونوں لاولد مرے ہیں اور بالعوض اس کے مال دونوں کے مرنے میں اس مال کی تعداد سے زیادہ روپیہ خرچ ہوگیاہے اوراس مال میں کسی کادعوٰی نہیں ہے تم بعد میرے کل مال کے میرے خیرات کردینا،اب بہوکے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کامال ہے ہم وارث ہیں اور خاوندکے وارکہتے ہیں کہ ہمارے بھائی اور بھاوج کامال ہے ہم وارث ہیں، عورت کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کامہر بھی چاہئے،خاوندکے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی نے کہاکہ مہر مجھ کو میری زوجہ نے بخش دیاہے۔اب بموجب شرع شریف کے وہ مال خیرات کیاجائے یاوارثان کو دیاجائے اور کس کس وارث کو کس تعداد سے دیاجائے؟

الجواب:

اگر عورت نے اپنی بہو کی تجہیز و تکفین اپنے پاس سے بطور خود کی تو اس کامعاوضہ پانے کی اصلًا مستحق نہیں،

فی العقود الدریۃ عن التتارخانیۃ عن العیون اذا کفن الوارث المیّت	عقودالدریہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ عیون منقول ہے کہ جب اپنے مال سے میت کو کفن پہنائے

من مال نفسه یرجع والا جنبی لایرجع[1] اھ وفیھا عن نھج النجاۃ لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشھد علی الوارث اولم یشھد[2]۔	تو وہ ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کرسکتا اھ اور اسی میں نہج النجاۃ سے منقول ہے اگر غیر وارث اپنے مال سے وارث کی اجازت کے بغیر اس نیت سے میت کو کفن پہنائے کہ وہ میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں چاہے وارث کی موجودگی میں ایسا کرے یا غیر موجودگی میں۔(ت)

اس تقدیر پر نصف زیور خاص بہو کے ماں باپ کا ہے جس کی نسبت عورت کی وصیت محض مہمل، اور اگر شوہر متوفاۃ یعنی اپنے پسر خواہ بہو کے مادر یا پدر غرض اس کے کسی وارث کے اذن سے تجہیز و تکفین کی تو جس قدر صرف کفن دفن میں صَرف ہوا بشرطیکہ اس میں قدر سنت یعنی پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو اس قدر کی قیمت بہو کے ترکہ سے لے سکتی ہے۔

فی العقود اما الاجنبی فلا رجوع له مطلقا الا فی اذن له الوارث[3]۔	عقود میں ہے لیکن اجنبی کو مطلقًا رجوع کا حق نہیں سوائے اس کے کہ وارث نے اس کی اجازت دی ہو۔(ت)

باقی کا نصف اس کے ماں باپ کا حق ہے، رہا دونوں صورتوں پر باقیماندہ آدھا نصیبہ شوہر تھا، اب تجہیز و تکفین پسر میں بھی نظر کریں گے اگر قدر سنت یا کفن مثل سے زیادت کی ہے مثلًا تین کپڑوں کی جگہ چار کپڑے دیئے یا جیسے کپڑے وہ عید کو پہنتا تھا ان سے بہتر کفن دیا تو یہاں بھی ترکہ پسری سے اس کا مطالبہ نہ کرسکیں گے بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا جو اس نے بطور خود کیا،

فی العقود عن الانقروی عن مجمع الفتاوٰی، ان کفنه باکثر من کفن المثل لایرجع لان احدالورثة لا یملکه وھل له ان یرجع فی الترکة بقدر کفن المثل	عقود میں انقروی سے بحوالہ مجمع الفتاوٰی منقول ہے اگر وارث نے میت کو کفن مثلی سے زائد پہنایا تو رجوع نہیں کرے گا کیونکہ کوئی ایک وارث ایسا نہیں کرسکتا، کیا صورت مذکورہ میں اس کو ترکہ میں کفن مثلی کی حد تک رجوع کا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیه کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲ /۳۲۷

[2] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیه کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲ /۳۲۷

[3] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیه کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲ /۳۲۷

قالوا لایرجع لان اختیارہ ذٰلك دلیل التبرع [1] اھ قلت مثلہ فی الخانیۃ مقتصرا معللا وبہ حکم فی الخلاصۃ والبزازیۃ والملتقط وان قالوا فیما بعد انہ ان قیل یرجع بقدر الکفن المثل فلہ وجہ کما ھو لفظ الاولین اولایبعد کماھو لفظ الاخیر فان ذٰلك لیس بروایۃ ولافیہ دلالۃ علی الحکم بہ اوالاختیار کما لا یخفٰی۔	حق ہے؟ مشائخ نے کہا کہ اسے حق نہیں کیونکہ کفن مثلی سے زائد کو اختیار کرنا تبرع کی دلیل ہے اھ میں کہتا ہوں اسی کی مثل خانیہ میں ہے اقتصار کرتے ہوئے اور علت بیان کرتے ہوئے، اسی کے ساتھ حکم لگایا گیا ہے خلاصہ، بزازیہ اور ملتقط میں اگرچہ اس کے بعد مشائخ نے فرمایا کہ اگر مثلی کفن کے برابر رجوع کرنے کا قول کیا جائے تو اس کی بھی وجہ ہے جیسا کہ پہلی دونوں کتابوں کی عبارت ہے یا یہ کہ ایسا کرنا بعید نہیں جیسا کہ آخری کتاب کی عبارت ہے کیونکہ یہ کوئی روایت نہیں اور نہ ہی اس میں مذکور کے ساتھ حکم لگانے یا اسے اختیار کرنے پر دلالت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

اسی طرح کفن دفن کے علاوہ سوئم، چہلم، فاتحہ، درود وغیرہا کے مصارف کہیں مجرا نہیں ملتے،

فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار التجھیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا [2]۔	درمختار پر حاشیہ طحطاویہ میں ہے کہ میت کی تجہیز میں دعاو درود، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا داخل نہیں کیونکہ یہ لازمی امور میں سے نہیں ہیں لہٰذا ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں شمار کیا جائے گا اور وہ متبرع ہوگا۔ اور یہی حکم ہوگا اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو۔(ت)

ہاں اگر تجہیز و تکفین پسر مطابق سنت کی اور اس میں کفن مثل پر زیادت نہ کی تو بیشک ترکہ پسری

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴ /۳۶۷

میں اس قدر کا استحقاق سب وارثان سے پیشتر رکھتی ہے لانہ دین والدین مقدم علی الارث (کیونکہ وہ قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہے۔ت) اور یہاں کسی وارث پسر کا اذن بھی درکار نہیں کہ عورت خود اپنے پسر کی وارث تھی۔

عقود میں حاوی الزاہدی سے منقول ہے اگر کسی ایک وارث نے باقی وارثوں کی اجازت کے بغیر میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز پر خرچ کیا تو وہ میت کے ترکہ سے شمار کیا جائے گا اور وہ خرچ کرنے والا متبرع نہیں ہوگا۔(ت)	فی العقود عن حاوی الزاھدی احد الورثۃ انفق فی تجھیز المیت من الترکۃ بغیر اذن الباقین یحسب من مال المیت ولایکون متبرعا[1]۔

مگر صرف اس کا کہنا کہ میں اپنے پاس سے پسر کا کفن دفن کیا حجت نہیں دیگر ورثہ بھی مانیں یا گواہان شرعی سے ثبوت ہو تو اس وقت یہ ٹھہرے گا کہ پسر پر اس قدر اس کی ماں کا دَین ہے۔ یونہی وارثان مرد کا یہ کہنا کہ ہمارے بھائی نے کہا تھا زوجہ نے مجھے مہر بخش دیا محض نامسموع ہے اگر وہ سچ بھی کہتے ہیں تو مدیون کا اپنی زبان سے دعوی عفو کیونکر حجت ہو سکتا ہے بلکہ گواہ درکار ہیں کہ زوجہ نے مہر بخش دیا تھا اگر بخشش ثابت ہو جائے تو اس نصف سے جو نصیبہ مرد قرار پایا تھا پہلے اس کی ماں کا دَین جو بشرائط مذکورہ (یعنی ثبوت باقرار ورثہ یا شہادت گواہان وعدم تجاوز بر قدر مسنون وکفن مثل) قابل ادا ہو ادا کرکے باقی وارثان مرد پر (جن میں اس کی ماں بھی داخل ہے) حسب فرائض منقسم ہو جائے اور اگر معافی ثابت نہ ہو تو یہ دیکھنا ہے کہ زوجہ کا نصف مہر جس کا مطالبہ شوہر پر باقی رہا اور ماں کا دَین بابت تجہیز وتکفین جو بشرط مذکور قابل ادا ثابت ہو (اور اسی طرح اور قرض بھی اگر ذمہ مرد ہوں) سب مل کر مقدار کل ترکہ مرد سے (خواہ یہ نصف حصہ زیور ہو جو اسے ترکہ زوجہ سے ملا یا اپنا مال ہو اس مجموع سے) زیادہ ہے یا برابر یا کم اگر برابر یا زائد ہو تو ماں یا بھائی کوئی وارث بحیثیت وراثت کچھ نہ پائے گا بلکہ اس حصہ زیور اور دیگر ترکہ مرد سے سب دائنوں کا حق حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور اگر مجموعہ دیون مجموعہ ترکہ پسر سے کم ہے تو بعد ادائے دیون (وانفاذ وصایا پسر اگر کی ہوں) جو بچے گا وہ وارثان رمرد پر مع اس کی ماں کے تقسیم ہو جائے گا۔ اب ان صورتوں میں جو کچھ اس

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

عورت وصیت کنندہ کے حصہ میں آکر پڑے گا خواہ بہو کے ترکہ سے بذریعہ دَین تجہیز و تکفین (جس حالت میں کہ وہ واجب الادا ہو) یا پسر کے حصہ سے خواہ بذریعہ مطالبہ تجہیز و تکفین شرط مذکور یا بطور وراثت یا دونوں وجہوں سے ان سب کو جمع کرکے مع اس کے باقی مال کے (اگر رکھتی ہو) اس مجموع کی تہائی میں اس کی وصیت خیرات بے اجازت اس کے وارثوں کے نافذ ہوگی،

فان الدین ایضا یدخل فی الوصیة بالمال علی مارجحه فی الوھبانیة لانه مال حکمی واذا خرج صار مالاحقیقة وثبوت حق الموصی له بعد الخروج ممکن کالموصی له فی القصاص واذا انقلب مالایثبت فیه حقه لانه مال المیت اما قولھم من حلف لامال له وله دین لایحنث فذٰلك لان بناء الایمان علی العرف افادہ فی معراج الدرایة قلت ومن الدلیل علی ماقلت جواز البیع بالدین وانما ھو مبادلة مال بمال فافھم۔	میت نے جو قرض لینا ہے وہ بھی مال کی وصیت میں داخل ہوگا جیسا کہ وھبانیہ میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ حکمی طور پر مال ہے اور جب وہ وصول ہوجائے تو حقیقۃً مال ہوگا اور موصٰی لہ، کے حق کا ثبوت وصولی کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ قصاص میں موصٰی لہ، اور جب وہ قرض مال بن گیا تو اس میں موصٰی لہ، کا حق ثابت ہوجائے گا کیونکہ وہ میت کا مال ہے۔ لیکن مشائخ کا قول کہ "جس شخص نے قسم کھائی کہ اس کا کوئی مال نہیں حالانکہ اس کا قرض کسی پر ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے معراج الدرایہ میں اس کا فائدہ دیا ہے، میں کہتا ہوں میرے قول پر ایک دلیل قرض کے بدلے بیع کا جائز ہوتا ہے کیونکہ بیع نام ہے مال کا مال کے ساتھ تبادلے کرنے کا۔ پس سمجھ۔ (ت) باقی جو رہے گا خاص اس کے وارثوں کا ہے۔ واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ اولٰی جس نے نصف مہر اپنا اپنی حیات میں زید کو ہبہ کردیا تھا ایک بیٹا اسی شوہر سے اور ایک ماں اور شوہر چھوڑ کر انتقال کر گئی اس کے بعد وہ لڑکا بھی باپ اور نانی کے سامنے مرگیا، زید نے دوسری

شادی کی، زوجہ ثانیہ نے کل مہر اپنا زید کو معاف کردیا، اب زید نے یہ زوجہ اور دو برادر حقیقی ورثہ اپنے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا؟ اور بابت مہر باقیماندہ زوجہ اولٰی کے ترکہ سے کس قدر کسے دیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات ترکہ زید سے پہلے پہلے بقیہ مہر زوجہ اولٰی جو ذمہ زید واجب الاداء ہے یعنی نصف مہر باقیماندہ کے بہتّر ۷۲ حصوں سے انیس ۱۹ حصے زوجہ اولٰی کی ماں کو دیئے جائیں **کما یظھر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہوگا۔ت) اسی طرح اگر اور دیون ووصایائے زید ہو تو وہ بھی ادا ونافذ کئے جائیں۔ اس کے بعد جس قدر باقی بچے آٹھ سہم پر منقسم ہو دو سہم زوجہ ثانیہ اور تین تین ہر بھائی کو پہنچیں۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم** (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص تین پسر اور ایک دختر بطن زوجہ منکوحہ ذی مہر سے چھوڑ کر فوت ہوا اور تین پسر اور تین دختر بطن دو عورتوں غیر منکوحہ سے چھوڑے بعدہ، زوجہ منکوحہ بھی وہی اولاد مذکور چھوڑ کر فوت ہوئی، اس صورت میں ترکہ متوفیہ کا کس طرح منقسم ہوگا اور بحالت زندہ رہنے اور عورات غیر منکوحہ اور ان کی اولاد کے کون کون مستحق وراثت کا ہے اور ادائے دین مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جن دو ۲ عورتوں کو سائل غیر منکوحہ ظاہر کرتا ہے اگر فی الواقع ان سے نکاح ہونا ثابت نہیں، نہ وہ کنیزان شرعی، نہ ایک مدت تک اس شخص کے پاس مثل ازواج رہیں، اور باہم ان میں معاملات مانند زن وشوہر جاری نہ تھے تو وہ دونوں اور ان کی اولاد سب ترکہ سے محروم ہیں۔ اس صورت میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدیون واجراء الوصایا ترکہ شخص متوفی کا سات سہم پر منقسم ہو کر دو ۲ دو ۲ سہم تینوں پسر زوجہ منکوحہ اور ایک اس کی دختر کو ملے گا اور ادائے دین مہر مثل سائر دیون ووصایا تقسیم ترکہ پر بلاریب مقدم ہے **ھو مصرح بہ فی کتب الفقہ** (کتب فقہ میں اس کی تصریح

کردی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر عددین متوافقین کا مخرج جزء وفق بارہ ۱۲ ہو تو ان میں نسبت توافق بجزء من اثنی عشر (بارہ میں سے ایک جزکے ساتھ۔ت) کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر قبل تقسیم ترکہ ایک یا دو یا زائد ورثہ انتقال کریں اور ان کے وارث باعیانہم وہی ورثہ میت اول ہوں اور ان کی موت سے تقسیم متغیر نہ ہو تو ان ورثہ اموات کو بین سے خارج اور کأن لم یکن (گویا کہ وہ تھا ہی نہیں۔ت) کردینااولٰی ہے یا ان بطون کی اقامت اور ہر ایک کی علیحدہ تصحیح۔ بیّنوا توجروا (بیان کرواجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

واللہ الموفق والصواب (اللہ تعالٰی ہی سچائی اور درستگی کی توفیق دینے والا ہے۔ت) صورت مستفسرہ میں جیسے کہ تعبیر بکسر منطق اور ان عددین کو متوافقین بنصف السدس یا بسدس النصف کہنا جائز ویسے ہی تعبیر بالجزء اور انہیں متوافقین بجز من اثنی عشر کہنا بھی روا، اور فرائضیوں میں شائع وذائع۔

فی السراجیه ففی الاثنین بالنصف وفی الثلاثة بالثلث وفی الاربعة بالربع ھکذا الی العشرة وفی ما وراء العشرة یتوافقان بجزء منه اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی خمسة عشر بجز من خمسة عشر[1]۔وفی شرحھا الشریفیة وبالجملة یمکن فیما وراء العشرة باسرھا ان یعبر فی التوافق بالاجزاء المضافة الی المخرج کجزء من احد عشر وجزء من اثنی عشر	سراجیہ میں ہے کہ دو میں آدھے کا توافق، تین میں تہائی کا اور چار میں چوتھائی کا، اور یونہی دس تک یعنی دس میں دسویں کا توافق ہوگا۔ اور دس سے اوپر جو عدد ہے اس میں توافق اس کی ایک جزء کا ہوگا مثلاً گیارہ میں گیارہ کی ایک جز کا اور پندرہ میں پندرہ کی ایک جز کا۔ اس کی شرح شریفیہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دس سے اوپر والے تمام عددوں کے توافق میں تعبیر ان اجزاء کے ساتھ ہوگی جو مخرج کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے گیارہ میں سے

[1] السراجی فی المیراث فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۳ و ۳۴

وجزء من ثلثة عشر ویمکن فی بعضها ان یعبر بالکسور المنطقة المرکبة وللتنبیه علی ذٰلك خلط الشیخ المنطق بالاصم حیث ذکر احد عشر وخمسة معا[1]۔وفی حاشیتها للقاضی عبدالنبی الاحمد نگری رحمه الله تعالٰی فان قیل لم قال المص وفیما وراء العشرة یتوافقان بجزء مع انه یمکن التعبیر فی البعض بغیر لفظ الجزء قلت غرض المص رحمه الله تعالٰی ا ان توافق العددین فیما وراء العشرة بجزء حکم کلی دون التعبیر بلفظ اخرفافهم[2]۔وفی رد المحتار(تنبیه)اذا توافقا فی عدد مرکب وهو مایتألف من ضرب عدد فی عدد کخمسة عشر مع خمسة و اربعین فان شئت قلت هما متوافقان بجزء	ایک جزء بارہ میں سے ایک جزء اور تیرہ میں سے ایک جزء اور ان میں سے بعض میں کسور منطقہ مرکبہ کے ساتھ تعبیر ممکن ہے۔اسی پر تنبیہ کرنے کے لئے شیخ(صاحب سراجیہ) نے منطق(جس کسر کو لفظ جزئیت وغیر جزئیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہو)اور اصم(جس کسر کو فقط لفظ جزئیت کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہو)کو ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ اس نے گیارہ اور پندرہ کو اکٹھا ذکر کیا۔اس پر قاضی عبدالنبی احمد نگری علیہ الرحمہ کے حاشیہ میں ہے۔اگر کہا جائے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کیوں کہا کہ دس سے اوپر والے اعداد میں توافق ان کی ایک جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے تعبیر ممکن ہے تو میں کہوں گا کہ مصنف علیہ الرحمہ کی غرض یہ ہے کہ دس سے اوپر والے اعداد میں جزء کے ساتھ توافق ایک حکم کلی ہے.بخلاف کسی دوسرے لفظ کے ساتھ تعبیر کے۔پس سمجھو۔رد المحتار میں ہے(تنبیہ)جب دو عدد کسی عدد مرکب میں باہم متفق ہوجائیں جو کہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مؤلف ہوتا ہے جیسے پندرہ پینتالیس کے ساتھ۔پس اگر تو چاہے تو یوں کہے کہ ان دونوں میں توافق پندرہ کی ایک

[1] الشریفیة شرح السراجیه فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶۱

[2] حاشیة شرح الشریفیة

من خمسة عشر وان شئت نسبت الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الأخر فتقول بينهما موافقة ثلث خمس او خمس ثلث فيعبر عنه بالجزء و بالكسور المنطقة المضافة بخلاف غير المركب فانه لايعبر عنه الا بالجزء [1]۔وفی الفتاوى العالمگيرية ان كان الجزء المفنى للعددين اكثر من عشرة فانظر فان كان المفنى فردا او لا وهوالذى ليس له جزء صحيح اى لايتركب من ضرب عدد فى عدد كأحد عشر فقل الموافقة بينهما بجزء من احد عشر لانه لايمكن التعبير عنه صحيحا بشيئ اٰخر وان كان العدد المفنى زوجا كالثمانية عشرا وفردا مركبا و هوالذى له جزء ان صحيحان او اكثر كخمسة عشر، فان شئت ان تقول كما قلت فى الفرد الاول	ایک جزء کے ساتھ ہے اور اگر تو چاہے تو واحد کی پندرہ کی طرف ایسی دو کسروں کے ساتھ نسبت کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، اور تو یوں کہے ان دونوں کے درمیان موافقت پانچویں کے تہائی کے ساتھ ہے یا تہائی کے پانچویں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کو جزء کے ساتھ اور کسور منطقہ جو کہ ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہیں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف غیر مرکب کے کہ اس کو سوائے جزء کے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد دس سے زائد ہو تو پھر نظر کر اگر وہ عدد فرد مفرد ہو، اور فرد مفرد وہ ہے جس کی کوئی جزء صحیح نہ ہو یعنی وہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مرکب نہ ہو جیسے گیارہ تو اب کہہ کہ ان دونوں میں موافقت گیارہویں جزء کی ہے اس لئے کہ کسی دوسری شیئ کے ساتھ اس کی صحیح تعبیر ممکن نہیں، اور اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد زوج ہو جیسے اٹھارہ یا فرد مرکب ہو، ارفرد مرکب وہ ہوتا ہے جس کی دو یا دو سے زائد جزئیں صحیح ہوں جیسے پندرہ، تو اس صورت میں اگر تو چاہے تو ایسے ہی کہے جیسا کہ تو نے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب المخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۱۲

فرد مفرد میں کہا کہ اس میں توافق پندرہویں جزء کا ہے یا اٹھارہویں جزء کا۔اگر چاہے تو واحد کو اس کی طرف ایسی دو کسروں سے منسوب کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، چنانچہ توپندرہ میں یوں کہے کہ یہ پانچویں کے تہائی میں موافق ہے اور اٹھارہ ۱۸ میں یوں کہے کہ یہ چھٹے کے تہائی میں موافق ہے اور اسی پر دیگر نظائر کو قیاس کرلے۔ مختصر الفرائض میں ہے کہ اگر دو ۲ عدد، دو ۲ میں متفق ہوجائیں توان میں آدھے کاتوافق ہے اور تین میں متفق ہوں توتہائی کاتوافق ہے یونہی دس ۱۰ تک کہ اس میں دسویں کاتوافق ہے اور اگر وہ دونوں گیارہ یااس سے زائد میں متفق ہوں تواس کو لفظ جزء کے ساتھ تعبیر کیاجائے گامثلاً گیارہ میں گیارہویں جزء اور بارہ ۱۲ میں بارہویں جزء،اور اسی طرح آخر تک۔اور مولانا عماد الدین رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی تصنیف زبدۃالفرائض میں ہے کہ اگر دو عدد بارہ ۱۲ میں متفق ہوں تو کہیں گے کہ ان میں توافق بارہ کی ایک جز میں ہے یعنی توافق بارہویں حصہ میں ہے چنانچہ چوبیس ۲۴ اور	ھو موافق بجزء من خمسة عشر وبجزء من ثمانية عشروان شئت ان تنسب الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الاٰخر فتقول فی خمسة عشر بينهما موافقه بثلث الخمس وفی ثمانية عشر بثلث السدس وقس عليه نظائره [1] وفی مختصر الفرائض فان اتفقا فی الاثنين فهما متوافقان بالنصف وفی الثلث بالثلث وهكذا فی العشرة بالعشرون توافقا فی احد عشر اواكثر منه يعبر بالجزء مثلا فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی اثنی عشر بجزء من اثنی عشر وهكذا [2] الخ۔وفی زبدة الفرائض مولانا عمادالدین البكنی رحمة الله تعالٰی عليه واگر در دوازدہ متفق شوند توافق بجزء من اثنی عشر، گویند یعنی توافق بحصہ دوازدہم چنانچہ بست وچہار ۲۴ وسی وشش ۳۶

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۶۷

[2] مختصر الفرائض

وعلٰی ھٰذا القیاس درجمیع مراتب[1] وفی زبدۃ الفرائض مولاناعبدالباسط القنوجی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درمافوق العشرۃ بجزء وے کہ مضاف بسوئے عاد باشد تعبیر کنند پس دراحد عشر بجزوے ازاحد عشر واثنی عشر بجزوے ازاثنی عشر وھکذا تا غیر نہایت[2]۔	چھتیس کی صورت میں توافق چوبیسویں اور چھتیسویں حصہ میں ہوگا،اوراسی پر قیاس ہوگا تمام مراتب میں۔اور مولانا عبدالباسط قنوجی رحمہ اللہ تعالٰی کی تصنیف زبدۃالفرائض میں ہے کہ دس سے زائد عددوں میں اس عدد کی ایسی جزء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو جزء عددمفنی کی طرف مضاف ہوتی ہے چنانچہ گیارہ میں اس کی گیارہویں جزء اور بارہ میں اس کی بارہویں جزء،اسی تک غیر نہایت تک۔(ت)

اور جب انتقال بعض ورثہ قبل از تقسیم کیفیت مذکورہ سے ہو تو انہیں خارج من البین وکان لم یکن کرنا ھی اولٰی ہے نہ اقامت بطون وافراز تصحیحات۔

فی الفرائض الشریفیۃ(لوصار بعض الانصباء میراثا قبل القسمۃ)فنقول ان کانت ورثۃ المیت الثانی من عداہ من ورثۃ المیت الاول ولم یقع فی القسمۃ تغییر فانہ یقسم المال حینئذ قسمۃ واحدۃ اذلافائدۃ فی تکرارھا کما اذاترك بنین وبنات من امرأۃ واحدۃ ثم مات احدی البنات ولاوارث لھا سوی تلك الاخوۃ والاخوات لاب وام فانہ یقسم مجموع الترکۃ بین الباقین للذکر مثل حظ الانثیین قسمۃ واحدۃ واحدۃ کماکانت تقسم بین الجمیع	فرائض شریفیہ میں ہے(اگر بعض حصے تقسیم سے پہلے میراث ہوجائیں)تو ہم کہتے ہیں کہ اگر میت ثانی کے ورثاء سوائے میت ثانی کے وہی ہین جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو اس صورت میں مال کو ایک تقسیم کے ساتھ بانٹ دیاجائے گا کیونکہ تقسیم کی تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔جیسے کسی شخص نے ایک ہی بیوی سے کچھ بیٹے اور کچھ بیٹیاں چھوڑی ہوں پھرایک بیٹی مرگئی جس کا ان حقیقی بہن بھائیوں کے سوا کوئی وارث نہیں تو اس صورت میں تمام ترکہ باقی بیٹوں اور بیٹیوں میں ایک ہی تقسیم کے ساتھ للذکرمثل حظ الانثیین کے مطابق اسی طرح تقسیم کریں گے جیساکہ ان تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا تھا

[1] زبدۃ الفرائض
[2] زبدۃ الفرائض

کذٰلك فکانّ المیّت الثانی لم یکن فی البین[1]. وفی الدر المختار (مات بعض الورثة قبل القسمة للترکة صحت المسئلة الاولٰی) واعطیت سھام کل وارث (ثم الثانیة) الا اذا اتحد کأن مات عن عشرة بنین ثم مات احدھم عنھم[2]. وفی الفتاوی الھندیة ان کانت ورثة المیت الثانی ھم ورثة المیت الاول ولاتغیر فی القسمة تقسم قسمة واحدة لانه لافائدة فی تکرار القسمة[3]، فی مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق (ان مات البعض قبل القسمة فصحح مسئلة المیت الاول و اعطی سھام کل وارث ثم صحح مسئلة المیت الثانی) ھذا اذا کانت ورثة یرثون خلاف مایرثون من المیت الاول اما اذا کانوا یرثونه بعینھم فلاحاجة الی التصحیحین کمالومات عن عشرہ ابناء ثم مات احد البنین ولم یترك وارثا سواھم کذافی الزاھدی	گویا کہ میت ثانی درمیان میں تھا ہی نہیں، درمختار میں ہے ترکہ کی تقسیم سے پہلے وارثوں میں سے کوئی مرگیا تو پہلے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کے حصے دیئے جائیں گے پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی سوائے اس کے کہ دونوں مسئلے متحد ہوں، جیسے کوئی شخص دس ۱۰ بیٹے چھوڑ کر مرگیا پھر ان میں سے ایک باقی نو بھائی چھوڑ کر مرگیا۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے اگر میت ثانی کے ورثاء وہی ہوں جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو ایک ہی تقسیم کی جائے گی کیونکہ تقسیم کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں۔ مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق میں ہے اگر وارثوں میں سے کوئی ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرگیا تو پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کو حصے دئے جائیں گے پھر مسئلہ ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی، یہ اس وقت ہوگا جب میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے مختلف ہوں۔ لیکن اگر میت ثانی کے ورثاء بعینہٖ میت اول کے ورثاء ہوں تو پھر دو تصحیحوں کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کوئی شخص دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا پھر بیٹوں میں سے ایک مرگیا اور اس نے سوائے اپنے مذکورہ نو بھائیوں کے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ یونہی زاہدی اور زبدہ باسطیہ

[1] الشریفیه شرح السراجیه باب المناسخة مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۹۱

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی المناسخة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۶

[3] الفتاوٰی الھندیة کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۷۰

وفی الزبدۃ الباسطیۃ[1] بدانکہ اگر ورثہ میت ثانی عین ورثہ میت اول باشند ونیز قسمت تغیر نیابد بجہت آنکہ از یک جنس بودند پس بنا بر اختصار میت ثانی راکالعدم شمار کردہ بر تصحیح واحد اکتفا نمایند۔ وفی مختصر الفرائض اعلم ان ورثۃ المیت الثانی ان کانوا ھم الوارثین للمیت الاول سوی المیت الثانی ولایتغیر التقسیم بموتہ تقسم الترکۃ علی الورثۃ الباقیۃ تقسیما واحدا ویجعل المیت الثانی کأن لم یکن فی البین مثلاً ترک واربعۃ ابناء و ثلاث بنات کلھم من زوجۃ واحدۃ ثم مات ابن واحد قبل القسمۃ وترک ثلثۃ اخوۃ وثلث اخوات لاب وام ثم ماتت اخت وترکت ثلثۃ اخوۃ واختین کانت المسئلۃ من الثمانیۃ لکل من الابناء الثلثۃ اثنان و لکل من البنتین واحد ویجعل الابن والبنت کأن لم یکونا فی البین[2] انتہت معھذا مطمح نظر علمائے	میں ہے: توجان لے کہ اگر میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء کا عین ہوں اور تقسیم میں بھی کوئی تبدیلی نہ آتی ہو اس لحاظ سے کہ وہ ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں تو اختصار کی بنیاد پر میت ثانی کو کالعدم شمار کرتے ہوئے ایک ہی تصحیح پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مختصر الفرائض میں ہے: توجان لے کہ میت ثانی کے ورثاء اگر وہی ہوں جو میت اول کے وارث بنتے ہیں سوائے میت ثانی کے۔ اور میت ثانی کی موت کی وجہ سے تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو اس صورت میں ترکہ کو ایک ہی تقسیم کے ساتھ باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور میت ثانی کو درمیان سے کالعدم قرار دے دیا جائے گا مثلاً کوئی شخص چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا جو کہ تمام ایک ہی بیوی سے ہیں پھر تقسیم سے پہلے ایک بیٹا مر گیا جس نے تین حقیقی بھائی اور دو بہنیں چھوڑی ہیں تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا تین بیٹیوں میں سے ہر ایک کو دو ۲ دو ۲ حصے ملیں گے اور دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور مر جانے والے بیٹے اور بیٹی کو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ وہ درمیان میں تھے ہی نہیں انتہت، اس کے باوجود ہمیشہ علماء فرائض کا مطمح نظر سہام کو کم کرنا اور حساب کو

[1] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق

[2] مختصر الفرائض

فرائض دواما تقلیل سهام وتسهیل حساب کما لیس بخاف علی من له ادنٰی مرور فی زقاق هذا الفن۔	آسان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس کا اس فن کی گلیوں میں تھوڑا سا گزر ہوا ہے۔ (ت)

وللہذا در صورت تعدد عاد اکثر الاعداد کا اعتبار فرماتے ہیں تا جزء وفق اقل ہو اور حساب اہون واسہل اور اصول ثلثہ تصحیح سے کہ بین السہام والرؤس مقرر ہیں نسبت تداخل کو محض روًا للاختصار خارج اور اگر سہام رؤس پر تقسیم ہو جائیں تو تماثل ورنہ توافق کی طرف راجع کرتے ہیں ونظائر ذٰلك كثيرة وفی اسفار الفن مسطورة (اس کی نظیریں بہت ہیں جو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ت) اور پر ظاہر کہ ورثہ مذکورین کو کأن لم یکن (گویا کہ وہ نہیں تھا۔ت) کرنے میں اختصار قسمت اور خفت مؤنث اور حساب کی ہے اور اسی مقصود فن سے کمال مناسبت، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔**

مسئلہ ۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرا اور وارثوں میں اپنی دو زوجہ اور زوجہ اولٰی کا مہر سوا لاکھ روپیہ کا اور ایک دختر بھی ہے اور زوجہ ثانی لاولد اور مہر اس کا دس ہزار روپیہ تک ہے، اور ایک بھائی، کتنے سہام پر جائداد تقسیم ہو گی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ جائداد بقدر عہ/ کے ہے اور حکم شرع میں ادائے مہر ودیگر دیون تقسیم ترکہ پر مقدم اس صورت میں کہ مقدار دونوں مہروں کی حیثیت جائداد سے زائد ہے، کسی وارث کو جائداد میں استحقاق مالکانہ نہیں، للہذا کل جائداد متروکہ سے جو بعد تجہیز وتکفین کے باقی رہا دونوں زوجہ کے مہر اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین ہو تو ان کے ساتھ وہ بھی سب بطور حصہ رسد ادا کردیئے جائیں اور کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ مہر معاف ہو جائے یا کوئی وارث جائداد کے خالص کرلینے کو اپنے پاس سے ادا کردے تو بعد ادائے دین واجراء وصیت جو بچے گا سولہ ۱۶ سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور چھ برادر

کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷: ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد کے مالک زید و عمرو و بکر سہ برادران حقیقی تھے، اول زید فوت ہوا، خالد و عمدہ والدین چھوڑے۔ پھر عمدہ نے عمرو بکر پسر ہندہ سعیدہ دختر خالد شوہر چھوڑے پھر خالد نے وارثان مذکور سے انتقال کیا پھر عمرو نے زوجہ خدیجہ چھوڑ کر لاولد وفات پائی پھر ہندہ شوہر عبداللہ پسر حامد محمود دختر فاطمہ چھوڑ کر مر گئی، ترکہ کیونکر منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین و صحت ترتیب اموات و تقدیم مایقدم کالمہر والدین والوصیۃ ایک ثلث جائداد کہ حصہ زید ہے نوسوساٹھ ۹۶۰ سہام پر منقسم ہو کر ورثہ احیاء پر جس حساب سے بٹ جائے۔

المبلغ ۹۶۰

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۴۴۰	۲۲۰	۸۰	۵۵	۶۶	۶۶	۳۳

وذٰلك لان التصحیح یبلغ الفین وثمان مائة و ثمانین ۲۸۸۰ وکأن ینقسم ھٰکذا۔	اور یہ اس لئے ہے کہ تصحیح دو ہزار آٹھ سو اسی ۲۸۸۰ تک پہنچتی ہے گویا اس طرح تقسیم ہوتی ہے۔(ت)

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۱۳۲۰	۶۶۰	۲۴۰	۱۶۵	۱۹۸	۱۹۸	۹۹

کما یظھر بالتخریج فوجدنا فی السھام کلھا موافقه بالثلث فرددنا المسئلة للاختصار الٰی ماتری۔	جیسا کہ تخریج سے ظاہر ہوتا ہے، پس ہم نے تمام حصوں میں تہائی کا توافق پایا تو ہم نے مسئلہ کو اختصار کے لئے تہائی کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔(ت)

اور ثلث دوم کہ حصہ عمرو ہے تین سو برس سہام پر انقسام پا کر یوں ہر وارث کو ملے۔

المبلغ ۳۲۰						
بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۸۰	۱۲۰	۶۰	۱۵	۱۸	۱۸	۹

کمایظھر بالمناسخۃ (جیسا کہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ت)

اور ثلث سوم خاص بکر کا ہے اور اگر ساری جائداد ملا کر دفعۃً تقسیم کرلینا چاہیں تو بہت اختصار ہوجائے گا کل جائداد کے ایک سو چوالیس حصے کرکے اس طرح تقسیم کریں ہر ایک اپنے تمام حقوق کو پہنچ جائے گا:

المبلغ ۱۴۴						
بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
	۲۰	۱۶	۵	۶	۶	۳

یہ اختصار قابل امتحان طلبہ ہے کہ کیونکر ان سہام میں بکر کا ثلث الگ ہو کر دونوں ترکے پورے پورے تقسیم ہوگئے **من دون ان یمکن فرض باطل کجعل المورث الاعلی واحدا او لیستعان بقاعدۃ فوق التقسیم المفرد علٰی ضوابطھا المقررۃ عند الحساب** (بغیر اس کے کہ کسی باطل کو فرض کیا جائے مثلاً صورت اعلٰی کو ایک قرار دیا جائے یا تقسیم مفرد کے اوپر والے قاعدے سے ان ضوابط کے مطابق مدد لی جائے جو حساب میں طے شدہ ہیں۔ت) مگر یہ جبھی ممکن کہ وقت تقسیم تینوں بھائی جائداد میں بحصہ مساوی شریک ہوں عام ازیں کہ اول ہی سے برابر تھے اور زید وعمرو کے ترکہ پر دین وصیت کچھ نہ تھا یا تھا اور اس جائداد کے غیر سے ادا کردیا گیا یا اول سے مختلف تھے اور دیون ووصایائے زید وعمرو اس ترکہ سے ادا ہو کر اب تینوں حصے برابر آگئے اور اگر وقت تقسیم کمی بیشی ہے خواہ ابتداء سے تھی یا اب بوجہ ادائے دین ووصیت ہوگئی تو تقسیم کی وہی پہلی صورت رہے گی کہ ہر ایک کا جدا بٹے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لڑکا بعمر ڈھائی برس اور زوجہ اور والدہ اپنی اور برادر حقیقی چھوڑ کر فوت ہوگیا بعدہ، بلااجازت زوجہ زید کے چچا زید متوفی نے مال متروکہ زید ونیز مال جہیزی زوجہ زید کا پسر زید کے نام کرکے تابلوغ پسر مذکور سپرد برادر حقیقی زید کے کردیا وقت سپردگی مال مذکور کے نانا لڑکے اور نیز اہل برادری نے سپردگی مال میں رضامندی ظاہر کی

پس اس صورت میں جو رضامندی اور اجازت زوجہ زید سے نہیں لی گئی مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر حقیقی زید کے سپرد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مال زید کے سہام پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

مال جہیز تو خاص ملک زوجہ زید ہے نہ وہ زید کا ترکہ نہ زید کے کسی وارث کا اس میں کوئی حق۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجہاز ملك المرأۃ لاحق لاحد فیہ[1]۔	ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔(ت)

اور متروکہ زید بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون و تنفیذ وصایا، چوبیس سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ اور چار والدہ اور سترہ پسر کو ملیں گے تو متروکہ زید میں بھی چوبیس سہام سے سترہ کا استحقاق پسر کو تھا کل ترکہ زید بنام پسر زید کر دینا ظلم وجہالت ہے اور اس کے ساتھ زوجہ زید کا جہیز بھی ملا دینا اور ظلم بر ظلم اور نانا یا اہل برادری کی رضامندی کوئی چیز نہیں کہ وہ غیر مالک ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ(ت)

پس کل مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر زید کی سپردگی میں دینا سب بیہودہ و باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹: ماہ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل تسنن پر فوت ہوا اور اس نے ایک دختر سنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے بطن سے اور ایک زوجہ مدخولہ نو مسلم شیعہ اور ایک برادر خالہ زاد کہ زید کا بہنوئی ہے اور دو بھانجی حقیقی مذہب سنی اور ایک بھائی چچا زاد شیعہ اور ایک نواسہ شیعہ اور داماد شیعہ یعنی باپ اس نواسہ کا کہ جس کی ماں حیات میں زید متوفی کی مر گئی تھی وارث چھوڑے جائداد مقبوضہ مملوکہ زید متوفی جمیع ورثہ پر از روئے فرائض کس طرح

[1] ردالمحتار باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

تقسیم ہونا چاہئے اور کون کون ذی حق جائداد مذکور میں ہو سکتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

تحریرات مجتہد لکھنؤ و تجربہ خواص و عوام شیعہ سے ثابت کہ اس زمانے کے شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو ہر گز نہ ان سے مناکحت جائز، نہ وہ نکاح شرعاً نکاح، نہ وہ اہلسنت کا ترکہ پا سکیں، نہ اہل سنت کو ان کا مورث کہہ سکیں۔ عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولهم فی خروج امام باطن (الٰی من قال) وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کذا فی الظهیریة[1]۔	رافضیوں کو کافر قرار دیناواجب ہے ان کے اس قول کی وجہ سے کہ مردے دنیا کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ امام باطن کا ظہور ہونا ہے (یہاں تک کہ کہا) اور یہ قوم ملت اسلام سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔ یونہی ظہیریہ میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

اختلاف الدین ایضا یمنع الارث[2]۔	دین کا اختلاف بھی میراث سے مانع ہے (ت)

پس کل ترکہ زید بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وعدم وارث اُخر وتقدیم یا یقدم کالدین والوصیۃ، صرف اس کی دختر سنیہ کو ملے گا۔ اور یہ مدخولہ اور چچازاد بھائی کہ شیعہ ہیں کچھ نہ پائیں گے نہ خالہ زاد بھائی بھانجوں نواسے داماد کا کوئی حق ہے ہاں اگر یہ مدخولہ یا چچازاد بھائی دونوں کسی ضروری دین کا انکار نہ کرتے ہوں تو بشرائط مذکورہ ترکہ آٹھ سہم پر منقسم ہوگا ایک زوجہ اور چار دختر اور تین ابن العم کو ملیں گے اور صرف ابن العم منکر نہ ہو تو دو حصہ ہو کر دختر و ابن العم کو نصفا نصف پہنچے گا زوجہ کچھ نہ پائے گی، اور صرف زوجہ منکر نہ ہو تو آٹھ پر تقسیم ہو کر ایک سہم زوجہ اور سات دختر کو پہنچیں گے ابن العم محروم رہے گا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

مسئلہ ۱۰: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۲۰ صفر ۱۳۰۸ھ

چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید با برادر خرد حقیقی شریک حال بودہ مکان وزیور ونقد وظروف واشیائے خانہ داری تعدادی تخمینا پانزدہ صد روپیہ ہر دو بشرکت بزور بازوئے خود فراہم کردند ودر خورد ونوش معیشت ہیچ امتیازے نداشتند وعلاوہ اموال مذکورہ صد بیگھہ زمین از سرکار خاص بنام زید معاف شد الادرستی وآبادی زمین مزبورہ وتیاری چاہ بزر مشترک شد وآمدنی سالیانہ بشرکت صرف می نور حالا زید زوجہ ثانیہ لاولد وزوجہ ثالثہ ویک پسر وسہ دختر از بطن زوجہ اولٰی کہ پیش از زید مردہ بود وشادی اینہا زید بحیات خودش کرد وسہ پسر از بطن زوجہ ثالثہ کہ ہر سہ بحیات زید ناکتخدا ماندند وہمیں یک برادر وارث گزاشتہ وفات یافت پس ترکہ زید چساں انقسام یابد وزمینے کہ تنہا بنام زید معاف ست دراں برادر دیگر را ہم حصہ است یا خیر ودر اولاد زوجہ اولٰی و ثالثہ بوجہ کتخدا زدن بحیات زید از رف زید وناکتخدا ماندن فرقے در ارث خواہد بود یانے۔ بیّنوا توجروا۔	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ تھا اور دونوں نے شراکت میں اپنے زور بازو سے مکان، زیور، نقدی، برتن اور خانہ داری کی دیگر اشیاء جن کی مالیت تقریبًا پندرہ سو روپے ہے جمع کیں اور کھانے پینے میں وہ دونوں آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے، اموال مذکورہ کے علاوہ سو بیگھہ زمین حکومت نے خاص زید کے نام الاٹ کی مگر مذکورہ زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری مشترکہ طور پر صَرف ہوتی رہی، اب زید مرگیا اور اس نے اپنی دوسری بیوی بے اولاد چھوڑی اور پہلی بیوی جو زید سے پہلے مرگئی سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑیں جن کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی، اور تیسری بیوی چھوڑی جس سے زید کے تین بیٹے ہیں جو زید کی زندگی میں کنوارے رہے اور ایک یہ بھائی چھوڑا ہے، تو اب زید کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا اور جو زمین تنہا زید کے نام پر الاٹ ہوئی اس میں دوسرے بھائی کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟ اور اس کی پہلی اور تیسری بیویوں کی اولاد میں اس وجہ سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں کہ پہلی بیوی کی اولاد زید کی زندگی میں زید کے خرچ سے شادی شدہ ہوئی جبکہ تیسری بیوی کی اولاد کنواری رہی۔ بیان کرو اجر دیئے جاؤ گے (ت)

الجواب:

زمینے کہ تنہا بنام زید معاف شد خاص ملک اوست برادر دیگر را دراں استحقاقے نیست فان الاقطاع انما یکون لمن اقطع لہ کما ان الموہوب لایملکہ الا من وھب لہ ودرآبادی وتیاری چاہ صرف زر مشترک مستلزم ملک برادر درعین زمین نیست کما لا یخفٰی اما آنچہ بحالت اتحاد ویکجائی بزور بازوئے خود پیدا کردند اگر ہر دو بکسب واحد بروجہ شرکت اشتغال میداشتند گو یکے عمل بیش می کرد ودیگرے کم یا آنچہ بہ مکاسب جداگانہ خود ہامی اند وختند خلط می کردند ویک جا صرف می نمودند کہ درملک ہر دو تفاوت معلوم نیست پس ہمہ آنچہ بہم حاصل کردہ اند نصفًا نصف علی السویہ ملک ہر دو برادر باشد فی الفتاوی الخیریۃ سئل فی اخوین سعیہما واحد وعائلتہما واحدۃ حصلا بسعیہما اموالا من مواش وغیرھا فھل جمیع ماحصلاہ بسعیہما و کسبہما مشترک بینہما تجب	جو زمین اور زید کے نام الاٹ ہوئی وہ خاص اسی کی ملکیت ہے۔دوسرے بھائی کا اس میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ زمین کے قطعات اس کے لئے ہوتے ہیں جس کے لئے الاٹ کئے جائیں۔جیسا کہ موہوب کامالک سوائے اس کے کوئی نہیں ہوتا جس کے لئے ہبہ کیاگیا اور زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری میں مشترکہ مال کاخرچ ہونا عین زمین میں بھائی کی ملکیت کامقتضی نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، لیکن جو کچھ انہوں نے اتحاد واتفاق کی حالت میں اپنے زور بازو کے ساتھ کمایا اگر دونوں ایک ہی کسب میں بطور شرکت مشغولیت رکھتے تھے اگرچہ ایک کام زیادہ کرتاہو اور دوسرا کم یاوہ الگ الگ کسب کرکے جوکچھ جمع کرتے اس کو اکٹھا کرلیتے اور اکٹھا خرچ کرلیتے اس طور پر کہ دونوں کی ملکیت میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا پس جو کچھ انہوں نے حاصل کیاہے وہ ان دونوں بھائیوں میں مساوی طور پر نصف نصف ہوگا۔فتاوٰی خیریہ میں ہے دو بھائیوں کے بارے میں سوال کیاگیا جن کا کاروبار ایک ہے اور ان دونوں کا کنبہ بھی ایک ہے ان دونوں نے اپنی محنت سے مویشی وغیرہ کی صورت میں کچھ مال جمع کیا، توکیاجوکچھ انہوں نے اپنی محنت اور کسب سے

قسمته بینهما مناصفة ام لااجاب نعم[1] اھ ملخصا۔ فی ردالمحتار یؤخذ من هذا ماافتی به فی الخیریة، فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما ولایعلم التفاوت ولاالتساوی و لاالتمییز فاجاب بانه بینهما سویة وکذٰلك لواجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولواختلفوا فی العمل والرای[2] اھ وناکتخدا ماندن بعض اولاد بحیات مورث موجب زیادت حصه ایشاں برکتخدایاں نیست فان الارث انما یکون بعد الموت اوعنده علٰی اختلاف العلماء لاقبله بالاجماع فما وصل الٰی بعضهم من قبل علٰی جهة تبرع	حاصل کیا وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہے اس کی تقسیم ان دونوں کے درمیان نصف نصف واجب ہوگی یانہیں؟ جواب دیا کہ ہاں اھ تلخیص۔ ردالمحتار میں ہے اس سے اخذ کیا جائے گا وہ جو خیریہ میں ایک عورت کے شوہر اور ان کے بیٹے کے بارے میں فتوٰی دیا ہے جو دونوں ایک گھر میں اکٹھے رہتے ہیں ہر ایک ان میں سے الگ کمائی کرتا ہے پھر وہ دونوں اپنی کمائی یکجا کرلیتے ہیں اور اس میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں برابری اور کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے تو جواب دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان برابر ہوگا۔ اسی طرح کچھ بھائی اکٹھے ہو کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کرتے ہیں اور مال بڑھ جاتا ہے تو وہ ان کے درمیان برابر برابر ہوگا اگرچہ وہ عمل اور رائے میں مختلف ہوں، اور بعض اولاد کا باپ کی زندگی میں کنوارہ رہ جانا اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ ان کا حصہ شادی شدگان پر زیادہ ہوجائے کیونکہ میراث موت کے بعد یا موت کے وقت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ علماء کے مختلف قول ہیں۔ موت سے پہلے میراث بالاجماع ثابت نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ بعض اولاد کو مورث کی طرف سے موت سے قبل بطور تبرع موصول ہوا

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الشرکة دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۹

من المورث لایمکن ان یحسب من الارث وسببه هی الوصلة المعلومة وهم فیها سواء پس دریں صورت کل زمین معافی ونیمہ ایں اموال کہ درآنہا شرکت ہر دو برادر ست برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل اداء مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون وانفاذ وصایا بریک صد وہفتاد وشش سہام انقسام یافتہ یازدہ سہم بہر زن موجودہ وبست وہشت بہر پسر و چاردہ بہر دختر رسد وبرادر را در ترکہ زید حظے نیست واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم بالصواب۔	اس کو میراث میں سے شمار کرنا ممکن نہیں اور اس کا سبب وہی ملاپ اور تعلق ہے جو معلوم ہے اور وہ سارے اس میں برابر ہیں، چنانچہ اس صورت میں الاٹ شدہ تمام زمین اور دونوں بھائیوں کے درمیان مشترکہ اموال میں سے نصف اس تقدیر پر کہ میراث کے موانع میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کے ورثاء صرف یہی مذکورہ افراد ہوں اور جن امور کو میراث سے مقدم کرنا لازم ہے مثلاً تینوں بیویوں کا مہر، دیگر قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے نفاذ کے بعد جو مال بچے اس کے ایک سو چھہتر حصے کرکے گیارہ گیارہ حصے ہر موجودہ بیوی کو اٹھائیس ۲۸ حصے ہر بیٹے کو اور چودہ حصے ہر بیٹی کو پہنچیں گے بھائی کے لئے زید کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ سبحانہ، وتعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱: ۸ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مہر مسماۃ ریاست النساء مرحومہ کا ذمہ احمد شاہ خاں شوہر کے واجب الادا ہے اور ترکہ مسماۃ سے نصف حصہ اس کے شوہر کا ہے مہر بتعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ ہے اور ترکہ بمقدار قلیل مسماۃ کی والدہ اور بھائی دعویدار مہر ہیں۔ اس صورت میں ترکہ اس کے شوہر کو ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بیشک ملے گا،

فان الدین المحیط علی المیت تمنع تقسیم الترکة بین الورثة لادین	اس لئے کہ ترکہ کا احاطہ کرنے والا قرض اگر میت پر ہو تو وہ ورثاء میں ترکہ کی تقسیم سے مانع ہوتا اور اگر میت کا قرض دوسروں پر ہو

البیت۔	تو وہ مانع نہیں ہوتا۔(ت)

وہ ترکہ سے اپنا حصہ لے اور باقی وارث اس سے نصف مہر لیں اگر نہ دے دعوی کرلیں فان الدین قد حل بالموت (کیونکہ موت کے سبب سے قرض کی ادائے گی کاوقت آپہنچاہے۔ت) یہ خیال کہ اس پر مہر کثیر اور جائداد قلیل اگر ترکہ سے حصہ دے دیا جائے گاشاید کسی کے نام منتقل کردے اور مہر مارا جائے ہرگز اسے ترکہ ملنے سے مانع نہ ہوگا نہ یہ روکنا کچھ مفید کہ وہ بلا تقسیم بھی بیع کرسکتا ہے جو قطعًا نافذ ہوگی کہ یہ حجر بالدین امام کے نزدیک مطلقًا اور بے حکم قاضی اجماعًا جائز نہیں۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

ثم لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لا یثبت الابقضاء القاضی[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرض کی وجہ سے پابندی قضاء قاضی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲: ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مرد مذہب اہلسنت وجماعت نے عورت مذہب شیعہ تبرائی سے حسب طریقہ رفاض صیغہ پڑھایا اور اپنی زوجیت میں لایا وہ عورت زوجہ شرعی ہوسکتی ہے یانہیں اور ترکہ اس مرد کی مستحق ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

وہ ہرگز زوجہ شرعیہ نہیں، نہ اصلًا ترکہ کی مستحق۔ رافضی تبرّائی ہمارے فقہاء کرام اصحاب فتاوٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک مطلقًا کافر ہے، عامہ کتب فتاوٰی میں اس مسئلہ کی جابجا تصریح ہے اور فقہائے مدوحین کے نزدیک ان کا کفر بوجوہ کثیرہ ثابت:

اوّلًا: خود یہی تبرائے ملعون والعیاذباللہ تعالٰی فقہاء کرام فرماتے ہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شان میں ان کلمات ملعون کا بکنے والا کافر ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے:

---

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الحجر الباب الثانی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۵۵

الرافضی اذاکان لیسب الشیخین و یلعنهما والعیاذ باللّٰه فهو کافر[1]۔	رافضی جب شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہوگا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے: امام ابوزید دبوسی وامام ابواللیث سمرقندی وامام ابوعبداللہ حاکم شہید وغیرہم ائمہ کبار نے رافضی تبرائی کے مطلقاً کافر ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اشباہ والنظائر وتنویر الابصار ومنح الغفار ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ میں جزم کیا۔ درمختار میں ہے:

فی البحر عن الجوهرة معزیا للشهید من سب الشیخین اوطعن فیهما کفر ولاتقبل توبة وبه اخذ الدبوسی وابواللیث، وهو المختار للفتوی انتهی و جزم به فی الاشباه واقره المصنف[2] الخ۔	بحر میں بحوالہ جوہرہ شہید کی طرف منسوب ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہوگیا ور اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اسی سے دبوسی اور ابو اللیث نے اخذ کیا اور وہی فتوٰی کے لئے مختار ہے انتہی۔ اشباہ میں اسی پر جزم کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مسلم رکھا ہے الخ (ت)

ثانیاً: حضرت افضل الاولیاء المحدبین امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت برحق سے انکار کرنا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: صحیح مذہب پر اس کا منکر کافر ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنه ای خلافته بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی الامة فهو کافر فی القول الصحیح لاجماع الامة علٰی ذٰلك من غیر خلاف احد یعتدبه[3]۔	جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد امت پر آپ کی خلافت کا انکار کیا تو صحیح قول میں وہ کافر ہے، کیونکہ اس پر اجماع امت ہے اور کسی قابل اعتبار شخص نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ (ت)

---

[1] الفتاوٰی الہندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الاول نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۲۱

اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے: الصحیح انہ کافر[1] (صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ت)

ثالثًا: حضرت امیر المومنین امام العادلین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت برحق سے منکر ہونا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: اصح مذہب پر یہ بھی کفر ہے۔ ظہیریہ وعالمگیریہ وسیرت احمدیہ وغیرہا میں ہے:

کذٰلك من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی اصح الاقوال[2]۔	اسی طرح جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہے اصح قول میں وہ کافر ہے۔(ت)

فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

ان انکر خلافۃ الصدیق اوعمر فھو کافر[3]۔	اگر کسی نے صدیق اکبر یا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔(ت)

اور کتب فقہ کا تتبع کیجئے تو ان کے سوا اور وجوہ کفر بھی روافض تبرائی میں پیدا ہوں گی اور حق یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے یہ رافضی قطعًا یقینا بالاجماع کافر مرتد ہیں کہ ان کا منکر ضروریات دین ہونا تحریرات مطبوعہ مجتہد لکھنؤ وغیرہ سے ثابت۔

وقد فصّلنا ذٰلك فی بعض فتاوٰنا ولن تجد احدا منھم الا وھو یقول بنقصان القراٰن العظیم الموجود بایدی المسلمین الیوم عن القدر المنزل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد افصح بذٰلك کبارھم وصغارھم وعلماؤھم وجھالھم تحریرا	ہم نے اپنے بعض فتووں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے۔ ان میں سے ہرگز تجھے کوئی ایسانہ ملے گا کہ جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو موجودہ قرآن مجید ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن مجید سے کم ہے۔ اس بات کی تصریح ان کے بڑوں، چھوٹوں، عالموں اور جاہلوں نے تحریر وتقریر میں کی ہے۔ اسی

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[3] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

وتقریرا وکذٰلك بتفضیل سیدنا علی ن المرتضٰی وسائر الائمۃ الاطہار کرم اللہ تعالٰی وجوھھم علٰی جمیع الانبیاء السابقین صلواۃ اللہ وسلامہ علیھم اجمعین فلایجوز لمسلم ان یرتاب فی کفرھٰؤلاء الانجاس الارجاس و العیاذ باللہ تعالٰی من شرکل وسواس خناس۔	طرح وہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور باقی ائمہ اطہار کی تمام سابقہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر افضلیت کے قائل ہیں لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پلید وغلیظ لوگوں کے کفر میں شک کرے، ہر چھپ کر پھسلانے والے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔(ت)

پس بلاشبہہ رافضیہ ہرگز اہلسنت کی زوجہ شرعیہ نہیں ہوسکتی اور ان سے مناکحت محض باطل اور اولاد اولاد زنا اور وہ ہرگز ترکہ اہلسنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ عالمگیری میں ہے:

اختلاف الدین یمنع الارث [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۹جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید حسین علی نے نوکری سے روپیہ پیدا کیا اور اپنے مکان پر جمع کرکے بھیجا اس کی زوجہ معصومہ نے بعد انتقال میر حسین علی کے اس روپے سے اپنے نابالغ بیٹے میر فضل علی کے نام جائداد خریدی میر علی حسین نے یہی زوجہ وپسر اور دو دختر مستین، بسم اللہ وارث چھوڑے پھر فضل علی نے یہی وارث اور حیدر علی چچا پھر بسم اللہ نے شوہر علی جان اور یہی ورثہ پھر معصومہ نے دختر مستین وارث چھوڑ کر انتقال کی اس صورت میں وہ جائداد میر حسین علی کی قرار پائے گی یا فضل علی کی؟ اور ہر وارث کو کس قدر پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مالک جائداد فضل علی ہے۔ عقود الدریۃ میں ہے:

ذکر فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے ایک عورت نے اپنے مال سے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے جائداد خریدی

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتكون الضيعة للولد لان الام تصير واهبة و الام تملك ذٰلك ويقع قبضا عنه احكام الصغار من البيوع[1]۔	توخریداری ماں کی طرف سے واقع ہوگی کیونکہ وہ نابالغ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور اس کی وہ مالک ہے اور ماں کا مبیع پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا(احکام الصغار، کتاب البیوع) (ت)۔

پس جائداد مذکورہ بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم ہو کر اس حساب سے ورثہ فضل علی کی دی جائے گی۔

مستتین	حیدر علی	علی جان
۱۷	۴	۳

البتہ جبکہ وہ روپیہ جس کے عوض یہ جائداد خریدی گئی ملک میر حسین علی تھااور اس میں تمام وارثانِ میر حسین علی کاحق تھا جسے معصومہ نے بے اجازت دیگر ورثہ خرچ کرڈالا تو باقی وارثوں کے حصص کاتاوان معصومہ پر آیا کہ وہ اس کے متروکہ سے (خواہ اسی جائداد فضل علی کا حصہ ہو یا اس کے سوااور کوئی چیز ہو) وصول کرنے کااستحقاق رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ما اشتراہ احدھم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترک[2]۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	شرکاء میں سے ایک نے جو کچھ اپنی ذات کے لئے خریدا وہ اسی کا ہوگا اور اس کے ثمن میں دیگر شرکاء کے حصہ کاتاوان دے گا اگر اس نے مشترکہ مال سے ثمن ادا کیا ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید مظہر حسن صاحب خادم جبہ مقدسہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین خاں لاولد مرا اور اس نے نکاح

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

بھی نہ کیا تھا اس کا وارث سوا خیراتی خان، اس کے پھوپھی زاد بھائی کے اور کوئی نہ تھا مگر خیراتی خاں اس کے سامنے مر گیا۔ خیراتی خاں نے اپنی زوجہ سے کہ اس کے سامنے مر چکی تھی ایک دختر چھچی اور زوجہ ثانیہ سے کہ زندہ ہے دو پسر بندہ حسن ومحبّ حسین چھوڑے، اس صورت میں یہ وارثان خیراتی خاں غلام حسین خاں کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اگر ہوں گے تو کس کس کو کتنا کتنا پہنچے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، ک ترکہ غلام حسین خاں کا پانچ سہام پر منقسم ہو کر دو۲ دو۲ سہم بندہ حسن ومحبّ حسین اور ایک سہم چھچی کو ملے گا اور زوجہ خیراتی خاں کچھ نہ پائے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

ان اجتمعوا وکان حیز قرابتهم متحدا فالاقوی اولی، ثم ولدالوارث اولیٰ، وان استوت قرابتهم فللذکر مثل حظ الانثیین، فان ترك ابن عمة وابنة عمة فالمال بینهما للذکر مثل حظ الانثیین، والکلام فی اولادهٰؤلاء بمنزلة الکلام فی اٰبائهم عند انعدام الاصول[1] اهملتقطا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر ذوی الارحام کی صنف رابع کے چند رشتہ دار جمع ہوں اور ان کی قرابت متحد ہو تو ان میں سے جو اقوی ہوگا وہ اولیٰ ہوگا۔ پھر وارث کی اولاد اولیٰ ہوگی، اور اگر ان کی قرابت برابر ہے تو مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا۔ اگر ایک پھوپھی کا بیٹا اور ایک پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر مر گیا تو ترکہ کا مال ان کے درمیان یوں تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دگنا ملے گا، ان کی اولاد میں کلام ایسے ہی ہے جیسا ان کے آباء میں ہے جبکہ اصول معدوم ہوں اھ التقاط۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵: از ٹونک دروازہ کلاں مرسلہ احمد حسن خاں محرر تھانہ جھندوا پرگنہ سرونج ریاست ٹونک ۱۰ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بوہار خاں نے ایک عورت مسلمان کی تھی

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب العاشر الصنف الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۶۳ تا ۴۶۴

اس سے تین لڑکے بوہار خاں کے پیدا ہوئے مگر نکاح نہ کیا تھا اب بوہار خاں کے ترکہ میں یہ لڑکے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر فی الواقع ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ بوہار خاں اس عورت کو بے نکاح تصرف میں لایا اور یہ لڑکے معاذاللہ محض زنا سے پیدا ہوئے غرض حالت وہ ہو کہ شرع ان کا نسب بوہار خاں سے اصلاً نہ ثابت کرے تو بیشک ترکہ بوہار خاں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجهة الام فقط لما قدمناه فی العصبات انه لااب لهما [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زنا اور لعان کی صورت اولاد فقط ماں کی طرف سے وارث ہوگی جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶: ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید پیدا ہوا اس کی خالہ نے اپنی بہن سے اسے لے کر اپنا بیٹا کرکے پالا اور بعد انتقال ہمشیرہ یہ عورت پدرِ زید کے نکاح میں آئی اس صورت میں کچھ ترکہ اسے ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر مراد سائل کی یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو اپنی اس خالہ کے ترکہ سے بوجہ متبنی یا سوتیلے بیٹے ہونے کے کچھ پہنچے گا یا نہیں، توجواب یہ ہے کہ کچھ نہیں کہ متبنی یا سوتیلا بیٹا ہونا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اس صورت میں زید اپنی حقیقی والدہ یا والد کے ترکہ سے حصہ پائے گا یا نہیں، توجواب یہ ہے کہ بیشک پائے گا کسی کا اسے اپنا بیٹا بنالینا اپنے حقیقی والدین کے بیٹے ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷: از مارہرہ شریفہ باغ پختہ مرسلہ مولوی نبی بخش صاحب ۲۰ شوال المکرم ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے فرزند سے

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

جو کہ عورت منکوحہ سے ہے بسبب اس کے اعمال زبون (یعنی فرزند اپنے باپ کی عزت کا خواہاں نہ ہے اور سخن نازیبا باپ کو کہتا ہے اور قصد کرتا ہے کہ اگر موقع ہو تو باپ کو مار ڈالوں) کے سخت ناخوش ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو عاق کردے اور اپنی جائداد کو دو اور لڑکوں کو جو عورت غیر منکوحہ سے ہیں دے دے تو اس شخص کا اپنے فرزند کے ان افعال پر عاق کرنا اور اپنی جائداد کو غیر منکوحہ کے لڑکوں کو دینا کیسا ہے اور عاق ہونے کے واسطے کون سے الفاظ کئے جاتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقہ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقہ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہوجائے۔ مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقہ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہوسکے، مگر معاذاللہ بحالت ارتداد والعیاذ باللہ تعالٰی۔ شرع میں عقوق ناحق نافرمانی والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کار اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کا حکم بے عذر شرعی نہ مانے گا یا معاذاللہ انہیں آزار پہنچائے گا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرط محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتا اور جو فرمانبرداری والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یا بحکم **لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ت) کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہنا نہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔ اور اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کردیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کرسکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہوسکے۔ یہ شخص اگر اپنی جائداد اپنے بیٹے کو محروم کرنے کے لئے ان بے نکاحی عورت کے لڑکوں کو دے دے گا تو دنیا میں یہ کاروائی اس کی اگرچہ چل جائے مگر عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] کنزالعمال برمزق۔د۔ن عن علی حدیث ۱۴۸۷۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷

وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔ رواه ابن ماجه [1] عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی اس کی میراث جنت سے قطع کردے (اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از صاحب گنج گیا مکان سید محمد ابو صالح خان بہادر رئیس کڑہ مرسلہ شیخ وزارت حسین خاں ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اور دو ماموں ایک بھتیجا یعنی پھوپھی زادہ بھائی کا لڑکا جس کا باپ اس عورت کے سامنے مرچکا تھا اور ایک پھوپھی زادہ بہن کو چھوڑا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس کس کو کس کس قدر ملے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر و تقدیم مایقدم کالدین والوصیۃ، کل ترکہ دونوں ماموں نصفًا نصف پائیں گے۔ پُھپی کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ علامہ ابو عبداللہ محمد غزی تنویر میں ذوی الارحام کے احکام عامہ میں فرماتے ہیں:

یحجب اقربهم الابعدا [2] اھ، والله تعالٰی اعلم۔	ان میں سے جو اقرب ہے وہ دور والے کے لئے حاجب (رکاوٹ) بن جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹: از بدایوں مولانا مولوی عبدالرسول محب احمد سلمہ اللہ تعالٰی ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

مولانا المجد زاد مجد کم بادائے ما یجب مستسعد بودہ شرف انداز معروضات ام	ہمارے مولانا بزرگوار آپ کی بزرگی میں اضافہ ہو آداب واجبہ کی ادائے گی کے ساتھ سعادتمندی

[1] سنن ابن ماجه کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۳

استفتاء بدست حامل ابلاغ والاخدمت ست۔	حاصل کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں عرض پیش کرنے سے مشرف ہو رہاہوں کہ حامل ہذا کے ہاتھ خدمت اقدس میں استفتاء ارسال ہے جس کی صورت اس طرح ہے:

اصل المسئلۃ زید

صورت ھ ــــــــــــــــ کذا

مادر	خواہر	ابن ابن ابن عم جدالاب
۲	۳	۱

قال فی الدرثم العصبات بانفسھم اربعۃ اصناف جزء المیت ثم اصلہ ثم جزء ابیہ ثم جزء جدہ[1] الخ۔قال العلامۃ الشامی قولہ ثم جزء جدہ اراد بالجد مایشمل اب الاب ومن فوقہ[2] الٰی اٰخرھا.واللہ اعلم الساطرالوارد محب احمد عبدالرسول عفی عنہ فریق مخالف رادریں مسئلہ مخالفتے است میگوید کہ مراد از جزء جدہ فقط عم اب وعم جد است نہ آنہا کہ فوق اینہا اند ونزد شامی علیہ الرحمۃ از من فوقہ صرف ہمیں دواہل قرابت مراد اند	در میں کہا پھر عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں: میت کی جزء، پھر میت کی اصل، پھر میت کے باپ کی جزء، پھر میت کے دادا کی جزء الخ۔علامہ شامی نے کہا کہ مصنف کے قول "پھر میت کے دادا کی جزء" میں دادا سے مراد وہ ہے جو باپ کے باپ اور اس سے اوپر والے کو شامل ہو الخ۔اللہ تعالٰی خوب جانتاہے، راقم السطور محب احمد عبدالرسول اس کی مغفرت ہو جائے۔ مخالف فریق اس مسئلہ کی مخالفت رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ دادا کی جزء سے مراد فقط باپ کا چچا اور دادا کا چچاہے نہ کہ اس سے اوپر والے۔اور شامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اوپر والوں سے مراد یہی دو اہل قرابت ہیں

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی العصبات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۹۳

چنانکہ از مثال پر ظاہر ست بواپسی حامل جواب مطلوب والسلام یکے از خدم افقر البرایا عبدالرسول محب احمد عفی عنہ۔	جیسا کہ مثال سے خوب ظاہر ہے حامل ہذا کے ہاتھ جواب مطلوب ہے۔آپ کا مخلص خادم مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج عبدالرسول محب احمد، اس کی مغفرت ہو جائے۔(ت)

الجواب:

| مولانا المکرم اکرمکم الاکرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب جناب حق وصواب ست فی الواقع درصورت مستفسرہ بکر عصبہ زید و مستحق باقی ودر قول درجزء جدہ داخل است کہ در فرائض بلکہ ہمہ ابواب فقہ از جد ہمیں پدر پدر یاجد قریب پدر مراد نباشد بلکہ از نسب پدر جملہ ذکور کہ در نسبت بایشان زن نیاید بذلك عرفوہ قاطبۃ وھو المراد حیث اطلق سراجیہ در ہمیں بیان تقسیم عصبات فرمود ثم الجد ای اب الاب وان علا[1] خود درہمیں عبارت در مختار است ثم الجد الصحیح و ھو اب الاب وان علا[2]۔در شریفیہ است ھو الذی لا تدخل فی نسبته الی المیت ام | مولانا مکرم رب کریم آپ کو اکرام بخشے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔جناب کا جواب حق اور درست ہے۔فی الواقع صورت مسئولہ میں بکر زید کا عصبہ اور بچے ہوئے مال کا مستحق ہے اور درکے قول "میت کے دادا کی جزء" میں داخل ہے کیونکہ فرائض بلکہ فقہ کے تمام ابواب میں دادا سے فقط باپ کا باپ کا جد قریب ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ باپ کے نسب کے تمام مذکر جن کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت واسطہ نہ آتی ہو۔تمام نے دادا کی یہی تعریف کی ہے اور جب اس کا اطلاق کیا جائے تو یہی مراد ہوتا ہے۔صاحب سراجیہ نے تقسیم عبارت کے اسی بیان میں فرمایا پھر جد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔خود در مختار کی اسی عبارت میں ہے پھر جد صحیح اور وہ باپ کا باپ ہے اگرچہ اوپر تک ہو۔شریفیہ میں جد صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں ماں داخل نہ ہو جیسے |

---

[1] السراجی فی المیراث باب العصبات مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۲

[2] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔زبدۃ الفرائض میں ہے یعنی باپ کا باپ جہاں تک اوپر چلا جائے۔مسئلہ واضح ہے اس میں کسی علم والے کی طرف سے شک کا تصور نہیں ہو سکتا تاہم خاص جزئیہ کی نص سماعت فرمائیں،زبدہ میں ہے عصبہ بنفسہ چار قسم پر ہے(اس کے اس قول تک)چوتھی قسم میت کے دادا کی جزء ہے جیسے اعیانی اور علاتی چچے جہاں تک اوپر چلے جائیں اور ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں،اسی قسم میں داخل ہیں۔اس کے بعد میت کے باپ کے دادا کی جزء یعنی باپ کے چچے اس کے بعد ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں،اس کے بعد میت کے دادا کے چچے پھر ان کے بیٹے جہاں تک اوپر یا نیچے چلے جائیں غیر نہایت تک۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)	**کاب الاب وان علا**[1] درزبدۃ الفرائض ست یعنی اب الاب ہر چند بالارود،مسئلہ واضح ست وشک درآن از ہیچ ذی علم معقول نے تاہم نص جزئیہ خاصہ بشنوید در زبدہ است عصبہ بنفسہ چار قسم است(**الی قولہ**)چہارم جزء جدمیت مانند عم اعیانی و علاتی وابنائے ایشاں ہر چند بالاوپایان روند ہمدرانست بعدازاں جزء جد میت یعنی اعمام او وبعد ازاں جزء جد اب میّت یعنی اعمام اب او بعد ازاں ابنائے ایشاں ہر چند پایان روند بعدازاں اعمال جدمیت وابناء ایشاں ہر چند بالا وپایان روند تاغیر نہایت۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں آخر شعبان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرعیہ ومفتیان طریقہ نبویہ اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ فتح محمد صاحب کے تین فرزند حمیدالدین اور رحیم الدین اور نورالدین،ان تینوں برادران حقیقی کی اولاد سے کوئی ورثہ شرعیہ باقی نہیں،مگر زوجہ رحیم الدین فقط باقی ہے،لیکن نورالدین کی عورت مطلقہ کے نطفہ زنا سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی،اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا،لڑکی توبحین حیات نورالدین فوت ہوئی اور زوجہ مطلّقہ باقی ہے،اب وہ لڑکا جو نطفہ زنا دختر سے نورالدین کے پیدا ہوا زوجہ رحیم الدین سے حصہ چاہتا ہے توفرزند زنا زادہا ازروئے شرعی حقدار حصہ ہے یا محروم؟اور زوجہ رحیم الدین مرحوم نے اپنے برادرزادہ کو اس حصہ اپنے کا ترکہ شوہری سے حسب القاعدہ شرعیہ پایا تھا مالک ومتبنی ومختار کرکے ہبہ نامہ نمودہ قاضی صاحب لکھ کر قبضہ کرواکے چندروز کے بعد منتقل سوئے جنان ہوئی تواس جائداد وہبہ شدہ حصہ ترکہ شوہری سے بنام برادر زادہ زوجہ رحیم الدین

---

[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب معرفۃ الفروض ومستحقیہا مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

وزوجہ حمیدالدین موسومہ عظیم خاں خلف محبوب خانصاحب سے وہ لڑکا زنازادہ حصہ چاہتا ہے۔ درست یا ممنوع اور خط تبنگی اور وہ ہبہ نامہ جو زوجہ رحیم الدین اور حمیدالدین نے جائداد منقولہ وغیر منقولہ اور مقبوضہ وغیر مقبوضہ حصہ یافتہ کیا تھا جائز ہے یا منسوخ؟ اس مسئلہ میں جو حکم بالتحقیق ہو بیان فرمائیں بحوالۃ الکتاب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

شرع مطہر کو اثبات نسب میں نہایت احتیاط منظور، جہاں ادنٰی گنجائش پائی ہے نسب ثابت فرمائی ہے، اور حتی الامکان ہرگز ولد الزنا نہیں ٹھہراتی۔ صدہا صورتیں نکلیں گی کہ عوام اپنے بے علمی سے بچہ کو ولدالزنا سمجھیں اور شرعًا وہ ثابت النسل ہو مثلاً یہی مطلقہ کی صورت ہے اگر عورت کو طلاق رجعی دے اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا تو اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد بچہ پیدا ہو شوہر کا ہی قرار پائے گا، یونہی اگر طلاق بائن یا مغلظ تھی اور ہنوز دو برس نہ گزرے کہ بچہ ہوگیا یا دو برس کے بعد ہوا اور شوہر نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو بھی اس ہی کا ٹھہرے گا۔ یوں ہی بہت صورتیں ہیں جن میں زعم جہّال مخالف شرع مطہر ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولولعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ کمایثبت بلادعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز	طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دوسال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے، چاہے بیس سال یا اس سے زیادہ گزرجائیں کیونکہ طہر کے دراز ہونے اور عدت ک دوران حمل ٹھہرنے کا احتمال موجود ہے جب تک عورت نے عدت کے گزرجانے کااقرار نہ کیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے گزرجانے کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ بغیر دعوٰی کے احتیاطًا بائنہ طلاق والی کے بچے کانسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ طلاق کے وقت سے

وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا وان لتمامھما لایثبت النسب و قیل یثبت،وزعم فی الجوھرۃ انہ الصواب الا بدعوتہ لانہ التزمہ [1] الخ ملخصًا۔	دو سال سے کم مدت میں بچہ جنے کیونکہ بوقت طلاق حمل کے موجود ہونے کا امکان ہے اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا اور اگر وہ پورے دو سال پر بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ ثابت ہو جائے گا،جوھرہ میں گمان کیا کہ یہی درست ہے مگر جب شوہر دعوٰی کرے تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ شوہر نے اس کا التزام اپنے اوپر کرلیا الخ ملخصًا۔(ت)

پس اگر زن مطلّقہ نورالدین کی وہ لڑکی جسے سائل نطفہ زنا سے بتاتا ہے کسی ایسی ہی صورت پر پیدا ہوئی تھی جس میں شرعًا وہ دختر نورالدین قرار پائی اگرچہ جہال دختر زنا کہیں تو بیشک اس دختر کا بچہ اگرچہ وہ اس کے بطن سے معاذاللہ بذریعہ زنا ہی پیدا ہوا ہو نورالدین کا نواسا اور اس کے ذوی الارحام سے ہے کہ اگر نورالدین کا کوئی وارث اہل فرض وعصبات سے نہ تھا تو وہ مستحق ترکہ نورالدین ہے اور اگر نورالدین اپنے کسی بھائی سے پہلے مرا تو ان بھائیوں میں جو سب سے پیچھے مرا ہو کہ نہ اس کا کوئی عصبہ ہو نہ سوائے زوجہ کے کوئی ذی فرض تو اس کا ترکہ اس لڑکے کو پہنچے گا کہ یہ اس کے بھائی کا نواسا ہے،ولدالزنا کا نسب اگرچہ باپ سے نہیں ہوتا شرعًا اس کا کوئی باپ ہی نہیں وللعاھر الحجر [2] (اور زانی کے لئے پتھر۔ت) مگر ماں سے یقینا ثابت اور اس کی طرف سے ضرور وارث ہوتا ہے اور نانا یا نانا کے بھائی کی قرابت قرابت مادری ہے تو اس ذریعہ سے اس کی وراثت میں شک نہیں۔

فی الھندیۃ ولدالزنا لا اب لہ،فترثہ قرابۃ امہ و یرثھم [3] اھ ملخصا۔	ہندیہ میں ہے کہ ولدالزنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا چنانچہ اس کی ماں کے قرابت دار اس کے وراث نہیں بنیں گے اور وہ ان کا وارث بنے گا اھ تلخیص(ت)

ہاں اگر مطلّقہ نورالدین کی دختر کا نسب شرعًا نورالدین سے نہ ٹھہرے تو اس کا یہ بیٹا

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۱

[2] الصحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۲

نورالدین کا کوئی نہیں، اگرچہ یہ پسر ولد الحلال ہے کہ دختر زنا شرعًا دربارہ میراث دختر نہیں تو وہ لڑکی خود ہی نورالدین کی بیٹی نہ تھی اس کا بیٹا نواسا کیونکر ہوسکتا ہے، پھر جس حال پر ہم اسے وارث کہہ آئے اس تقدیر پر بھی زوجہ رحیم الدین کے مال میں اس کا کوئی حق نہیں کہ نانا کی بھاوج ہونا شرعًا ذریعہ توریث نہیں خصوصًا جو مال کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہبہ شرعیہ کرکے قابض کراچکی اس سے اسے بھی کچھ تعلق نہ رہا وہ خاص اس موہوب لہ، کامال ہوچکا اس میں اس شخص کا دعوی اور بھی بے جا ہے، اور ہبہ جس قدر اشیائے منقسمہ جداگانہ بلاشرکت وشیوع تھا اور واہبہ نے موہوب لہ، کو اس پر قبضہ کاملہ دلادیا اس قدر میں تام وکامل ہوگیا اور جن اشیائے موہوب لہ، کو قبضہ کاملہ نہ دلایا خواہ یوں کہ سرے سے قبضہ ہی نہ ہوا یا ہوا تو شیئ موہوب جدا و منقسم ہو کر قبضہ میں نہ آئی اس قدر میں باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبله بطل[1]۔	میم سے مراد سپردگی کے بعد واھب یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا مرجانا ہے اور سپردگی سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

اس صورت میں یہ اشیاء جن کا ہبہ ناتمام رہا بعد موت واہبہ وارثان واہبہ کو وراثۃً پہنچے گی، رہا متبنّی کرنا وہ شرعًا کوئی چیز نہیں،

قال الله تعالٰی "اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ"[2]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کی مائیں نہیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد علی نے زوجہ رحموا، ابن غلام محمد و بنت بجو، منیرن اور ایک مکان خام جس میں دوسو گز زمین تھی چھوڑ کر انتقال کیا پھر بجو مادر رحمو اور شوہر و پسر و دختر چھوڑ کر فوت ہوئی پھر رحمو نے پسر غلام محمد دختر منیرن چھوڑ کر وفات پائی غلام محمد نے بعد پدر اس مکان خام کا ایک حصہ کچے گے اور ایک حصہ بیرونی پختہ اینٹ سے بصرف خویش

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

تعمیر کیااور تین سو ساٹھ روپے اپنے اوپر قرضہ اور صرف اسی مکان کا حصہ متروکہ اور زوجہ تیاربی بی دو پسر علی محمد، ولی محمد، دختر آبادی بیگم چھوڑ کر رحلت کی۔ علی محمد، ولی محمد نے باپ کی تجہیز وتکفین کی اور کل قرضہ ادا کیا۔اس صورت میں حصہ غلام محمد کس قدر ہوااور وارثان آبادی بیگم ترکہ غلام محمد سے اپنی موروثہ کا حصہ علی محمد ولی محمد سے بے ادائے قرضہ پانے کے مستحق ہیں یا اب ترکہ علی محمد کہ صرف یہی حصہ ہے اور اس کی مقدار دین مذکور سے بہت کم ہے علی محمد وولی محمد کامدیون ہو گیا کہ جب تک یہ دین ادانہ ہو کوئی وارث حصہ پانے کا مستحق نہیں۔بیّنوا توجروا

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم مایقدم کالمہر والوصیۃ ترکہ شیخ محمد علی سے حصہ غلام محمد ۲۸۸ / ۱۵۷ ہے کمایظھر بالتخریج وردالکسر الیٰ اقل المخارج (جیسا کہ تخریج اور کسر کو اقل مخرج کی طرف لوٹانے سے ظاہر ہے۔ت) یعنی اگر اس جائداد کے دو سو اٹھاسی حصے کئے جائیں تو ان میں سے ایک سو ستاون غلام محمد کے ہوں گے باقی وارثان منیرن وشوہر واولاد بجو کے،اور جب کہ حسب بیان سائل ترکہ غلام محمد صرف یہی ہے اور وہ مقدار دین سے بہت کم،توجب تک دین ادانہ کرلیاجائے کوئی وارث غلام محمد بذریعہ وراثت اس سے کچھ نہیں پاسکتا۔جائداد جیسے پہلے اور شخص کے دین میں مستغرق تھی اب علی محمد و ولی محمد کا دین اس پر محیط ہے جبکہ انہوں نے صراحۃً یہ نہ کہہ دیا ہو کہ ہم یہ قرضی محض بطور تبرع واحسان ادا کرتے ہیں ترکہ پدری سے واپس نہ لیں گے۔اشباہ میں ہے :

والدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث،فی جامع الفصولین لواستغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأہ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء،اما لواداہ من مال نفسہ مطلقا یجب لہ دین علی المیت فتصیر مشغولۃ بدین	جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملکیت سے مانع ہے۔جامع الفصولین میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس ترکہ کا کوئی مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جب قرض خواہ میت کو بری کردے یا اس میت کا کوئی وارث وہ قرض ادا کردے اس طور پر کہ وہ ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرے۔اور اگر اس نے اپنے مال سے قرض ادا کیا مطلقًا بغیر شرط تبرع ورجوع کے تو اس وارث

فلا یملکہا[1] اھ ملخصًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کا قرض میت پر ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ ترکہ قرض میں مشغول ہوگا لہٰذا وارث اس کا مالک نہیں بنے گا اھ ملخصا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲: ۶ ذیقعد ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ تاج محمد کا اس کے ورثہ احیاء پر چار لاکھ تین ہزار دوسو سہام ہو کر یوں منقسم ہوا:

ظہورن	ننھی بنت کلن	زوجۂ چمو	اعجبہ	بھجو	سعد اللہ جیا	چھٹن برادرزادہ عمدہ
۲۳۰۴۰	۳۰۷۲۰	۲۸۸۰۰	۵۷۶۰	۱۱۷۱۶۸	۱۱۷۱۶۸ (۸۰۶۴)	۱۶۲۰۰

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجۂ ننھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
۱۶۲۰۰	۱۶۲۰۰	۲۰۲۵	۱۴۱۷۵	۵۱۲۰	۲۵۶۰

پس ایک سوساٹھ گز زمین متروکۂ مورث سے ہر وارث مذکور کو کس کس قدر پہنچے گا؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

ظہورا، ننھی بنت کلن، زوجۂ چمو، اعجبہ، بھجو، سعد اللہ جیا، چھٹن برادرزادہ عمدہ

لعہ ز ۹ ، عـلـہ ۱۲ گز ، لہ ۱۱ گز ، درعان ، للعہ ۴۶ گز ، للعہ ۴۶ گز سے گز ، سے ۶ گز

۲ ۲/۷ گرہ ، ۳ ۱/۲۱ گرہ ، ۶ ۶/۷ گرہ ، ۴ ۴/۷ گرہ ، ۷ ۹۷/۱۰۵ گرہ ، ۷ ۹۷/۱۰۵ ، ۳ ۱/۵ گرہ ، ۶ ۶/۷ گرہ

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجۂ ننھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
۶ گز	۶ گز	۱۲ ۶/۷ گرہ	۵ گز	درعان	درعہ
۶ ۶/۷ گرہ	۶ ۶/۷ گرہ		۱۰ گرہ	۳۲/۶۳ گرہ	۱۶/۲۳ گرہ

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو لڑکے عمرو بکر ہیں جس میں سے عمر بڑا لڑکا اور بکر چھوٹا لڑکا ہے۔ زید نے دونوں لڑکوں کی شادی کرا کر

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

اپنی جائداد کو نصف نصف دونوں بہوؤں پر یعنی زوجہ بکر وزوجہ عمر پر تقسیم کرکے بیع کردی، بعد کو بکر کی زوجہ نے انتقال کیا۔ بیّنواتوجروا۔

الجواب:

اگرمدعی اب تک وہاں موجود نہ تھا یابوجہ نابالغی وغیرہ معذور تھا یابکر کو اقرار ہوکہ یہ جائداد بذریعہ میراث زوجہ اس نے پائی ہے توان صورتوں میں دعوی مدعی قابل سماعت ہے ورنہ نہیں

کما فصله العلماء فی کتبهم مثل الفتاوی الخیریة و العقود الدریة وغیرهما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علماء نے اپنی کتابوں میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً فتاوٰی خیریہ اور عقودالدریۃ وغیرہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴: ۳۰ صفر ۱۳۱۱ھ

مسئلہ ـــ مشرف ـــ ترکہ خالصہ زمین ۴۸ ۱۱ گرہ

ابن عبدالجلیل	ابن عبدالخلیل	ابن اسمٰعیل	بنت عباسی جان	بنت زرابی جان	بنت چھوٹی جان
عــ درعہ	عــ درعہ	عــ درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ
۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ

مسئلہ ـــ چھوٹی جان ـــ مف صہ درعہ ۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ

زوج غلام محی الدین خاں	ابن امین الدین خاں	ابن امام الدین خاں	بنت
۱ درعہ	۱ درعہ	۱ درعہ	
۵ $\frac{۲۳}{۳۶}$ گرہ	۹ $\frac{۲۹}{۳۰}$ گرہ	۹ $\frac{۲۹}{۳۰}$ گرہ	۱۲ $\frac{۵۹}{۶۰}$ گرہ

مسئلہ ـــ اسمٰعیل ـــ مف عــ ۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ

زوجہ	ابن	بنت
۱ درعہ	ــــے درعہ	ــــے درعہ
۵ $\frac{۲۳}{۳۶}$ گرہ	۴ $\frac{۵۳}{۵۴}$ گرہ	۲ $\frac{۵۳}{۱۰۸}$

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵: علمائے دین ومفتیان شرع متین کیافرماتے ہیں اس بارے میں کہ مسمّٰی زید فوت ہوا ایک زوجہ اور چند اولاد بیٹا وبیٹی متوفی کے وارث ہیں، زوجہ چاہتی ہے کہ ترکہ متوفی کا بعوض دین مہر کے کہ ادا نہیں ہوا ہے مجھ کو ملنا چاہئے۔ دین مہر کثیر، ترکہ قلیل، دین مہر کو کافی نہیں ہوسکتا ہے۔ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ بموجب فرائض کے ترکہ میں سے وراثتًا سب کو حصہ ملنا چاہئے، اب اول ادائے دین مہر ہونا چاہئے یا ترکہ وارث کل ورثاء پر تقسیم ہوئے۔

الجواب:

ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جب تک مہر ادا یا معاف نہ ہولے کوئی وارث کچھ نہیں پاسکتا جبکہ اس کی مقدار ترکہ سے زائد ہے۔

قال تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس وصیت کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کے بعد۔ (ت)

مگر عین جائداد کا مہر میں دیا جانا ضروری نہیں ورثہ کو اختیار ہے کہ مہر اپنے پاس سے ادا کریں اور جائداد تقسیم ترکہ کے لئے بچالیں یا جائداد بیچ کر ادائے مہر میں صرف کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶: صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوصیت انتقال کیا اور چھوڑی جائداد منقولہ مکسوبہ ومتفرقہ خود از قسم زر نقد وزیور طلائی وغیرہا اور اثاث البیت خانگی، ایک مکان مع حصہ اراضی موروثی، اور وارثان شرعی زید کے حسب ذیل: یک برادر حقیقی بکر حیات، یک زوجہ ہندہ جو تخمینًا یک ماہ بعد زید کے مرگئی اور اپنا مہر شرعی روبرو شاہدین شوہر زید کو معاف کردیا تھا اور خورد ونوش یکجائی ہندہ کے بعد وفات شوہر کے بہمراہی بکر مکان مذکور میں تھی چنانچہ تجہیز وتکفین ورسومات موتہ زید ونیز ہندہ کی زید کے روپے سے ہوئی۔ بعد وفات کے مسمیان خالد ومحمود، حامد، احمد برادران ہندہ متوفیہ زر نقد مع زیور مذکورہ بالا جس پر کہ زید بحیات خود باختیار تصرف مثل رہن وبیع وغیرہ وقتًا فوقتًا مالکانہ متصرف تھا اس کو برادران ہندہ باخفائے ورثائے زید مکان موروثی سے لے گئے، لہٰذا اب تنازع بابت

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۲

متروکہ زید کے درمیان ورثاء زید یعنی بکر وخالد وحامد ومحمود واحمد کے ہے، پس صورت مذکورہ بالا تقسیم متروکہ کے کس طورپر ہوناچاہئے اور تجہیز وتکفین وسویم وغیرہا زید کی بکر نے زید کے روپے سے اور ہندہ کی تجہیز وتکفین وغیرہ برادران ہندہ نے زید کے روپے سے کی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو زیور ملک زید تھا (یعنی نہ جہیز ہندہ کا تھا نہ زید نے ہندہ کو تملیک کردیا تھا اگرچہ پہننے کو دیا ہو) وہ متروکہ زید ہے خاص ورثاء اس کے مستحق نہیں۔ برادر زید نے تجہیز وتکفین زید بقدر سنت میں جو خرچ کیا وہ مجرا پائے گا کہ اسے نکال کر باقی ترکہ وارثان زید پر تقسیم ہوگا، اور جو کچھ صدہ خیرات روز وفات وقت دفن وسوم وغیرہا میں اٹھایا وہ خاص برادر زید کے حصہ پر پڑے گا، باقی ورثہ کو اس سے سروکار نہیں۔ پس برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات خرچ تجہیز وتکفین زید بقدر سنت اور نیز اگر کوئی دین ذمہ زید ہو وہ ادا کرکے جو باقی بچے مع اس روپے کے جو برادر زید وبرادران ہندہ نے خرچ فاتحہ وصدقہ وغیرہا میں اٹھایا سب کے سولہ سہام کریں ان میں سے چار سہم کامل خواہر زید کو دیں اور آٹھ سہم میں خرچ فاتحہ وصدقات زید شامل کرکے برادر زید کو دیں یعنی جو کچھ برادر زید نے فاتحہ میں اٹھایا وہ اسے وصول پایا ہوا تصور کریں باقی چار سہام میں کل خرچ تجہیز وتکفین ہندہ بقدر سنت وخرچ فاتحہ ہندہ کہ برادران ہندہ نے کیا سب شامل کرکے برادران ہندہ کو دیں یعنی موت ہندہ کا کل خرچ انہیں چار سہام پر ڈالیں پھر اس میں سے خرچ مسنون ترکہ ہندہ پر پڑے گا اور خرچ زائد صرف ان برادران کے حصہ پر جنہوں نے اٹھایا اور سب نے اٹھایا تو سب پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷: از شہر کہنہ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے بیٹے نے انتقال کیا پوتا اور بھتیجے موجود ہیں، بھتیجے اس پر زور ڈالتے ہیں کہ اپنا مال ہمیں لکھ دے اس لئے کہ ہم تیرے وارث ہیں پوتا مجحوب الارث ہوچکا ہے، اس صورت میں پوتے کو محروم کرکے بھتیجوں کو لکھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی درخواست قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ان کی یہ درخواست مہمل و نا قابل سماعت ہے اول تو حیات مالک میں اس مال کا کوئی وارث نہیں اور بعد موت کب معلوم کون زندہ ہوگا کون مردہ، اور اگر عورت کے بعد پوتا اور بھتیجے سب باقی رہے تو پوتا ہی وارث ہوگا۔ بھتیجے اس کے ہوتے کچھ نہ پائیں گے تو محجوب الارث خود بھتیجے ہوں نہ کہ پوتا۔ پوتا اپنے دادی دادا کا خود وارث ہے نہ بواسطہ پدر کہ ان کے پہلے مرجانے سے یہ محجوب الارث ہوجائے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عورت کو ہرگز جائز نہیں کہ پوتے کو محروم کرنے کے لئے اپنا مال بھتیجوں کو لکھ دے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّ من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیٰمة، والعیاذ بالله تعالٰی، رواہ ابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه[1]**۔ والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم۔**	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔ (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸: از لکھنؤ محلّہ محمود نگر مطبع مصطفائی مرسلہ مولوی ابوالخیر محمد جان صاحب ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً زید کے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکا بحیات والدین بالکل مفقود الخبر ہوگیا پچیس تیس برس سے اس کا کہیں پتا نہیں، اس درمیان میں پہلے اس کے والد نے پھر اس کی والدہ نے انتقال کیا اب زید متوفی کے لڑکے اپنے والدین متوفیین کے متروکہ کو حسب ہدایت شرع شریف تقسیم کرنا چاہتے بلکہ ماں کے متروکہ کو کیونکہ جائداد ماں کے نام ہے لیکن اس مفقود الخبر لڑکے کی زوجہ جو ہنوز زندہ ہے عذر کرتی ہے کہ میرے زوج مفقود الخبر کا بھی حصہ لگاؤ اور چونکہ وہ نہیں ہے لہذا حصہ وہ مجھے دو، پس استفسار کیا جاتا ہے کہ ابن مفقود الخبر کی زوجہ عندالشرع زوج

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

مفقود کا حصہ پاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر پاسکتی ہے تو کس قدر؟ اور لڑکیوں کا حصہ کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ لڑکا کہ حیات مادر میں مفقود الخبر ہوگیا ترکہ مادر میں مثل میت ہے۔

فی التنویر میت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ[1]۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر غیر کے حق میں مردہ ہوتا ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث نہیں بنے گا۔ (ت)

توجب تک بعد وفات مادر اس کا زندہ رہنا شرعاً ثابت نہ ہوجائے اس کی زوجہ وغیرہ مدعیان ارث مفقود کو ترکہ مادری سے اس کے حصہ کا مطالبہ ہرگز نہیں پہنچتا کہ بے اس ثبوت کے شرعاً خود اسے ترکہ مذکورہ سے کچھ نہ ملے گا اس کے ورثہ کو بذریعہ توریث بالواسطہ پہنچنا کیا معنٰی، بلکہ وہ ترکہ برتقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر وتقدم مقدم کالدین والوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم کریں ہر پسر موجود کو چھ ہر دختر کو تین دے کر چھ موقوف رکھیں یہاں تک کہ عمر مفقود سے ستر سال کامل گزر جائیں یعنی وہ مدت منقضی ہو کہ اگر زندہ ہوتا تو ستر ۷۰ برس کا ہوجاتا مثلاً وقت فقدان بست ۲۰ سالہ تھا اور مفقود ہوئے تیس ۳۰ برس ہوئے تو بیس برس اور انتظار کریں یا پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں گما اب پچیس ۲۵ گزرے تو دس ۱۰ برس۔

هذا احسن مایصار الیه ویعول علیه فانه المؤید بالحدیث و شاهد حال الزمان للحدیث ان المرمٰی هٰهنا هو حصول الظن لیس الا فانه لاسبیل الی الیقین فتقدیر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر من تقدیر غیرہ وقد نص العلماء کشارحی المنیة العلامة المحقق محمد بن	اور یہ بہترین قول ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر بھروسا کیا جائے کیونکہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حال زمانہ حدیث کا شاہد ہے کیونکہ یہاں عمر کی حد مقرر کرنا محض گمان غالب کی بنیاد پر ہے کیونکہ یہاں یقین کی کوئی صورت نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اندازہ مقرر فرمانا غیر کے اندازے سے بہتر ہے۔ اور علماء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ منیہ کے دوشارحین علامہ محقق محمد بن امیر الحاج نے

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

امیرالحاج فی الحلیۃ والعلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ وغیرھما فی غیرھما انہ لایعدل عن درایۃ ماوافقتھا روایۃ[1] لاسیما وھو الارفق بالناس و الاوفق بالزمان فقد تقاصرت الاعمار وتعجلت المنون وحسبنا اللہ ونعم الوکیل فلذا عولنا علیہ فی جمیع فتاوٰنا وباللہ التوفیق اخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ وابویعلٰی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنھما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعمار امتی مابین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذٰلک[2] سندہ حسن کما نص علی الحافظ فی فتح الباری،	حِلیہ میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ اس دِرایت سے عدول نہیں کیاجائے گا جس کی موافقت روایت کرے خصوصًا جبکہ اس میں لوگوں کے لئے زیادہ نرمی اور زمانے کے ساتھ زیادہ موافقت موجود ہو۔ تحقیق عمریں کم ہو گئیں اور موتیں جلدی واقع ہونے لگیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے تمام فتاوٰی میں اس پر اعتماد کیا اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابویعلٰی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی، ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی بہت کم ان میں سے ایسے ہوں گے جو اس سے آگے بڑھیں۔ اس کی سند حسن ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق مالک ازمۃ الترجیح والتقیا فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

عندی الاحسن سبعون لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی	میرے نزدیک سب سے بہتر ستر سال والا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ میری امت کی عمریں

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض الصلٰوۃ الثامن تعدیل الارکان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵، جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منہ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۹۴

[2] کنزالعمال برمزت عن ابی ہریرہ حدیث ۴۲۶۹۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۶۷۷

السبعین فکانت المنتھی غالبًا[1]۔	ساٹھ سے ستر سال تک کے درمیان ہوں گی۔ چنانچہ غالبًا ستر پر زندگی کی انتہا ہوتی ہے۔ (ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انہ احوط واقیس[2] (بے شک وہ زیادہ احتیاط والا اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ ت) اسی میں ہے: وعلیہ الفتوی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) اس مدت میں اگر ظاہر ہو کہ مفقود زندہ ہے یا بعد موت مادر زندہ تھا اگرچہ ایک آن بعد مر گیا تو یہ چھ سہام بحالت حیات خود اسے، ورنہ بحسب اَحکام فرائض اس کی زوجہ وغیرہ ان کے ورثہ کو کہ اس کی موت کے وقت زندہ تھے اگرچہ اب مرچکے ہوں دے دیئے جائیں اور اگر ثابت ہو کہ مفقود پیش از مادر مرگیا تھا یا مدت مذکورہ گزر جائے اور کچھ ثبوت نہ ہو یہاں تک کہ روز فقدان سے اس کی موت کا حکم کردیا جائے تو ان سہام میں اس کے ورثہ کا کچھ حق نہیں بلکہ انہیں چار اولاد موجود کو دیئے جائیں ہر پسر کو دو ہر دختر کو ایک۔

فی التنویر یوقف قسطہ فان ظھر حیا فلہ ذٰلك وبعدہ یحکم بموتہ فی مال غیرہ من حین فقد فیرد الموقوف لہ الی من یرث مورثہ عند موتہ[4] اھ ملخصًا۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر کا حصہ موقوف رکھیں گے اگر وہ زندہ ظاہر ہوگیا تو یہ حصہ اس کا ہے، اس کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد) اس کے گم ہونے کے وقت سے غیر کے مال میں اس کی موت کا حکم دیا جائے گا، چنانچہ جو کچھ اس کے لئے موقوف رکھا گیا تھا وہ ان کی طرف لوٹا دیں گے جو اس کے مورث کی موت کے وقت وارث بنے تھے اھ ملخصًا (ت)

یہ چھ۶ سہام تاانفصال احکام اس کے پاس امانۃً رہیں گے جس کے قبضہ میں متروکہ مذکورہ اس وقت یعنی بعد موت مورثہ ہے خواہ وہ کوئی پسر موجود ہو یا دختر یا زن پسر یا کوئی اجنبی

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۵ /۳۷۴
[2] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۰
[3] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۰
[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۶۹

جس میں حفظ واصلاح ضروری کے سوا کسی تصرف مالکانہ کا اسے اصلاً اختیار نہ ہوگا جب تک اس سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو ورنہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی عادل ثقہ امین متقی خداترس کو سپرد کریں گے، فتح میں ہے:

رجل مات عن ابنتین وابن مفقود وابن ابن والمال فی یداجنبی لاینزع من یدالاجنبی الا اذا ظهرت خیانته فیوخذ منه ویوضع علی ید عدل ولوکان فی ید البنتین لایحول المال من موضعه ولوکان فی ید ولد المفقود یوقف فی ید من کان فی یده[1] اھ ملتقطًا۔	کوئی شخص دو بیٹیاں ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ کر مرگیا جبکہ اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اجنبی کے ہاتھ سے واپس نہیں لیا جائے گا مگر اس وقت جب اس کی خیانت ظاہر ہو جائے اس صورت میں اس سے مال لے کر کسی عادل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا،اور اگر مال دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا،اور اگر وہ مقصود کی اولاد کے قبضہ میں ہے تو مفقود کا حصہ اسی کے ہاتھ میں موقوف رکھا جائے گا جس کے ہاتھ میں وہ ہے اھ ملتقطًا(ت)

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ، امین نہ کریں گے اس پر مگر جو مال غیر کو نار سوزاں جانتا ہو اور قبول نہ کرے گا اسے مگر فاسق افسق یا غافل احمق یا عادل مرفق قلیل ماھم ھیہات ھیہات کہاں علم اور کہاں عدالت، لاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم ط واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از تھانہ کچھا علاقہ خام ۲۳ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام غوث نے اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کی، پھر دوسری کے انتقال ہو جانے کے بعد تیسری شادی کی، پہلی کا حقیقی بھائی اور دوسری کی ایک لڑکی جو اس کے ساتھ آئی تھی اور تیسری مع اپنے لڑکے کے جو ہمراہ آیا تھا زندہ ہے، تینوں عورتوں کا مہر پینسٹھ پینسٹھ روپیہ کا بندھا تھا، اب شرع شریف کے نزدیک کتنا مہر کس کس وارث کو پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ ۵/ ۷۵۔۳۷۴

الجواب:

صورت مستفسرہ میں پہلی بیوی لاولد کے بھائی یا اس کے سوا اور جو وارث ہوا نہیں ترکہ غلام غوث سے مہر کے بتیس ۳۲ روپے آٹھ آنے دیئے جائیں، اور دوسری کی بیٹی وغیرہ ورثہ کو اس کے مہر کے اڑتالیس ۴۸ روپے بارہ آنے، اور تیسری کہ زندہ ہے اسے اس کے مہر کے پورے پینسٹھ (۶۵) روپے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: از میرٹھ چھتہ شیخاں مرسلہ حافظ محمد اکبر صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

زید مع اپنے کل خاندان کے کافر ہے، ہندہ زید کی بیٹی اور جھندہ زید کی بیوی، بعد مرنے زید کے دونوں مسلمان ہو گئیں۔ ہندہ رنڈی بن کر کسب کرانے لگی اپنی ذاتی جائداد پیدا کی اور نکاح کرلیا اب وہ مر گئی اور سوائے خاوند کے کوئی وارث نہیں، ہندہ کے ماموں زاد بھائی کی جو اس وقت تک کافر ہے دو بیٹیاں مسلمان ہو گئیں ان کا باپ یعنی ہندہ کا ماموں زاد بھائی کافر ہے، کیا یہ دونوں وارث شرعی ہندہ کے ترکہ کی ہو سکتی ہیں؟ اور ان کا باپ حاجب ہے اور مانع اختلاف دینین کا اس پر اثر ہے اور یہ دونوں ذوی الارحام ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ کی ماں اگر اس سے پہلے مر گئی بعد اس کے صرف شوہر اور یہ دو عورتیں اس کے ماموں زاد بھائی کی بیٹیاں رہیں اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان کہ درجہ وراثت میں ان کے ہمسر یا ان سے مقدم ہو، نہیں، تو متروکہ ہندہ بعد ادائے دیون ووصایا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہم شوہر اور ایک ایک ان دونوں عورتوں کو ملے گا اور ان کے کافر باپ کا زندہ ہونا انہیں محروم نہ کر سکے کہ کافر ترکہ مسلم میں مردہ ہے اور مردہ نہ خود وارث ہو نہ دوسرے وارث کو محروم کر سکے۔ شریفیہ میں ہے:

المحروم عن المیراث بالکلیۃ لایحجب عندنا غیرہ اصلا لاحجب حرمان ولاحجب نقصان ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم روی ان امرأۃ مسلمۃ ترکت زوجا مسلما	جو شخص کلی طور پر میراث سے محروم ہو ہمارے نزدیک وہ کسی غیر کے لئے بالکل حاجب نہیں بنتا، نہ حجب حرمان کے ساتھ اور نہ ہی حجب نقصان کے ساتھ۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مروی ہے کہ ایک مسلمان عورت نے مسلمان خاوند اور

واخوین من امھا مسلمین وابناکافرا فقضی فیھا علی وزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنھما بان للزوج النصف ولاخویھا الثلث ومابقی فھو للعصبۃ[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دو مسلمان اخیافی بھائی اور ایک کافر بیٹا چھوڑا۔ تو اس کے بارے میں حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فیصلہ دیا کہ اس کے خاوند کے لئے نصف اور دنوں بھائیوں کے لئے ایک تہائی ہے، اور جو باقی بچا وہ عصبہ کے لئے ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک عورت اور بیٹی اس کی مسلمان ہوئی اور ایک میں سے اس نے نکاح کرلیا اور اپنی بیٹی کا بھی نکاح کردیا۔ اور جس مرد نے مال لیا تھا اس کی پہلی بی بی سے اولاد ہے اور اس نو مسلم عورت اور شوہر ثانی سے کوئی اولاد نہ ہوئی بجز اس لڑکی کے اور کوئی اولاد نہیں، ماں باپ فوت ہوگئے، اب یہ عورت جو رہی اس کا خاوند مرا، موافق شرع شریف کے اس کے خاوند کا جو کچھ ترکہ تھا تقسیم ہوگیا، اب یہ عورت مری، اس کی کوئی اولاد نہیں دو بھائی اس کے ہیں ماں میں شریک نہیں ماں باپ الگ ہیں، اب اس عورت کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو؟ بیان کرو اللہ تعالٰی اجر دے گا۔

الجواب:

شوہر مادر کے بیٹے جو نہ اپنے باپ کے نطفے نہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وارث نہیں، پس اگر عورت مذکورہ کا کوئی وارث شرعی مسلمان موجود نہیں نہ اس نے کسی کے لئے اپنے مال کی وصیت کردی تو اس کا کل مال بعد ادائے دَین (اگر اس کے ذمہ ہو) محتاج بیکس مسلمانوں کو دے دیا جائے یا ان دوادار وکفن میں صرف کیا جائے اگر یہ پسران شوہر مادر بیکس محتاج ہیں تو انہیں بھی دیں یا انہیں کو دے دیں، غرض یہ محتاج ہوں تو بوجہ محتاجی مستحق ہوسکتے ہیں نہ بوجہ وراثت۔ درمختار میں ہے:

ترکۃ بلاوارث مصرفھا لقیط فقیر وفقیر بلاولی	وہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں، اس کا مصرف وہ گراپڑا بچا ہے جس کو

[1] الشریفیہ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۹

اھ ملخصاً۔[1]	کسی فقیر نے اٹھالیا یا ایسا فقیر ہے جس کا کوئی ولی نہیں اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله وفقیر بلا ولی ای لیس له من تجب نفقته علیه قال فی البحر یعطی منه نفقتهم وادویتهم ویکفن به موتاهم ویعقل به جنایتهم[2] اھ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، والله تعالٰی اعلم (ت)

مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از کلکتہ مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب طالبعلم ساکن ڈھاکہ عشرہ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ

چہ می فرمایند علماء دین متین اندرینکہ شخصے درہنگام زوجہ وے اموال خودرا بحین حیات خود درمیان ورثہ کہ ورائے او چہار پسر ویک دختر بودند ہیچیک اعتراض نکردہ واظہار انکار برعدم شمار اودرمیان ورثہ نانمودہ باہتمام خود حصہ یک پسر راکہ بر تقدیر عدم شمار اودرمیان ورثہ دوبہرہ ازنہ سہام می شدی بہ زوجہ پسر کلاں وے درعوض کابین نوشتہ داد وباختیار خود رجسٹری نمود بعداز وفات زن بوقت اخذ پسران دیگر بہرہائے خودراد عوی نماید ومیگوید کہ ربع ازاموال متروکہ زن	کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی نے اپنی زندگی میں شوہر کے سوا دیگر ورثاء میں جو کہ چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں اپنا مال تقسیم کردیا، اور شوہر نے تقسیم کے وقت کوئی اعتراض نہیں کیا، اور وارثوں میں اسے شمار نہ کئے جانے پر انکار ظاہر نہیں کیا بلکہ ورثاء کے درمیان اس کا شمار نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک بیٹے کو نَو میں سے جو دو حصے ملتے ہیں ان کو بڑے بیٹے کی بیوی کے مہر کے عوض تحریر کرتے ہوئے اپنے

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۲

بمن میرسد پس اگر ربع ازمابقے بعد ازاخذ زوجہ پسریکہ دو بہرہ ازنہ برضائے او یافتہ گرفتہ آید حیف علی الارث پسران دیگر لازم آید کہ زن درحین حیات خود بریں راضی ناشدہ زوج را اجمالاً چیزے ازاموال خود دادہ راضی برعدم اخذ ترکہ وے نمودہ بود تاحیف علی الارث در حقوق فرزندان دیگر کہ ورائے پسر کلاں او بودند لازم نیاید **بیّنوا توجروا۔**	اختیار سے رجسٹری کرانے کااہتمام کیا۔اب بیوی کی وفات کے بعد دوسرے بیٹوں کے اپنا حصہ لینے کے وقت خاوند دعوٰی کرتے ہوئے کہتاہے کہ بیوی کے متروکہ مال میں سے چوتھا حص مجھے ملتاہے۔چنانچہ خاوند کی رضامندی سے بڑے بیٹے کی بیوی کے نو۹ میں سے دو۲ حصے وصول کرنے کے بعد باقی میں سے خاوند کو اگر چوتھا حصہ دیاجائے تودوسرے بیٹوں کی میراث پر ظلم لازم آتاہے کیونکہ عورت نے اپنی زندگی میں اس صورت حال پر راضی نہ ہوتے ہوئے شوہر کواپنے مال میں سے کوئی چیز دے کرترکہ میں سے کچھ نہ لینے پراس کو راضی کیاتاکہ دوسرے بیٹوں کے حقوق میں میراث پر ظلم لازم نہ آئے جوکہ اس کے بڑے بیٹے کے علاوہ ہیں۔بیان کرو اجر دیئے جاؤگے۔(ت)

الجواب:

اگرچہ مسئلہ بس غریبہ کہ از اغرب مسائل توان گفت بعض علماء صورتے آوردہ اند تابصورت تخارج بحیات مورث کما ذکرہ فی الاشباہ عن طبقات الشیخ عبدالقادر عن خزانۃ الجرجانی عن ابی العباس الناطقی عن بعض مشائخہ وفی جامع الرموز عن الناطقی ثم اعقبہ عن الجواھر بما ھو اوفق واقرب وفی جامع الفصولین عن جامع الفتاوٰی حکی قولین کما فی ردالمحتار	اگرچہ مسئلہ بہت انوکھا ہے کہ اس کو سب سے انوکھا مسئلہ کہاجاسکتاہے بعض علماء نے اس کو مورث کی زندگی میں تخارج کی صورت قرار دیاہے جیساکہ اشباہ میں طبقات شیخ عبدالقادر سے بحوالہ خزانۃ الجرجانی نقل کیاہے،اورجرجانی نے ابوالعباس ناطقی سے اس کے بعض مشائخ کے حوالے سے ذکر کیا،اور جامع الرموز میں ناطقی سے نقل کیا،پھر اس کے بعد جواہر کے حوالے سے ذکر کیا جوکہ اوفق واقرب ہے۔اور جامع الفصولین میں جامع الفتاوٰی کے حوالے سے منقول کہ انہوں نے دو۲ قول نقل کئے جیساکہ ردالمحتار

قلت ورأیت فی جامع الفصولین قدم قبله عن السیر الکبیر للامام محمد ماھو الموافق للاصول والموافق للمعقول والمنقول کما اشرنا الی کل ذٰلك فیما علقنا علٰی ردالمحتار اما آں نیز بایں طورست کہ مورث ہریکے از ورثہ امالے دہد برآں شرط کہ پس از مرگ بہرہ از میراثش نباشد اینجا بعد استفسار حالے ظاہر شد کہ زن شوہر خود راچیزے ندادہ است بلکہ مالے بنام پسر پنجمین او کہ از ہمخوابہ پیشین بودہ ہمراہ پسران خودش تعیین نمود و شوہر ہمبریں معنی راضی باسقاط حقش از میراث شد پس ایں نماند جز وعدہ تبرک ارث ووعدہ مجردہ جز قضا رانسزد فی الظهیریة والخانیة و الهندیة لایلزمه الوفا بالمواعید[1]۔وفی الذخیرة و الهندیة هذا وعد منه ولایلزمه بذٰلك شیئ[2] خاصہ در امر میراث کہ ھم باختیار وارث نیست بلکہ بناچار رسد فی الاشباہ	میں ہے، **میں کہتا ہوں** میں نے جامع الفصولین میں دیکھا کہ انھوں نے اس سے ماقبل امام محمد کی سیر کبیر سے وہ قول نقل فرمایا جو اصول کے موافق اور معقول ومنقول کے مناسب ہے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس تمام کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ بھی اس طور پر ہے کہ مورث وارثوں میں سے ہرایک کو اس شرط پر کچھ مال دے کہ اس کے مرنے کے بعد میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا جبکہ اس جگہ تفتیش کے بعد یہ حالت ظاہر ہوئی کہ عورت نے اپنے شوہر کو کوئی چیز نہیں دی بلکہ کچھ مال اپنے پانچویں بیٹے کے لئے جو کہ پہلے خاوند سے ہے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ مختص کیا۔ اور شوہر اس صورت پر میراث میں سے اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہوا، چنانچہ یہ میراث چھوڑنے کے وعدہ کے سواکچھ نہیں اور محض وعدہ سوائے قاضی کی قضا کے کسی شیئ کے لائق نہیں۔ ظہیریہ، خانیہ اور ہندیہ میں ہے کہ وعدوں کی وفا اس پر لازم نہیں۔ ذخیرہ اور ہندیہ میں ہے یہ اس کی طرف سے وعدہ ہوا جس سے اس پر کچھ لازم نہیں آتا خصوصًا میراث کے معاملے میں جو وارث کے اختیار سے نہیں بلکہ جبری طور پر اسے پہنچتی ہے۔

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

من القول فی الملك لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا وکذا الوصیۃ فی مسألۃ[1] الخ خاصہ بحالے آں وعدہ پیش از ثبوت ارث ہم در حیات مورث صورت بست وپیداست کہ سقوط پیش از ثبوت معنی ندارد الاتری ان المرأہ لو اسقطت حقھا من القسم کان لھا الرجوع قال فی غمز العیون انما جازلھا الرجوع لان حقھا لم یکن ثابتا بعد فیکون مجرد وعد فلایلزم کالمعیر[2] الخ ولہٰذا اگر مورث برائے وارثے وصیتے کرد ودیگران بحیاتش رضا دادند ایں اجازت بجوے نیز زدوایشاں راپس ازمرگ مورث رجوع میرسد۔ فی الدر المختار لاتعتبر اجازتھم حال حیاتہ اصلا بل بعد وفاتہ[3] فی ردالمحتار لانھا قبل ثبوت الحق لھم لان ثبوتہ عندالموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق	اشباہ کے اندر ملکیت کے قول میں ہے کہ انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق اس کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے اور اسی طرح وصیت ایک مسئلہ میں الخ خاص طور پر اس حال میں کہ وہ وعدہ بھی میراث کے ثبوت سے پہلے مورث کی زندگی میں رونما ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ثبوت سے پہلے اس کا ساقط ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیاتو نہیں دیکھتا کہ عورت اگر اپنی باری کا حق ساقط کردے تو اسے رجوع کا حق ہوتا ہے۔ غمز العیون میں کہا کہ اس کو رجوع کا حق اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا حق ابھی تک ثابت نہیں ہوا تو یہ محض ایک وعدہ ہوگا جو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ عاریت پر دینے والا الخ اور یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسروں نے اس کی زندگی میں رضامندی ظاہر کردی تو یہ اجازت وجوب کے لائق نہیں اور ان وارثوں کو مورث کے مرنے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے۔ درمختار میں ہے مورث کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] غمزعیون البصائر الفن الثالث احکام النقد ومایتعین فیہ الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۲

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

وتمامه فی المنح [1] پس دعوی شوہر بجائے خودست آنچہ ہنگام مرگ زن درملک زن بودہ ربع اوبشرط عدم موانع ارث وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ بشوہرش می رسد وہیچ حیف درمیراث لازم نیست کہ آنچہ پسر کلاں پیش از موت مورثہ یافت اگرمابلکہ بروجہ صحیح شرعی تملیک او کردہ بود آں مقدار از ارث خودبیروں رفت کہ ارث متعلق نہ شود جزبترکہ و ترکہ نیست جزآنکہ ہنگام موت مورث درملک اوست۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	کہ وہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہے کیونکہ ان کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ مورث کی وفات کے بعد اس کو رَد کردیں بخلاف مورث کی موت کے بعد ہونے والی اجازت کے کیونکہ وہ حق کے ثبوت اور اس کی تمامیت کے بعد واقع ہوئی ہے(المنح)، چنانچہ شوہر کا دعوی بر محل ہے، جوکچھ بوقت موت عورت کی ملکیت میں تھا اس کا چوتھا حصہ شوہر کو ملے گا بشرطیکہ میراث سے روکنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے، اور جو چیزیں میراث سے مقدم ہیں انہیں مقدم کردیا گیا ہو جیسے قرض اور وصیت۔ اور میراث میں کوئی ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ عورت کی موت سے پہلے جوکچھ اس کے بڑے بیٹے نے پایا اگر مابلکہ نے شرعی طریقے پر اس کو مالک بنادیا تھا تو اتنی مقدار خود میراث سے خارج ہوگئی کیونکہ میراث کا تعلق ترکہ کے ماسوا کے ساتھ نہیں ہوتا اور ترکہ سوائے اس شیئ کے نہیں جو مورث کی موت کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۳: ازاٹنگہ مرسلہ حامد حسین خاں ۱۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ماں اور تین حقیقی چچاوارث چھوڑے اور اس کی ماں کے، انتقال ہندہ سے سال بھر بعد، ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

غیر میت سے جو حمل ہو وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے، یاتو وقت موت میت

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

سے ٹھیک چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے اندر پیدا ہو یا اس کی ماں موت یا طلاق کی عدت میں ہو اور اس کے پیدا ہونے تک عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرے یا باقی وارث اقرار کرتے ہوں کہ یہ بچہ وقت موت میت اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ سائل مظہر کہ یہاں یہ صورتیں نہ تھیں کہ لڑکا موت ہندہ سے سال بھر بعد پیدا ہوا اور اس کا باپ زندہ رہا اور ماں کو طلاق بھی نہ ہوئی کہ عدت میں ہوتی اور دیگر ورثہ کو تسلیم بھی نہیں کہ یہ وقت موت ہندہ اپنی ماں کے حمل میں تھا۔ پس صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا نو سہام پر منقسم ہو کر تین سہم اس کی ماں اور دو دو ہر حقیقی چچا کو ملیں گے۔

فی ردالمحتار وان کان (ای الحمل) من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل والا فلا الا اذا کانت معتدۃ و لم تقربا نقضائھا او اقر الورثۃ بوجودہ کما یعلم من سکب الانھر مع شرح ابن کمال وحاشیۃ یعقوب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے اگر حمل میت کے غیر کا ہے تو وہ اس صورت میں وارث بنے گا اگر وہ پورے چھ ماہ کی مدت میں یا اس سے کم تر مدت میں پیدا ہو، ورنہ نہیں بنے گا سوائے اس کے کہ اس کی ماں معتدہ ہو اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو یا وارث اقرار کریں کہ یہ مورث کی موت کے وقت موجود تھا جیسا کہ سکب الانہر مع شرح ابن کمال اور حاشیہ یعقوب سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شادی ہندہ سے کی اور بہ سبب ناچاقی طرفین کے ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور بعد کو اسی زید نے ایک شادی ایک طوائف سے کی، بعدہ، زید فوت ہوگیا، اور بعد فوت ہونے زید کے طوائف بھی فوت ہوگئی اور اس طوائف نے اپنی کچھ ملکیت چھوڑی، تو اس ملکیت کا مالک کون ہوگا جبکہ طوائف لاولد ہے آیا زید کا بھائی بہن یا ہندہ یا کون ہوگا؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی والحرقٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۱۱

الجواب:

زن فاحشہ اگر ولدالزنا ہو تو اس کا ترکہ اس کے مادری اقربا مثل مادر ومادر مادر وبرادر وخواہر مادری یاخالہ ماموں وغیرہم کو ملے گا اور اگر ولدالزنا نہ تھی تو اس کا ترکہ مثل تمام لوگوں کے اقربائے پدری ومادری سب کو حسب فرائض پہنچے گا اور اگر اس کا کوئی وارث اصلًا نہ ہوگا تو فقرائے مسلمین پر تقسیم کردیا جائے گا **کما ھو حکم سائر الضوائع** (جیسا کہ تمام لاوارث چیزوں کا حکم ہے۔ت) بہرحال زید کے بہن بھائی یا ہندہ کا اس میں کوئی حق نہیں مگر جب کہ ثابت ہو کہ اس کا کوئی وارث شرعی نہیں اور ترکہ فقراء کو دینا ٹھہرے تو ان میں جو فقیر ہو بحکم فقر مثل اور فقراء کے پاسکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی ۱۳ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ حرامیوں کا کیسے تقسیم ہو، باپ کی سمت تو مفقود محض ہوگئے ماں کی سمت کو پہنچے گا یا اس کو بھی نہیں، مثلًا ایک عورت کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں حرام سے، تو بعد فوت ایک اخت کے دوسری اخت وارثہ ہوگی یا نہیں، اور اگر ایک اخت عقد کرکے پردہ نشین ہوگئی دوسری بدستور بے پردہ اور پیشہ کسب کار رکھتی ہے تو اس اخت تائبہ کا ترکہ اس غیر تائبہ کو ملے گا یا نہیں؟ اور اگر ملتا ہو اور یہ تائبہ اس خیال سے کہ میراترکہ فاحشہ کو نہ ملے کہ اس کے فسق وفجور میں مدد پہنچے گی اپنا مال امور خیر میں صرف کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اولادزنا صرف مادری رشتوں سے وارث ومورث ہوتی ہے مثلًا صورت مسئولہ میں ایک بہن دوسری کا ترکہ اخت مادری ہو کر پائے گی نہ اخت عینیہ، اگرچہ دونوں ایک ہی شخص کے نطفہ سے ہوں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولدالزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[1]۔	زِنا اور لعان کی اولاد فقط ماں کی جہت سے وارث بنتی ہے جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۵

اور جس طرح اُخت تائبہ غیر تائبہ کی وارث ہوتی ہے یونہی غیر تائبہ تائبہ کی وارث ہوگی کہ زانیہ ہونا موانع میراث سے نہیں، ہاں بخیال مذکور تائبہ کا اپنے مال کو وجوہ خیر میں صَرف کردینا اور فاحشہ کے لئے میراث نہ چھوڑنا بتصریح علماء جائز بلکہ یہی افضل و بہتر ہے۔خلاصہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا فارادان یصرف الٰی وجوہ الخیرہ ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]۔	اگر کسی شخص کی اولاد فاسق ہو اور وہ شخص چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے۔تو یہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑنے سے بہتر ہے۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنا مال نیک کام میں خرچ کرے اس حال میں کہ اس کا بیٹا فاسق ہو۔اس بیٹے کے لئے مال چھوڑنے سے نیک کام میں خرچ کرنا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد کرنا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶و۳۷: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۷صفر ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل میں:

سوال اوّل

شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت ہر سہ برادران حقیقی ایک جائداد مشترک پر قابض ودخیل تھے،شاہ محمد عیسٰی نے انتقال کیا،دولڑکے تین لڑکیاں چھوڑیں،لڑکے نے دو لڑکیوں کانکاح مختلف جگہوں پر کردیا،وہ دونوں چندروز کے بعد مرگئیں۔اب تقسیم ترکہ کے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ الفصل الاول الجنس الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

وقت ترکہ میں وہ حصہ جائداد بھی شامل کیا جائے جو لڑکیوں کے باپ کی جائداد متروکہ مشترکہ میں سے ہوتا یا نہیں، اور واضح رہے کہ وہ جائداد اوّلاً شاہ محمد عیسٰی، شاہ محمد فصاحت میں مشترک تھی۔ پھر بعد انتقال شاہ محمد عیسٰی کے ان کے لڑکے اور شاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں مشترک رہی اور آج تک بدستور مشترک ہے صرف نام تینوں آدمیوں کا کاغذات سرکاری میں داخل ہے لیکن تحصیل وصول انتظام وغیرہ سب ایک جا بالاشتراک ہوتا ہے آپس میں بقدر حصہ کے لوگ تقسیم کرلیتے ہیں۔ لڑکیوں نے اپنی حیات میں اپنا حصہ بھی نہیں مانگا اور نہ دینے کا عرف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جائداد میں جو مشترک در مشترک ہے (یعنی پہلا اشتراک ابن شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں اور دوسرا اشتراک شاہ محمد عیسٰی کے لڑکے اور لڑکیوں میں) ان لڑکیوں کے شوہروں کا کچھ حق ہوتا ہے کہ نہیں؟ تفصیل سے حوالہ قلم فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا مالک ہوتا ہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک در اشتراک کی نوبت آئے اصلًا کوئی بات میراث ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی مِلک زائل نہ ہوگی توشاہ محمد عیسٰی کے ترکہ میں بشرط عدم مانع ارث و وارث آخر وتقدیم دین ووصیت، ہر دختر سات سہام سے ایک سہم کی مالک ہوئی اور ہر دختر کے متروکہ سے بشرائط مذکورہ اگر اولاد تھی شوہر نصف ورنہ ربع کا جس کے ثبوت میں دو آیہ قرآنیہ:

"يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ۚ"[1] وقولہ تعالٰی "وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت) اور اس کا فرمان ہے اور تمہاری بیبیاں جو

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ"[1]	چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا[2] الخ۔	انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق داخل ہوتی ہے الخ(ت)

اسی میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذا الملك لایبطل بالترک[3]۔	اگروارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑدیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا کیونکہ مِلک چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتا۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدهما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترك بل ان كان عینا فلابد من التملیك وان كان دینا فلابد من الابراء[4]۔	اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ حصہ لازم ہے جو چھوڑ دینے سے متروک نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ عین ہو تو اس کے لئے تملیک ضروری ہے،اور اگر دین ہو تو اس سے برات کرنا ضروری ہے الخ(ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] غمزالعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

الحق لایسقط بتقادم الزمان[1]۔	زیادہ زمانے کے گزرجانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ظہیریہ سے ہے:

التعامل بخلاف النص لایعتبر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نص کے خلاف لوگوں کاتعائل معتبر نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

سوال دوم

احمدی بی بی نے انتقال کیاماں اور شوہر اورایک بھائی اور دو بہنوں کو چھوڑا،چونکہ تقسیم ترکہ کارواج نہ تھااور نہ کسی نے اپنے حصہ کااس وقت مطالبہ کیااس وجہ سے احمدی بی بی کے زیورات اور برتن وغیرہ اسباب جہیز میں سے(جو کل شوہر کے قبضہ میں تھے)شوہر نے بہت کچھ اپنی دوسری منکوحہ کو پہنا کر سسرال سے میکے رخصت کردیااور برتن میں سے بھی کچھ اپنے عزیز کو بوقت ضرورت دے دیااور خود یعنی وہ شوہر بھی تھوڑے دنوں کے بعد انتقال کرگیا،اب یہاں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

ایک یہ کہ احمدی بی بی کے ترکہ میں سے شوہر کاکتناہوناتھا؟

دوسرے جوزیور وغیرہ کہ شوہر نے اپنی پہلی بیوی مسماۃ احمدی کے ترکہ مشترکہ میں سے بلا اجازت دیگر ورثہ کے دوسری منکوحہ کو پہنادیا وہ اس کایعنی دوسری منکوحہ کاہوایاشوہر کے مرنے کے بعد پھر شوہر کی طرف عود کرآئے گااور شوہر ہی کی ملک سمجھا جائے گا؟

تیسرے یہ کہ اب احمدی بی بی کے باقی ورثہ یعنی ماں باپ بھائی وغیرہ اپنا حصہ لینے پر مستعد ہوئے ہیں تو اب ان ورثہ کاحق ان زیورات اور برتن وغیرہ میں بھی ہوتاہے یانہیں جو شوہر متوفی نے اپنی دوسری منکوحہ کو بلا اجازت پہنادیئے تھے اور عزیز کو دے دیئے تھے اگر ہوتاہے تو یہ حق اب کس طرح لیاجائے،آیا ان زیورات اور برتنوں کو دوسری منکوحہ اور عزیز سے واپس لے کرہر شخص بقدر حصے کے تقسیم کرے یا ان زیورات وغیرہ دے دی ہوئی چیزوں سے دستبردار ہو کر شوہر متوفی کے علاقہ سے بقدر اپنے حصہ کے نقد روپیہ وصول کریں۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

چوتھے اس کی تصریح فرمایئے کہ شوہر اپنی حین حیات میں جوزیورات اور کپڑے کہ اپنی زوجہ کو پہنادیئے یاپہننے کو دے دیئے تو وہ زوجہ کا ہوجاتا ہے یا نہیں یعنی اگر شوہر مرجائے تو وہ زیورات اور کپڑے زوجہ سے واپس لے کر شامل ترکہ کریں گے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بحالت صحت واختصاص وراثت وتقدیم دین ووصیت، ترکہ احمدی بی بی بارہ سہم پر تقسیم ہو کر دو سہم مادر، چھ شوہر، دو برادر، ایک ایک ہر خواہر کا ہوا۔ شوہر جوزیور اپنی عورت کو پہنائے اگر صراحۃً دلالۃً لفظاً عرفاً کسی طرح ثابت ہو کہ اس سے مقصود زوجہ کو مالک کردینا ہے تو عورت بعد قبضہ مالک ہوجاتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال ثیاب ونفقہ کے سوا ان بھاری گرانبہا جوڑوں کا ہے جو شادی براتوں میں آنے جانے کے لئے پہنتے ہیں عورت کا صرف پہننا بر تنا دلیل مِلک نہیں کہ زن وشوہر اپنے اپنے باہمی انبساط کے باعث ایک دوسرے کے مِلک سے تمتع کیا ہی کرتے ہیں۔ بحر الرائق وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشربه ورضاہ بذٰلك دلیلا علی ان ملکھا ذٰلك کما تفھمه النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا[1]۔	عورت کا شوہر کی خواہش اور رضامندی سے زیور وغیرہ سے نفع اٹھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت کی ملک ہے جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں حالانکہ میں کئی بار یہ فتوٰی دے چکاہوں۔(ت)

پس وہ زیور کہ شوہر احمدی بی بی نے اپنی زوجہ ثانیہ کو پہنایا اور وہ برتن کہ عزیز کو دیئے اگر ان میں دلیل ہبہ وتملیک ثابت نہ ہو جب توظاہر ہے کہ وہ زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور سے واپس لے کر وارثان شوہر وبقیہ ورثہ احمدی بی بی پر نصفا نصف منقسم ہوں گے۔ ہر چیز کا نصف کہ حق شوہر تھا زوجہ ثانیہ ودیگر ورثہ شوہر کو حسب فرائض پہنچے گا اور نصف باقی انہیں چھ سہام مذکورہ ہر مادر و برادر وخواہران احمدی بی بی کو اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے یہ زیور، برتن زوجہ وعزیز کو ہبہ کردیئے تھے تاہم وہ ہبہ ہر شیئ کے نصف میں کہ مملوک بقیہ ورثہ احمدی بی بی تھا بوجہ ناراضی مالکان باطل و

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی لایکون استمتاع المرأۃ بما اشتراہ زوجھا الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۵

بے اثر ہوا وہ ہر چیز کا نصف زوجہ و عزیز سے بٹوا سکتے ہیں، باوصف بقائے عین متروکہ خواہی نخواہی اخذ قیمت پر مجبور نہ کئے جائیں گے کہ ہر عدد کا نصف ان موہوب لہما کے ہاتھ میں بطور غصب تھا اور مغصوب جب تک بعینہٖ قائم ہو حکم اس کا رد عین ہے نہ کہ ایجاب ضمان۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی رواہ احمد والاربعة[1] والحاکم عن سمرة بن جندب رضی اللّٰه تعالٰی عنه بسند حسن۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پر لازم ہے جو کچھ اس نے لیا یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔اس کو امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ اور امام حاکم نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ت)

ہاں نصف دیگر کہ حق شوہر تھا بوجہ ہبہ شوہر و قبضہ موہوب لہما وازانجا کہ زیور و برتن دونوں ایسی چیز ہیں جن کا ایک ایک عدد جداگانہ قابل تبعیض نہیں۔

ولایضر الشیوع فیما یضرہ التبعیض لکونه ممالا یحتمل القسمة ولذاجاز ھبة درھم صحیح من رجلین علی الصحیح کما فی الخانیة[2] وغیرھا وقال فی الحادی والثلثین من جامع الفصولین الشائع ینقسم علی قسمین شائع یحتمل القسمة کنصف الدار و نصف البیت الکبیر وشائع لایحتملها کنصف قن و رحی وحمام وثوب وبیت صغیر فالفاصل بینھما	غیر منقسم ہونا اس چیز میں نقصان دہ نہیں جس میں تقسیم نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں اسی لئے دو شخصوں کو ایک درھم کا ہبہ صحیح قول کے مطابق درست ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔اور جامع الفصولین کی اکتیسویں فصل میں کہا کہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے جیسے گھر کا نصف اور بڑے مکان کا نصف (۲) وہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا جیسے غلام، چکی، حمام، کپڑے اور

[1] جامع الترمذی ۲/ ۱۵۲ و سنن ابی داؤد ۲/ ۱۴۵ و سنن ابن ماجه ص ۱۷۵ و مسند احمد بن حنبل ۵/ ۸

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الھبة فصل فی ھبة المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۹

حرف واحد وهو ان القاضی لو اجبر احد الشریکین علی القسمة بطلب الاٰخر فهو من القسم الاول ولو لم یجبرفهو من الثانی اذا الجبر آیة القبول [1] اھ وفی القسمة الهندیة الاوانی المتخذة من اصل واحد کالاجانة والقمقمة والطست المتخذة من صفر ملحقة بمختلفة الجنس فلا یقسمها القاضی جبرا کذا فی العنایة ویقسم تبر الفضة والذهب وما اشبه ذٰلك ممالیس بمصوغ [2] الخ۔	چھوٹے مکان کانصف۔ان دونوں قسموں کے درمیان فرق ایک لفظ کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ اگر قاضی نے دوشریکوں میں سے ایک کو دوسرے کے مطالبے کی وجہ سے تقسیم پر مجبور کیا تو وہ پہلی قسم سے ہے،اور اگر مجبور نہیں کیا تو وہ دوسری قسم سے کیونکہ جبر قبول کرنے کی نشانی ہے الخ ہندیہ کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ ایک ہی مادہ سے بنائے جانے والے برتن جیسے ٹب،دیگچہ اور تھال جوکہ پیتل سے بنائے گئے ہوں وہ ان چیزوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں جن کی جنسیں مختلف ہوں،چنانچہ قاضی ان کو جبراً تقسیم نہیں کرے گا۔عنایہ میں یونہی ہے،اور سونے چاندی کے ٹکڑوں اور جوان کے مشابہ ہے جسے پگھلایا نہ گیاہو کو قاضی جبراً تقسیم کرے گا الخ(ت)

وہ برتن اورزیور زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور کی ملک ہوگیا جن سے اب واپسی ممکن نہیں لمکان الزوجیة وموت الواهب وکلاهما یمنع الرجوع(زوجیت کی موجودگی اور واہب کی موت کے سبب سے اور وہ دونوں رجوع سے مانع ہیں۔ت)اس بیان سے تمام مراتب مسئولہ کاجواب واضح ہوگیا۔واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک دکان اپنے نبیرہ کے نام اپنے روپے سے خرید کردی اور اسے بولایت اس کے باپ کے اس دکان پر قبضہ کرادیا،اب زید نے انتقال کیا،اس صورت میں وہ دکان حسب فرائض ورثہ زید پر منقسم ہوجائے گی یاصرف نبیرہ کو ملے؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

[2] الفتاوی الهندیة کتاب القسمة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۹

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کہ زید نے وہ دکان اس کے نام خریدی اور بولایت اس کے پدر کے اسے قابض کردیا تو وہ نبیرہ اس کا مالک ہوگیا اور وہ دکان متروکہ زید نہ قرار پائے گی کہ حسب فرائض اس کے ورثہ پر تقسیم ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑ کر انتقال کیا اور ہندہ نے اپنے پوتوں میں سے ایک پوتے کو جسے اپنا متبنٰی کیا تھا نسبت اپنی جائداد کے وصیت کیا بعد انتقال ہندہ اس کے ورثہ مذکورین اور نبیرہ موصی لہ میں پنچایت ہوئی سرپنچ و پنچان مقبولہ فریقین نے فیصلہ کردیا کہ تین بسوہ جائداد ہندہ سے بابت وصیت نافذہ فی الثلث نبیرہ موصی لہ کو دیئے اور باقی مال ورثہ پر تقسیم کردیا۔اب پسر ہندہ نے انتقال کیا اس کے اور بیٹے اپنے بھائی پر دعوی کرتے ہیں کہ وہ تین بسوہ حسب فرائض ہم پر منقسم ہوجائیں،اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ تین بسوہ کہ نبیرہ موصی لہ نے بابت وصیت حسب فیصلہ پنچایت پائے ان کامالک صرف یہی موصی لہ ہے۔اس کے اور بھائیوں کا اس میں کچھ حق دعوی نہیں،نہ وہ حسب فرائض ان پر تقسیم ہوسکیں کہ یہ متروکہ ان کے باپ کا نہیں بلکہ اسے مال جدہ سے از روئے وصیت پہنچے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک پسر اور سہ دختران وارث اپنے چھوڑے،ذی مہر قابض جائداد ہے ترہ مورث کا تقسیم نہیں ہونے دیتی اور کہتی ہے پانچ ہزار روپیہ دین مہر میرے کا بموجب وصیت مورث کے ادا کردو،بعد ادا کرنے دین مہر کے جائداد تقسیم کرلو۔اس صورت میں ترکہ مورث کا بدوں ادائے دین مہر کے تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پس جب تک مہر اور دیگر دیون بھی اگر ہوں ادا نہ ہولیں

تقسیم نہ کرنا چاہئے مگرہاں تعین مقدار پنج ہزار روپیہ میں تفصیل ہے اگر یہ مقدار سوا اقرار مورث کے دوسرے طریقہ سے بھی ثابت ہے یا مورث کاوہ مرض جس میں اس نے انتقال کیا مرض موت یعنی ایسا مرض نہ تھا جس میں غالب ہلاک ہوتا ہو یا اس کے سبب سے وہ صاحب فراش یا کارہائے بیرون خانہ سے عاجز ہوگیا ہو یا ورثہ نے بعد اقرار حیات مورث میں خواہ اس کے بعد تصدیق اس مقدار کے کئے تھے گو اب مجیز نہ ہوں یا یہ مقدار مہر مثل زوجہ سے زائد نہیں تو ان سب صورتوں میں پورے پانچ ہزار دینا لازم ہیں ورنہ بقدر مہر مثل دلایا جائے گا اور قدر زائد میں اقرار مورث کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فی الھندیة اقرفی مرض موته بدین من مھر لامرأة یصدق الٰی تمام مھرمثلھا وتحاص غرماء الصحة کذا فی خزانة المفتین ولواقرلھا بزیادة علی مھر مثلھافالزیادة باطلة کذافی المبسوط [1]۔	ہندیہ میں ہے کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے دین مہر کا اقرار کیاتو تمام مہر مثل تک اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور وہ بیوی صحت کے قرضخواہوں میں شامل ہو جائے گی۔ خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اور اگر بیوی کیلئے مہر مثل سے زائد کا اقرار کیاتو زیادتی باطل ہے، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ فوت ہوئی زید پسر، عائشہ دختر، خالد زوج وارث چھوڑے۔ زیور و اسباب متروکہ ہندہ، خالد اپنے تصرف میں لایا بعدہ، خالد بھی فوت ہوا۔ فاطمہ زوجہ اور زید وعائشہ پسر ودختر وارث چھوڑے۔ مہر ہندہ کاذمہ خالد ہے، آیا زید وعائشہ کوترکہ خالد سے مطالبہ اس زیور واسباب کا پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مہر ہندہ تقسیم ترکہ پر مقدم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی زید وعائشہ کو مطالبہ اپنے سہام شرعیہ کا اس زیور واسباب کے متروکہ خالد سے پہنچتا ہے اور ان سہام اور نیز مہر ہندہ اور مہر فاطمہ بھی اگر ہو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷۶

مسئلہ ۴۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حیات ایک دختر سارہ اور ایک شوہر امیر الدین وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوئی بعدہ شوہر کا زوجہ فتح خاتون اور مریم اور تین پسر علاء الدین بطن فتح خاتون سے اور حمید الدین، بشیر الدین بطن مریم سے اور تین دختر سارہ بطن حیات خاتون اور سکینہ وہندہ بطن مریم سے وارث اپنے چھوڑ کر مر گیا اور امیر الدین نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک حصہ اپنی جائداد کا فتح خاتون اور علاء الدین کو دے کر الگ کر دیا تھا اس صورت میں امیر الدین کو متروکہ حیات خاتون سے کیا ملے گا اور وہ ورثہ امیر الدین پر کیونکر تقسیم ہوگا اور فتح خاتون و علاء الدین بھی ترکہ امیر الدین سے حصہ پائیں گے یا بسبب اس کے کہ وہ بقدر اپنے حصص کے حیات مورث میں لے کر جدا ہوگئے تھے اب نہ پائیں گے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی الخ متروکہ حیات خاتون سے چہارم امیر الدین کو ملے گا اور وہ مثل اس کے اور متروکات کے بشرط عدم موانع ارث ووارث اخر وتقدیم دیون ومہور زنان و وصایا ۱۴۴ سہام پر منقسم ہو کر ۹،۹ سہام فتح خاتون و مریم اور ۲۸،۲۸ علاء الدین و حمید الدین و بشیر الدین اور ۱۴،۱۴ سارہ وسکینہ وہندہ کو ملیں گے اور امیر الدین کے فتح خاتون وعلاء الدین کو ایک پارہ جائداد دے کر الگ کر دینا مانع ارث نہیں مگر ہاں اگر یہ دینا بطریق تصالح وتخارج تھا یعنی امیر الدین نے وہ جائداد ان دونوں کو اس شرط سے دی تھی کہ یہ میں تمہارے اس حصہ میں دیتا ہوں جو تمہیں بعد میرے پہنچے اب تمہیں میرے بعد میری جائداد میں استحقاق میراث نہیں اور انہوں نے اس معنی کو قبول کرلیا اور اس پر راضی ہوگئے تو اب انہیں دعوی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا حصہ برضائے خود پہلے ہی لے چکے صرح بذٰلك الشیخ العلامة عبدالقادر فی الطبقات (شیخ علامہ عبدالقادر نے طبقات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور جائداد پر قبضہ چھوڑا اور دین مہر (لہ صہ) روپیہ چھوڑا کچھ جائداد وصی وارثوں نے اپنے قبضہ میں لے لی، بقیہ جائداد مسماۃ نے یعنی زوجہ متوفی نے بہ مجبوری بہ خوف کمی قیمت تصفیہ دین مہر فروخت کرکے قرضہ شوہر ادا کیا اور آپ کچھ نہ لیا، اب ورثہ دعوی کرتے ہیں پس بلاادائے مہر اور قرضہ یہ دعوی صحیح ہے یانہیں؟ اور شرعًا ایسی بیع درست ہے یانہیں؟ اور

دعوی تقسیم بلا تصفیہ مہر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے ظاہر کہ دین ترکہ کو محیط تھا اور درصورت احاطہ دین ورثہ کے لئے ترکہ میں ملک ثابت نہیں ہوتی نہ بے فراغ ذمہ بادا یا ابراء باہم تقسیم کر سکیں۔

فی الاشباہ والنظائر الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث قال فی جامع الفصولین من الفصل الثامن و العشرین لواستغرقھا الدین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء الخ[1]۔	الاشباہ والنظائر میں ہے جو قرض ترکہ کا احاطہ کرنے والا ہو وہ ملک وارث سے مانع ہے، جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرے تو بطور میراث کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو بری الذمہ قرار دے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس کو ادا کردے الخ (ت)

پس زوجہ زید نے کہ جائداد متروکہ بیچ کر زید کو باردیون سے سبکدوش کیا اور ان قرضخواہوں میں ایک خود وہ تھی جس نے آپ کچھ نہ لیا اور باقی دائنوں نے جنہیں اختیار نقض بیع حاصل تھا ثمن مبیعہ سے اپنا اپنا قرض لیا اور بیع پر کچھ اعتراض نہ کیا تو اب ورثہ زید کہ بغرض تقسیم وتصرف بے جا بے قصد استخلاص ترکہ بادائے مہرو دیگر دیون دعوی کرتے ہیں یہ دعوی ان کا محض نامقبول اور شرعاً قابل سماعت سے معزول۔

فی فتاوی الفاضل العلامۃ خیرالدین الرملی رحمۃ اللہ علیہ سُئل فی رجل مات وعلیہ دین فباع بعض ورثتہ شیئا من عقارہ فی وفاء دینہ ھل لبقیۃ ورثتہ نقضہ	فاضل علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمہ کے فتاوی میں ہے کہ اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس پر قرض تھا اور وہ مرگیا تو اس کے بعض وارثوں نے اس کا قرض ادا کرنے کے لئے میت کی جائداد کا کچھ حصہ فروخت کردیا، کیا باقی وارثوں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

ام لا **اجاب** ان لم تکن الترکۃ مستغرقۃ بالدین لا ینفذ بیعہ الا فی حصتہ فلبقیۃ الورثۃ نقضہ فی حصصھم و ان کانت مستغرقۃ بہ لاینفذ بیعہ فی حصتہ اذا کان بغیر اذن الغرماء اوبغیر اذن القاضی فللغرماء نقضہ والحال ھذہ واللہ اعلم [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	کو یہ بیع توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ نہیں کیا ہوا تو بیع فقط فروخت کرنے والے کے حصہ میں نافذ ہوگی باقی وارثوں کو اپنے حصوں میں بیع کے توڑنے کا حق ہوگا اور اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے تو خود بائع کے حصہ میں بھی بیع نافذ نہ ہوگی جبکہ وہ بیع قرضخواہوں اور قاضی کی اجازت کے بغیر ہو اور قرضخواہوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بیع کو توڑ دیں۔ یہاں صورت حال ایسی ہی ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴: (مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے، کوئی شخص فوت ہوا جس کا قرض ترکہ کو محیط ہے۔ ایک بیٹا زید اور دو بیٹیاں کبرٰی اور صغرٰی اس کی وارث ہیں، قرض کی ادائیگی کے لئے زید اور صغرٰی جائداد بیچنا چاہتے ہیں جبکہ کبرٰی اس سے منع کرتی ہے، کیا وہ قرض کی ادائیگی کے لئے ترکہ کی جائداد فروخت کرسکتے ہیں، اور کیا کبرٰی کو منع کا حق ہے؟)

الجواب:

زید وصغرٰی کو بے رضائے ارباب دیون بیع ترکہ کا اختیار نہیں اور اگر بیع کریں گے تو نافذ نہ ہوگی کہ دین ترکہ کو مستغرق ہے۔

فی الاشباہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین و انما یبیعہ القاضی [2] قال الحموی قولہ ولا ینفذ بیع الوارث الخ یعنی ان بیعہ موقوف	الاشباہ میں ہے: وارث کا ایسے ترکہ کی بیع کرنا نافذ نہ ہوگا جو قرض میں گھرا ہوا ہے، فقط قاضی اس کی بیع کرسکتا ہے۔ حموی نے فرمایا کہ صاحب اشباہ کے قول "وارث کی بیع نافذ نہ ہوگی" سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیع

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۳ و ۲۲۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

علٰی رضاء الغرماء قال فی البزازیة فی السابع من کتاب الوصایا لایملك الوارث بیع الترکة المستغرقة بالدین المحیط الا برضاء الغرماء[1] اھ۔	قرضخواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگی۔بزازیہ کتاب الوصایا کی ساتویں فصل میں ہے وارث قرضخواہوں کی اجازت کے بغیر ایسے ترکہ کی بیع کا مالک نہیں جو قرض سے گھراہوا ہو اھ (ت)

اور کبرٰی اگراپنے مال سے ادائے دین چاہے توزید وصغرٰی کو اگرچہ غرماء بیع پر راضی ہوں بلکہ خود حاکم کو بیچنے سے روک سکتی ہے ورنہ مجرد منع اس کا کچھ بکارآمد نہ ہوگا کہ ورثہ کو بوجہ استغراق دین کوئی استحقاق ملکیت اس ترکہ میں نہیں۔

قال الحموی قوله وانما یبیع القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لهم من حق امساکها و قضاء الدین من مالهم[2] اھ ملخصا،و فی الاشباہ و الدین المستغرق للترکة یمنع ملك الوارث[3]۔والله تعالٰی اعلم۔	حموی نے کہا صاحب الاشباہ کا قول کہ "فقط قاضی اس کو بیچ سکتا ہے"میں کہتاہوں کہ بیع وارثوں کی موجودگی میں ہونی چاہئے کیونکہ انہیں حق حاصل ہے کہ وہ ترکہ کے مال کو روک لیں اور میت کاقرض اپنے مال سے ادا کردیں اھ تلخیص اور الاشباہ میں ہے جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملک سے مانع ہے،اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چند اولاد اور متروکہ میں جائداد چھوڑ کر انتقال کیا اس کا کفن ودفن اس کے مال سے کیاگیااور اس کی عورت نے اس کی فاتحہ ودرود وسوم وچہلم وغیرہ میں بہت روپیہ اس کے مال سے اٹھایااب وہ دعوی کرتی ہے کہ میں نے ان امور میں تین سو روپے اپنے مال سے اٹھائے میں ان کے پانے کی مستحق ہوں۔ اس صورت میں یہ دعوی اس کا مسموع ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا

[1] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵
[2] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵
[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

الجواب:

دعوٰی اس کا باطل ہے اور امور مذکورہ اگرچہ اس نے اپنے روپے سے کئے ہوں تبرع واحسان قرار پائیں گے اور ان کا صرف اس کے ترکہ سے واپس نہ ملے گا۔ اور مال میت سے اٹھایا تو اسی قدر اس کے حصہ سے مجرا ہو جائے گا۔

فی الطحطاوی التجهیز لایدخل فیه السبح و الصمدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الوارثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[1] اھ۔	طحطاوی میں ہے فاتحہ ودرود، لوگوں کا اجتماع اور ان کے لئے کھانے کا اہتمام کرنا تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور میں سے نہیں، یہ کام کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ میں سے بے شمار ہوگا اور وہ تبرع و احسان کرنے والا قرار پائے گا، اور یونہی اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو اھ۔ (ت)

ہاں اگر کفن ودفن بطریق سنت اس نے اپنے مال خاص سے کیا ہو تو بیشک بقدر قیمت کفن وخرچ قبر ترکہ سے واپس لے سکتی ہے۔

فی الخانیة من باب الوصی بعض الورثة اذا قضی دین المیت اوکفن المیت من مال نفسه لایکون متطوعا وکان له الرجوع فی مال المیت والترکة[2] اھ ملخصا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خانیہ کے باب الوصی میں ہے اگر کوئی وارث میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردے یا میت کو اپنے مال سے کفن پہنادے تو وہ اس میں تبرع واحسان کرنے والا قرار نہیں پائے گا بلکہ وہ مال میت اور ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اھ ملخصا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور اس نے زوجہ ہندہ کو بالعوض دین مہر کے اپنی جائداد پر قابض کرادیا بعدہ، منجملہ وارثان ایک وارث عمرو نے کل دین مہر زوجہ اپنے پاس سے ادا کرکے جائداد کو اس کے قبضہ سے مستخلص کرایا۔ اب سب وارثان اور زوجہ اپنے اپنے حصہ شرعی کے خواستگار ہیں اس صورت میں زوجہ اور جملہ وارثان کو

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبة العربیة کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۵۴

بقدر حصہ رسدی دین مہر کے عمرو کو دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ قبضہ زوجہ کا بذریعہ ہبہ بالعوض نہ تھا بلکہ جائداد دین مہر میں صرف مکفول تھی، پس صورت مستفسرہ میں اگر عمرو نے دین مہر زوجہ اس شرط پر ادا کیا تھا کہ یہ اپنے پاس سے بطریق تبرع دیتا ہوں اور ترکہ میت سے واپس نہ لوں گا تو ذمہ میت دین سے بری ہوا اور عمرو اس کا مطالبہ ترکہ میت خواہ ورثہ باقین سے نہیں کر سکتا اور جو یہ شرط نہ لگائی تھی تو اس قدر دین عمرو کا ذمہ میت عائد رہا تاوقتیکہ اس ترکہ مشترکہ سے ادا نہ کر دیا جائے تقسیم نہ ہونے پائیگی مگر یہ باقی ورثہ دین عمرو کو حصہ رسد اپنے پاس سے اپنے مال خاص سے ادا کر دیں اگرچہ یہ امر ان پر لازم نہیں کہ مدیون عمرو میت ہے "نہ ورثہ" یا دین مذکور ترکہ سے کم ہے اور اس جائداد کے سوا جس کی تقسیم مطلوب ہے اور مال بھی متوفی نے چھوڑا ہو جو ادائے دین مسطور کے لئے کفایت کرے تو اس صورت میں بھی اس قدر جائداد کی تقسیم جائز ہوگی اور دین عمرو مال باقی غیر مقسوم سے ادا کیا جائے گا۔

فی الاشباہ عن جامع الفصولین من الفصل الثامن والعشرین لواستغرقها دین لایملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه اواداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء امالواداه من مال نفسه مطلقا بشرط التبرع او الرجوع یجب له دین علی المیت فتصیر مشغولة بدین[1] الخ وفیه بعد سطور للوارث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] اھ وفی العقود الدریة عن الفصول العمادیة عن قسمة	اشباہ میں جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل سے منقول ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا جبکہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری کردے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس قرض کو ادا کردے۔ لیکن جب وارث نے تبرع اور رجوع کی شرط کئے بغیر مطلقاً اپنے مال سے قرض ادا کیا تو میت پر اس وارث کا قرض واجب ہوجائے گا۔ اسی طرح وہ ترکہ وارث کے قرض میں مشغول ہوجائے گا الخ اور اسی میں چند سطروں کے بعد ہے وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض ادا کرکے ترکہ کو واگزار کرالے اگرچہ وہ قرض ترکہ کو محیط ہو الخ۔ عقود الدریۃ میں فصول العمادیہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵۔ ۲۰۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

الهداية ان القسمة مؤخرة قضاء الدين لحق الميت الا اذا بقي من التركة مايفي بالدين فاذا قسمت جاز[1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم	سے بحوالہ قسمۃ الہدایۃ (ہدایۃ کی کتاب القسمۃ) منقول ہے کہ حق میت کی وجہ سے میراث کی تقسیم قرض کی ادائیگی سے موخر ہوگی مگر جبکہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے اتنامال باقی بچتاہے جو قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے تو ایسی صورت میں اگر ترکہ تقسیم کردیا گیا تو جائز ہے اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ اس کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ مکفول تھا، عمرو وارث نے نالش انفکاک رہن کرکے بادائے ایک سوتریسٹھ ۱۶۳ روپیہ دین مہر کے دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور کل دین مہر زوجہ ہندہ کو بلا تبرع ادا کردیا، بعدہ، ہندہ نے اپنا حصہ بدست مسماۃ حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا، اب حسینی بلاادائے دین کے ترکہ مورث تقسیم کردیناچاہتی ہے، اس صورت میں بلاادائے دین مہر رسدی کے حسینی حصہ اپنی ماں کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

جبکہ عمرو نے اپنے زرخاص سے دین مہر ہندہ بلا تبرع ادا کیا تو وہ ترکہ جس طرح پہلے دین ہندہ کے لئے محبوس تھا اب دین عمرو کے لئے محبوس ہوگیا،

ذکر ذٰلك فی الحموی ان الوارث لولم یشترط التبرع لم تخلص الترکة من الدین لانه صار محبوسا من حق الوارث[2]۔	اس کو حموی میں ذکر کیاہے کہ اگر وارث تبرع کی شرط نہ کرے تو ترکہ قرض سے واگزار نہیں ہوگا کیونکہ وہ وارث کے حق میں محبوس ہوجائے گا (ت)

حتی کہ جب تک دین عمرو متروکہ زید سے ادانہ کیا جائے یا ورثہ اپنے مال خاص سے بطریق تبرع قضانہ کردیں اس ترکہ میں کوئی تصرف ورثہ کا مثل بیع وہبہ وغیرہما کے بلااجازت عمرو مذہب راجح پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب القسمۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۹۶۔ ۱۹۵

[2] غمز العیون البصائر

فی الطحطاویۃ حکم الترکۃ قبل قضاء الدین کحکم المرھون بدین علی المیت فلاتنفذ تصرفات الورثۃ فیھا ھذا اذا کانت الترکۃ اقل من الدین اومساویۃ لہ واما اذاکان فیھا زیادۃ علیہ ففی نفوذ تصرفات الورثۃ وجھان احدھما النفوذ الٰی ان یبقی قدرالدین واظھر ھما عدم النفوذ علٰی قیاس المرھون [1] اھ	طحطاویہ میں ہے قرض کی ادائیگی سے پہلے ترکہ کا حکم میت پر قرض کے بدلے رہن رکھی ہوئی شے کے حکم کی مثل ہے۔ چنانچہ اگرترکہ قرض سے کم ہو یااس کے برابر ہو توترکہ میں وارثوں کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے۔ لیکن اگرترکہ میں قرض سے زیادتی موجود ہو تو وارثوں کے تصرفات نافذ ہونے میں دو۲ وجہیں ہیں،ان میں سے ایک یہ کہ تصرفات نافذ ہوں گے جب تک ترکہ بقدر قرض باقی رہے اور ان میں سے زیادہ ظاہر وجہ مرہون پر قیاس کرتے ہوئے تصرفات کاعدم نفاذ ہے اھ (ت)

پس اگر عمرو نے بیع ہندہ کو اجازت نہ دی تو حسینی کو اختیار ہے چاہے اس وقت صبر کرے کہ ترکہ دین سے فارغ ہو جائے یا حکم شرع کی طرف رجوع کرکے بیع فسخ کرالے کما ھو حکم المرھون المصرح بہ فی المتون (جیسا کہ مرہون کاحکم ہے جس کی تصریح متون میں کردی گئی ہے۔ت) رہی تقسیم ترکہ پس اگراس ترکہ کے سوا زید متوفی کااور کوئی مال ایسا ہے جوادائے دین کے لئے وفا کرے یاورثہ اس جائداد سے بقدر کفایت دین جدا کردیں تو باقی ماندہ کو باہم حسب فرائض تقسیم کرسکتے ہیں ورنہ جب تک ترکہ دین سے فارغ نہ ہوجائے خواہ بایں طور کہ اسی جائداد سے دیاجائے یاورثہ اپنے پاس سے تبرعًا دیں یا عمرو دین معاف کردے،بے اس کے تقسیم ترکہ سے ممنوع رہیں گے کما فی القسمۃ الھندیۃ وغیرھا من کتب الفقہ (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب القسمۃ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں مادرزید زمین داری تھا وہ ایک پسر تین دختر چھوڑ کر فوت ہوئی،ایک دختر نے اپنا حصہ زید کو دے دیا باقی دختران کو زید نے دوحصہ بموجب شرع شریف گاؤں یں دے دیئے،اس گاؤں میں چار قطعہ باغ زید نے اپنی ماں کی حیات میں اس کے رضامندی سے غرس کئے تھے۔اب بعد فوت مادران باغوں میں بہنوں کا بھی کچھ حق

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴ /۳۶۷

ہے یا وہ فقط غارس کے لئے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر زید نے تعین کی تھی کہ یہ باغ میں اپنے واسطے لگاتا ہوں یا اس کی والدہ نے اس سے کہا تھا کہ تو اپنے لئے باغ لگالے تو درختوں کا مالک زید ہی ہے نہ دیگر ورثہ۔ اور اگر نہ اس نے اپنے لئے تعین کی نہ مورثہ کے کلام میں خاص اس کے لئے اجازت تھی بلکہ صرف باغ لگانے کی رضامندی ظاہر کی تو وہ باغ بی مادر زید کی ملک ٹھہر کر اس کے سب وارثوں پر حسب فرائض منقسم ہوجائیں گے۔

فی شتی الدر المختار عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دین علیها الصحه امرها ولو عمر لنفسه فالعمارة له[1] اھ ملتقطا۔ قال الشامی فلو باذنها تکون عاریة[2] اھ وفی وقف الاشباہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہٖ فالبناء لمالکها[3] قال الحموی قیل هذا اذا طلق او عینه للمالك فلو عینه لنفسه فهو له ویکون مستعیر الارض الخ، وذیله بقوله	درمختار کے مسائل شتّٰی میں ہے مرد نے بیوی کی اجازت سے اس کا مکان اپنے مال سے تعمیر کیا تو وہ عمارت بیوی کی ہوگی اور خرچہ اس بیوی پر قرض ہوگا کیونکہ بیوی کا امر صحیح ہے، اور اگر مرد نے اپنے لئے تعمیر کرائی تو وہ عمارت مرد کی ہوگی اھ التقاط۔ شامی نے کہا اگر عورت کی اجازت سے تعمیر کرائی تو وہ عاریت ہوگی اھ الاشباہ کی کتاب الوقف میں ہے جس شخص نے غیر کی زمین میں اس کے حکم کے ساتھ عمارت بنائی تو وہ عمارت زمین کے مالک کی ہوگی۔ حموی نے کہا: کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عمارت بنانے والا تعیین نہ کرے یا مالک کے لئے تعیین کرے۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی ذات کے لئے تعیین کی تو عمارت اس کی ہوگی اور وہ

[1] الدرالمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

فاغتنمه[1] اھ۔وفی متفرقات غصب الندیة اذا غزلت المرأة قطن زوجها فان اذن لها بالغزل وقال اغزلیه لنفسك كان الغزل لها ولو قال اغزلیه ولم یذکر شیأً کان الغزل للزوج[2] اھ بالالتقاط۔واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین کو عاریت پر لینے والا قرار پائے گا الخ اور اس کے آخر میں یہ قول لکھا کہ تو اس کو غنیمت جان اھ۔ہندیہ میں کتاب الغصب کے متفرقات میں ہے ایک عورت نے اپنے شوہر کی روئی سے سوت کاتا، اگر شوہر نے اس کو کاتنے کی اجازت دی اور کہا کہ تو اس کو اپنے لئے کات لے (صاحب ہندیہ نے کہا) تو وہ سوت عورت کا ہوگا، اور اگر کہا کہ تو اس کو کات لے، اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا تو سوت شوہر کا ہوگا اھ التقاط۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چار پسر دونا بالغ اور ایک دختر بالغہ چھوڑ کر انتقال کیا اور کچھ روپیہ زید کا لوگوں پر قرض اور کچھ نقد تھا اس میں نقد سے تین سو روپے والدہ و دو برادران بالغ کی رضامندی سے دختر کی شادی اور کچھ روپے زید کی فاتحہ و درود میں صرف ہوئے اور دوسرے برادران بالغ نے بطور خود تجارت کی اور اس کے نفع کا قدرے روپیہ بھی فاتحہ زید میں اٹھایا۔اس صورت میں ترکہ زید مکان وقرض ونقد کیونکر تقسیم ہوگا اور صرف شادی وفاتحہ کس کس پر پڑے گا اور کل مصارف شادی یہ ورثہ اس دختر سے مجرا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نفع تجارت کا صرف انہیں دو برادران کو استحقاق ہے یا کل وارث اس میں بھی شریک ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی قعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ، کل متروکہ زید مکان وقرض ونقد بہتر سہام پر منقسم ہو کر نو سہام اس کی زوجہ اور چودہ ہر پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور صرف فاتحہ کا خواہ ترکہ میں سے ہوا ہو یا جدامال سے جس جس نے کیا انہیں کے ذمہ پڑے گا اور جس کی اجازت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۳۔۱۵۲

نہ تھی وہ اس سے بری رہے گا والمسئلة فی الفرائض من الحاشیة الطحطاویة علی الدر المختار (یہ مسئلہ درمختار پر حاشیہ طحطاویہ کے فرائض میں سے ہے۔ت) علی الخصوص دونوں نابالغ کہ ان کے ذمہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا اگرچہ انہوں نے اجازت بھی دے دی ہو وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) اور بعینہٖ یہی حال صرف شادی کا ہے جس نے صرف کیا فقط وہی اس کا متحمل ہوگا اجازت نہ دینے والوں یا نابالغوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں وہ اپنا حصہ متروکہ پدری سے پورا پورا پائیں گے اور صَرف شادی کا مطالبہ صرف دختر سے نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اس سے ٹھہرا لیا ہو کہ ہم یہ سارا صَرف تیرے حساب میں مجرا لیں گے،

وذٰلك لان ماکانوا مضطرین فی ذٰلك وماسبیله هذا ففاعله متبرع الا ان یشرط الرجوع کما اذا کفن الاجنبی المیت اوقضی دین غیره بلااذنه والمسئلتان فی الدر المختار[1] والعقود الدریة۔	یہ اس لئے ہے کہ وہ اس میں مجبور نہیں تھے نہ اس کی یہ سبیل ہے لہٰذا ایسا کرنے والا متبرع قرار پائے گا سوائے اس کے کہ اس نے رجوع کی شرط کی ہو جیسا کہ کوئی اجنبی میت کو کفن پہنائے یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردے۔ یہ دونوں مسئلے درمختار اور عقود الدریہ میں مذکور ہیں (ت)

اور مال ترکہ سے تجارت کہ دو[۲] بالغین برادروں نے بطور خود کی اس کے نفع کا صرف انہیں دونوں کو استحقاق ہے اور کوئی وارث اس میں شریک نہیں، مگر ہاں اس قدر ضرور ہے کہ جو نفع حاصل ہوا وہ بقدر ان کے حصوں کے ان کے لئے طیب ہے باقی خبیث۔ انہیں چاہئے کہ اس قدر باقی ورثہ کو بحساب ان کے حصوں کو دے دیں یا خیرات کردیں اپنے صرف میں نہ لائیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ؁ روپیہ نفع میں حاصل ہوئے واس میں للعہ عہ تو ان کے لئے پاک ہیں کہ بھائی کو معہ اور عہ ناپاک ان عہ عہ کو یا تصدق کردیں یا ان میں سے للعہ عہ دونوں برادران نابالغ کو دے دیں اور عہ ۸/ ہمشیرہ کو اور للعہ والدہ کو، اور یہی صورت بہتر ہے۔

فی العقود الدریة نقل المؤلف عن الفتاوٰی الرحیمیة سئل عن مال	العقود الدریہ میں ہے مؤلف نے فتاوٰی الرحیمیہ سے نقل کیا ہے ایسے مال کے بارے میں سوال

[1] الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شهادة الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۹، العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۶

مشترك بین ایتام وامهم استربحه الوصی للایتام هل تستحق الام ربح نصیبها اولا اجاب لاتستحق الام شیأا مما استربحه الوصی بوجه شرعی لغیرها کاحد الشریکین اذا استربح من مال مشترك لنفسه فقط ویکون ربح نصیبها کسبا خبیثا ومثله سبیله التصدق علی الفقراء اھ اقول ایضا ویظهر من هذا ومما قبله حکم مالوکان المباشر للعمل والسعی بعض الورثة بلاوصایة اووکالة من الباقین [1] انتهی مافی العقود **قلت** واما ماذکرنا من ان الاولی الدفع لاصحاب الحصص فلما تقرر فی کلمات العلماء ان کان خبیثا مثل هذا فسبیله التصدق وان رد علی المالك فهذا اولی والطیب له لکونه ربح مبلکه واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔	کیا گیا جو کچھ یتیموں اور ان کی ماں کے درمیان مشترک ہے۔ وصی نے یتیموں کے لئے اس پر کچھ نفع حاصل کیا تو کیا ماں اپنے حصہ کے نفع کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ امام نے جواب دیا جو نفع وصی نے اس طور پر حاصل کیا کہ خریداری ماں کے غیر کے لئے کی اس میں سے ماں کسی شیئ کی مستحق نہیں ہوگی، جیسے دو شریکوں میں سے کوئی ایک اگر مال مشترک میں سے فقط اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کرے۔ البتہ ماں کے حصہ کا نفع ان کے لئے خبیث ہوگا جس کا شرعی راستہ یہ ہے کہ فقراء پر صدقہ کردیا جائے اھ میں کہتا ہوں اس سے اور اس کے ماقبل سے اس صورت کا حکم بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر مشترکہ مال میں کام اور محنت کرنے والے بعض وارث ہوں بغیر باقی وارثوں کی وصایت ووکالت کے، العقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی۔ **میں کہتاہوں** یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حصوں کے مالکوں کو نفع دے دینا اولٰی ہے اس کی دلیل وہ ہے جو علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ اس جیسا مال خبیث ہے چنانچہ اس کا شرعی راستہ فقراء پر صدقہ کرنا ہے اور اگر مالک کو لوٹادے تو یہ اس کے لئے اولٰی اور طیب ہے کیونکہ یہ اس کی ملک کا نفع ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔ (ت)

[1] العقود الدریة کتاب الشرکة لاتستحق الام مما استربحه الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۴

مسئلہ ۵۰: (مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے خورشید حسن خاں ایک بیٹا امداد حسن خاں اور دو بیٹیاں وجیہ النساء اور تر بیگم چھوڑ کر انتقال کرگیا امداد حسن خاں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا اب تقسیم ترکہ کیسے ہوگا؟)

الجواب:

حق میراث حکم شرع ہے کہ رب العالمین تبارک وتعالٰی نے مقرر فرمایا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

قال علماؤنا کما فی الاشباہ وغیرہ الارث جبری لایسقط بالاسقاط۔	ہمارے علماء نے فرمایا جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے کہ حق میراث جبری ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیٹا مثلًا اپنے باپ کا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو جس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹاسکتا یونہی اپنے حق میراث کو نہیں ساقط کرسکتا، پس امداد حسن خاں کا ترکہ متوفی سے دستبردار ہونا ہرگز معتبر نہیں، اور وہ اس وجہ سے زنہار کالعدم نہیں ہوسکتا اگر لاکھ بار دست برداری کرلے شرع تسلیم نہ فرمائے گی اور اسے اس کے حصہ کا مالک ٹھہرائے گی ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں تو یوں کرے کہ لے کر اپنی بہن خواہ بھاوج خواہ جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابل تقسیم ہو اسے منقسم کرکے قبضہ دلادے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہوجائے گا ورنہ مجرد دست برداری کچھ بکار آمد نہیں پس کل ترکہ خورشید حسن خاں منقولہ وغیر منقولہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ چار سہام پر منقسم ہو کر ایک وجیہ انساء اور دو امداد حسن خاں اور ایک تر بیگم کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کا کچھ زیور کہ وہ اپنے جہیز میں لائی تھی باجازت اس کے خاص اپنے قرض کے عوض دائن کے پاس رہن رکھا اور اس کے سوا اور قرضہ بھی زید پر تھا اور ایکز وجہ زید کی اس کے سامنے مر گئی بعدہ، زید نے زوجہ ثانیہ اور ماں اور تین بیٹیاں ایک بطن زوجہ اولٰی اور دو بطن ثانیہ سے اور ایک بھائی اور دو بہنیں وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ ثانیہ نے بعد وفات زید زیور مرہون بالعوض اس قرضہ کے جس میں زیور رہین تھا مرتہن ک ودے دیا اور اس قدر روپیہ ترکہ شوہر سے لینا چاہتی ہے۔ اس صورت

میں وہ روپیہ زوجہ ثانیہ کو دلایا جائے گا یا نہیں؟ اور تقسیم ترکہ کس حساب سے ہوگی اور زوجہ اولٰی کہ زید سے پہلے مر گئی مستحق حصہ پانے کی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ورثہ میت نابالغین ہوں تو اس کا وصی اور وصی نہ ہو تو حاکم کوئی وصی نصب کرے کہ وہ شیئ مرہون کو بیع کرکے دین مرتہن ادا کرے درمختار ص ۶۲۳، اور جو کبار ہوں تو وہ خود چھڑالیں سہ ً، اگر ترکہ دین مرتہن و مہر زوجیت و دیگر دیون کو وفانہ کرے تو پہلے دین مرتہن ادا کیا جائے بعدہ، اگر باقی بچے تو دیگر دیون حصہً رسدا گرسب دین صحت یا دین مرض ہوں ورنہ دین صحت مقدم ہوگا فرائض۔ بعدہ، اگر کچھ باقی ہے تو اس کے ثلث سے اور ورثہ زیادہ کی اجازت دیں تو زیادہ سے وصایا اس کے اگر ہوں تو نافذ کی جائیں پھر مابقے بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین ترکہ زید متوفی کا دوسو اٹھاسی سہام پر منقسم ہوکر ۳۶ سہام زوجہ اور ۴۸ ماں پائیں گی اور ۶۴/ ۶۴ ہر سہ دختران کو ملیں گے اور ۶ بھائی اور ۳/ ۳ دونوں بہنیں پائیں گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

صورت مستفسرہ میں جب وہ زیور خاص ملک زوجہ ثانیہ تھا اور زید نے اس کی اجازت سے پہلے قرض کے عوض رہن رکھا اور اس کے بعد وفات زوجہ نے وہ قرضہ ادا کردیا تو وہ بلاشبہہ اس قدر روپیہ ترکہ زید سے واپس پائے گی،

فی تنویر الابصار ولوافتکہ المعیر اجبر المرتھن علی القبول ثم یرجع المعیر علی الراھن بما ادی[1] اھ	تنویر الابصار میں ہے اگر عاریت پر دینے والا رہن کو چھڑائے تو مرتہن کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر عاریت پر دینے والے نے جو کچھ ادا کیا ہے، وہ راہن سے اس کا رجوع کرسکتا ہے اھ (ت)

اسی طرح وہ قرضہ دوسروں کا جو ذمہ زید ہے اور دونوں زوجہ کا مہر اگر باقی ہوا لخ۔

مسئلہ ۵۲: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت کے بلا نکاح ایک لڑکا زید اور تین لڑکیاں لیلٰی، سلمٰی، عذرا پیدا ہوئیں وہ عورت مر گئی اور اس کا بیٹا زید ایک بیٹا عمرو چھوڑ مرا اور لیلٰی سلمٰی نے نکاح کرلئے اب لیلٰی نے بھی سلمٰی، عذرا دو بہنیں اور عمرو بھتیجا اور ایک شوہر چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس صورت میں ترکہ لیلٰی کا کیونکر منقسم ہوگا اور عذرا کہ

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۵

ہنوز اسی پیشہ پر ہے مستحق ارث ہوگی یانہیں؟

الجواب:

بازاری عورت جو اپنے پیشہ پر رہے اور ایک شخص کے ساتھ بطور زنان منکوحہ پابند ہو کر خانہ نشینی اختیار نہ کرے اسے صرف تعلق فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے تاوقتیکہ حجت شرعیہ سے ثبوت نکاح نہ ہو اور جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوتا ہے نہ باپ سے، اگرچہ اس کے نطفے سے ہونا متعین ہو اور وہ اس خیال سے اس کی طرف نسبت بھی کئے جائیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔(ت)

تو وہ چاروں صرف ماں کے جانب سے بہن بھائی ہوئے اور اسی جہت سے وراثت پاسکتے ہیں۔

فی الدرالمختار یرث ولد الزنی واللعان بجھة الام وحدہ لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[2]۔	درمختار میں ہے زنا اور لعان کا بچہ فقط ماں کی جہت سے وارث بنتا ہے، جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔(ت)

اور عذرا کا پیشہ فسق وفجور میں ہونا مانع ارث نہیں کہ وہ گناہ ہے نہ کفر۔ پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ ترکہ لیلٰی کا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہام بکر اور ایک ایک سلمٰی وعذرا کو ملے گا،

وذٰلک لانھما شریکتا ثلث وللزوج النصف بقی السدس یرد علیھما فتعود مستة الی اربعة۔	اور یہ اس لئے ہے کہ وہ دونوں ایک تہائی میں شریک ہیں اور خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوگا باقی چھٹا حصہ بچا جسے ان دونوں (سلمٰی وعذرا) پر رد کیا جائے گا تو مسئلہ چھ سے چار کی طرف عود کرے گا۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۷۶ و کتاب الفرائض ۲/ ۱۰۰۱ و باب للعاھر الحجر ۲/ ۱۰۰۷ و کتاب الاحکام ۲/ ۱۰۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

اور عمرو کہ لیلٰی کا بھتیجا ہے بہنوں کے ہوتے کچھ نہ پائے گا فانه ابن اخ لام فکان من ذوی الارحام کما فی تنویر الابصار وغیرھا (کیونکہ وہ اخیافی بھائی کا بیٹا ہے لہٰذا ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میر محسن نے ایک مکان زنانہ اور ایک نشستگاہ مردانی اور اس کے متصل ایک قطعہ زمین افتادہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد ان کے سوا میر انفع علی پسر اور میر جمال علی و حسن شاہ پسران میر اقنع علی برادر حقیقی میر انفع علی جو اپنے والد میر حسن کے سامنے قضا کرچکے تھے اور کوئی باقی نہ رہا جبکہ دونوں نبیرے اپنے چچا کے سامنے محروم تھے مگر میر انفع علی نے براہ محبت ان کا محروم نہ کرنا چاہا اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کرنا چاہتا ہوں، یہ کل جائداد ان دونوں اور میرے پسر میر عون علی کی ہے۔ مکان زنانہ اپنے سامنے تین حصہ پر جدا جدا تقسیم کرکے ایک مکان پر میر جمال علی اور ایک پر میر حسن شاہ اور ایک پر اپنے پسر میر عون علی کو قابض کردیا مگر مکان نشست منقسم نہ ہوا اور اس میں میر انفع علی وغیرہ یہ چاروں بیٹھا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ زمین افتادہ بھی منقسم نہ ہوئی مگر میر انفع علی نے تحریر کل جائداد کے نسبت کی تھی جس میں وہ زمین و نشستگاہ بھی داخل تھی۔ اب بعد انتقال میر جمال علی، میر حسن رضا و میر ملائی دو پسر اور بعد انتقال میر حسن شاہ، میر عابد علی و میر باقر علی دو پسر اور زبیدۃ النساء دختر وارث ہوئے، اور میر انفع علی کا سوا میر عون علی کے کوئی وارث نہ تھا جس کے انتقال کے بعد صرف میر فیض علی پسر اس کے وارث ہوئے، میر فیض علی نے اپنا کل حق حقوق میر حسن رضا و میر مولائی کے ہاتھ بیع کردیا۔ اب ان بائع و مشتریان نے بھی وفات پائی۔ میر عابد علی و میر باقر علی پسران میر جمال علی دعوی کرتے ہیں کہ میر فیض علی سوا مکان اندرونی موسوم بنام میر عون علی کے مکان نشستگاہ و زمین افتادہ میں کچھ حق نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس بیع میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آیا یہ دعوی ان کا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور زبیدۃ النساء کو متروکہ میر جمال علی سے کچھ پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جب کہ بعد انتقال میر محسن کے شرعاً میر انفع علی کے سوا ان کا کوئی وارث نہ تھا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ ان کے سامنے محجوب الارث تھے تو غیر وارث کو وارث کرنا کسی کے اختیار میں نہیں تنہا میر انفع علی اس کل جائداد کے مالک ہوئے اور ان کی یہ خواہش کہ میں اپنے ان

دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کیا چاہتا ہوں زبانی ہو خواہ تحریری ہرگز شرعًا قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ توریث رب العالمین جل جلالہ، کے حکم سے ہے نہ زید و عمرو کے زبان میں۔ غایت یہ کہ اگر الفاظ اس اقرار نامہ کے صالح ہبہ ہوں یا زبانی میر انفع علی سے الفاظ ہبہ صادر ہوئے ہوں تو یہ تینوں بھائی یعنی میر عون علی و میر جمال و میر حسن شاہ اس کل جائداد ے موہوب لہ، قرار پائیں گے مگر مکان اندرونی جسے میر انفع علی نے اپنی زندگی میں جدا جدا تین حصہ پر تقسیم کرکے ہر شخص کو ایک مکان علیحدہ پر قابض کرایا تو وہاں تو ہبہ واقعی صحیح و نافذ و تام ہے اور وہ تینوں حصے ان تینوں کا شرعًا مملوک ہوگئے لیکن مکان بیرونی و زمین افتادہ میں کہ اگرچہ ہزار بار ہبہ زبانی خواہ تحریری مانا جائے، شرعًا مورث ملک نہیں ہوسکتا کہ تاوقت انتقال میر انفع علی کے وہ دونوں غیر منقسم تھے اور میر انفع علی نے اپنا تعلق و تصرف و نشست و برخاست حسب دستور قدیم بھی نہ اٹھادیا تھا پس تادم انتقال میر انفع علی کے موہوب لہم کا قبضہ نہ پایا گیا اور ایسا ہبہ بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)
اب کہ ہبہ باطل قرار پایا تو اسمکان بیرونی و زمین افتادہ کا شرعًا کوئی مالک سوا میر عون علی کے نہ ہوا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ کا ہرگز ان میں کچھ حق نہ تھا بعد انتقال میر عون علی کے میر فیض علی ان دونوں قطعوں اور ایک مکان اندرونی کے بلاشرکت غیرے مالک ہوئے اور یہ سب مکانات بذریعہ بیع میر حسن رضا اور میر مولائی کی طرف بالمناصب منتقل کئے گئے میر عابد علی و میر باقی علی کا حق شرعی سوا اس دو ثلث مکان اندرونی کے جو میر انفع علی اپنی حیات میں ان کے مورث میر جمال علی کو دے کر قابض کرادیا تھا ہرگز نہیں، اور اس میں بھی برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ کالدین والوصیۃ پانچواں حصہ ان کی بہن زبیدۃ النساء کا ہے، یہ ہے حکم شرعی، اور اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل محض۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ رحم علی و شیخ سعادت و شیخ احمد تین بھائی تھے، انہوں نے اپنے روپے سے ایک جائداد پیدا کی، ان تینوں کی زندگی تک مشترک رہے اور خورد و نوش سب کا یکجا تھا، پس ازاں شیخ رحم علی کا انتقال ہوا اور ان کے اولیاء زوجہ اور بچن پسر اور بجو، بجو، بلاقن تین دختر وارث چھوڑے ان میں سے بجو نے ماں اولیاء اور شوہر محب اللہ اور ابن سعد اللہ اور بنت عمدہ پھر نجو نے ماں اولیاء اور دو پسر وزیر، مسیت اور دو دختر امیرن، فقیرن پھر اولیاء نے بچن و بلاقن پسر و دختر چھوڑ کر انتقال کیا۔ بعد وفات

شیخ رحم علی کے وہ جائداد مشترکہ وغیر منقسمہ سعادت احمد کے پاس رہی اور سعادت نے زوجہ عظیمہ اور چار ابن عبداللہ جمن، ننھے، مہدی حسین، چار بنت ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور جائداد سب شیخ احمد کے ہاتھ میں رہی کہ قادر بخش وممن دو پسر ان کے وارث رہے ان میں پہلے ممن دو بیبیاں بلاقن وبندہ جو قادر بخش سے کچھ روپیہ لے کر ترکہ سے برضائے خود علیحدہ ہو گئیں چھوڑ کر انتقال کیا پھر قادر بخش نے کہ بعد مرنے اپنے باپ اور بھائی کے تمام جائداد پر قابض تھا دو زوجہ مجو، بنی، ک اور ایک دختر نیازن اور پانچ بھائی چچازاد بجن، عباداللہ، جمن، ننھے، مہدی حسین ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے مرض موت میں کل مال کے نسبت اپنی دختر وزوجین کے لئے وصیت کر گیا کہ مالک اس جائداد کے بعد میرے وہ ہیں اور پانچوں بھائی اس کے یہ وصیت گوارہ نہیں کرتے، اس صورت میں وہ متروکہ کس حساب سے منقسم ہوگا؟ اور یہ وصیت قادر بخش کی صحیح ونافذ رہے گی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مسئولہ میں مالک اس جائداد کے رحم علی وسعادت واحمد تینوں کے ورثہ ہیں صرف قادر بخش مالک نہ تھا کہ سے اکل جائداد کے وصیت کرنے کا اختیار ہوتا اور ایک حصہ ایک جائداد کا اس کے پاس رہنے سے حق دیگر ورثا کا باطل نہیں ہوتا رہا، حصہ اس کا اس میں وصیت نافذ ہو جاتی اگر پانچوں چچازاد بھائی اس کی اجازت دیےت اب کہ وہ اسے گوارہ نہیں کرتے تو وہ بھی غیر نافذ ہوئی، پس کل جائداد کے بوجہ اس کے کہ اصل مورثان اعلٰی تاحیات خود اس میں شریک رہے اور ایک دوسرے کے مال میں باہم تمیز نہ تھی اور خورد ونوش سب کا یکجا تھا برابر تین حصے کئے جائیں گے اور ہر مورث کا حصہ اس کے وارث پر بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ چوں ادائے مہور زوجات و قضائے دیون اس طریق سے منقسم ہو جائے گا:

تقسیم ترکہ رحم علی

مسئلہ ۴۰ مضروبہ ۳۶ (۱۴۴۰) — رحم علی

زوجہ اولیاء	ابن بچن	بنت بلاقن	بنت بجو	بنت نجو
۵/۱۸۰	۱۴/۵۰۴	۷/۲۵۲	۱۷/۲۵۲	۷/۲۵۲

مسئلہ ۳۶ — بجو — بینہما تباین — مص ۱/۷

ام اولیا	زوجہ محب اللہ	ابن سعد اللہ	بنت عمدہ
۶/۴۲	۶/۶۳	۱۴/۹۸	۷/۴۹

مسئلہ ۳۶ — نجو — فاستقامت — مص ۲۵۲

ام اولیا	ابن مسیت	ابن وزیر	بنت امیرن	بنت فقیرن
۶/۴۲	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۵/۳۵	۵/۳۵

مسئلہ ۳ — اولیا — فاستقامت — مص ۲۶۴

ابن بچن	بنت بلاقن
۲/۱۷۶	۱/۸۸

المبلغ ۱۴۴۰

الاحیاء

بچن	بلاقن	محب اللہ	سعد اللہ	عمدہ	مسیت	وزیر	امیرن	فقیرن
۶۸۰	۳۴۰	۶۳	۹۸	۴۹	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵

تقسیم ترکۂ سعادت

مسئلہ ۹۶ — سعادت

زوجہ عظیمن	ابن عباد اللہ	ابن جمن	ابن ننھے	ابن مہدی حسین	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

تقسیم ترکہ شیخ احمد

سوااس مال کے جو اس کے پسر قادر بخش نے بلاقن وبندہ ہر دو زوجہ ممن کو دے کر بتراضی اس کو ترکہ سے خارج کردیا اس طور پر:

مسئلہ مضروبہ ۸۰ ۸۰ — شیخ احمد

ابن ممن	ابن قادر بخش
	۱

کان لم یکن لانہ لم یرثہ الا الاخ والزوجان ثم ان الزوجین قد تصالحتا علٰی شیئ معلوم وتخارجتا من الترکۃ فلم یکن الباقی الا اخاہ قادر بخش۔	گویا کہ وہ تھا ہی نہیں چنانچہ سوائے بھائی اور دو بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویاں بھی کسی معین شیئ پر مصالحت کرکے ترکہ سے دست بردار ہوگئیں اور سوائے اس کے بھائی قادر بخش کے کوئی باقی نہ رہا۔ (ت)

مسئلہ ۸۰ — قادر بخش — مص ۱

زوجہ بجو	زوجہ بنی	بنت نیازن	ابن العم بچن	ابن العم عباداللہ	ابن العم جمن
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶

ابن العم ننھے	ابن العم مہدی حسین
۶	۶

الـمبـلغ ۸۰

الاحیاء

بجو	بنی	نیازن	بچن	عباداللہ	جمن	ننھے	مہدی حسین
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶	۶	۶

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم

اتم وحکمه احکم۔	کامل اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۵: از ڈونگر گڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پروِنس مسئولہ شیخ حسن الدین احمد خاں صاحب ۱۱ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک صاحب محمد عبدالکریم خاں ڈاکٹر نہایت عابد متقی لاولد ہیں جائداد بہت ہے، خاص ان کی ذاتی پیدا کی ہوئی ہے موروثی نہیں اپنے والد کی جائداد مین سے ایک حبّہ نہ لیا کل جائداد پر ان کے علاتی بھائی قابض ہوگئے، ڈاکٹر صاحب کے کوئی بھائی بہن حقیقی نہیں ان کی خواہش ہے کہ کل جائداد اپنے ماموں زاد بھائی کے نام کرکے مکہ معظّمہ چلا جاؤں مگر یہاں کے دیوان جو اہل اسلام ہیں فرماتے ہیں کہ اس تحریر سے کچھ نہ ہوگا اس کے حقدار علاتی بھائی بھی ہوں گے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب فتوٰی چاہتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر بذریعہ بیع صحیح یا ہبہ مع القبض اپنی تمام جائداد اپنے بھائی ماموں زاد کو دے دیں گے وہ مالک مستقل ہوجائے گا علاتی بھائیوں کا کوئی استحقاق نہ ہوگا مگر یہ فعل اگر بلاوجہ شرعی برادران علاتی کو اپنے ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے ہوگا تو گناہ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة[1]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔

ہاں اگر وہ لوگ فسّاق فجّار ہوں کہ جائداد کو معاصی الٰہی میں صرف کریں گے اور ماموں زاد بھائی ایسا نہیں تو جائز بلکہ بہتر ہے۔

فی وجیز الامام الکردری ان اراد ان یصرف ماله الی الخیر وابنه فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکه لانه اعانة علی المعصیة[2]۔	امام کردری کی وجیز میں ہے اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنا مال نیکی کے کام میں خرچ کرے درانحالیکہ اس کا بیٹا فاسق ہے تو اس بیٹے کے لئے مال چھوڑ جانے سے نیکی کے کام میں خرچ کر دینا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد ہے۔(ت)

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] فتاوٰی بزازیة علی ہامش الفتاوی الہندیة کتاب الہبة الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

یونہی اگر اپنے مال کا ثلث ماموں زاد بھائی کو لکھ دیں تو کسی حال میں کچھ مضائقہ نہیں، ترکہ پدری سے جو حصہ ان کا تھا یہ اگر نقل صحیح شرعی مثل بیع یا بعد تقسیم ہبہ مع القبض کے ذریعہ سے. برادران علاتی کو نہیں دے دیا ہے تو وہ بدستور ان کی مِلک پر باقی ہے مطالبہ نہ کرنے یا یونہی چھوڑ دینے سے ان کی ملک سے خارج نہ ہوا دو ثلث جو برادران علاتی کے لئے باقی چھوڑیں ان میں وہ حصہ بھی محسوب کر سکتے ہیں مثلاً ان کا وہ حصہ جو ان کے قبضہ میں ہے اگر دوہزار کا ہے اور اس کے علاوہ جائداد پیدا کردہ ہزار روپے کی ہے تو یہ کل جائداد جدید ماموں زاد بھائی کو دے سکتے ہیں کہ دو ثلث ان کے پاس خود موجود ہے اور یہ نئی جائداد چار ہزار کی ہے تو اس میں سے نصف ماموں زاد بھائی کو دے دیں کہ نصف یہ اور وہ حصہ مل کر دو ثلث ہو جائیں **وعلٰی ھٰذا القیاس، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم** (اور اسی پر قیاس ہوگا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور تین شخص قرابتی اس کے باقی رہے جس میں ایک حقیقی چچازاد بہن اور ایک بھائی ماموں زاد اور ایک بہن ماموں زاد ہے، پس ان تینوں میں ترکہ کس طرح پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

برتقدیر عدم موانع ارث ووارث دیگر وتقدیم دین ووصیت ترکہ ہندہ کا نو سہام پر منقسم ہو کر چھ سہم چچازاد بہن اور دو ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن کو ملے گا۔

فی الشریفیۃ ان استودا فی القرب ولٰکن اختلف قرابتھم بان کان بعضھم من جانب الاب وبعض من جانب الام فلا اعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لیست اولٰی من بنت الخال لعدم اعتبار کون بنت العم ولدا العصبۃ لکن الثلثین لمن یدلی بقرابۃ الاب	شریفیہ میں ہے اگر وہ قرابت میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں جیسے بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو یہاں ظاہر الروایۃ کے مطابق قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا اعتبار نہیں کہ چچا کی بیٹی عصبہ ہے لیکن جو باپ کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو

والثلث لمن یدلی بقرابۃ الام [1] اھ مختصرًا۔	اس کے لئے دو تہائی اور جو ماں کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو اس کے لئے ایک تہائی ہوگا اھ مختصرًا (ت)

مسئلہ ۵۷: ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی ننھے فوت ہوا ایک زوجہ ایک بیٹا ایک بیٹی ایک بھائی حقیقی وارث چھوڑے، ننھے کی بی بی مہر معاف کر چکی ہے اور اپنا نکاح ثانی کیا چاہتی ہے اور بچوں کو کہ ابھی نابالغ ہیں چھوڑے دیتی ہے، پس ترکہ ننھے کا ان وارثوں کو کس قدر پہنچے گا اور حق ولایت بچوں کا کس کو پہنچتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ لڑکا آٹھ برس کا اور لڑکی چار برس کی ہے اور ننھے کا بھائی جوان ہے اور ان بچوں کی نانی بیوہ زندہ ہے اور عورت ایسے شخص سے نکاح کیا چاہتی ہے جو ان بچوں کا محرم نہیں، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا تو ابھی سے اپنے چچا پس رہے گا۔ اور لڑکی اپنی ماں کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی اگر وہ عورت ایسے شخص سے نکاح نہ کرے اور اگر نکاح کرے گی تو لڑکی تنی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گی اس کے بعد چچا کی سپردگی میں دی جائے گی اور ترکہ ننھے کا برتقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر و دیگر دیون و وصایا چوبیس ۲۴ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ اور چودہ سہم پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور بھائی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ مرسلہ بولاقی خاں، بریلی

جناب مولوی صاحب سلامت، بعد آداب گزارش ہے کہ ایک ہمشیرہ اور تین ہم بھائی ہیں، جناب والد صاحب نے ایک عرصہ سے سب کام چھوڑ دیا تھا جو مجھ کو میسر آتا تھا حاضر لاتا تھا ایک ہمشیرہ میری نابالغ تھی اس کو میں نے اپنی محنت سے پرورش کرکے شادی کردی اور دونوں بھائی چھوٹے ان کو بھی پرورش کیا اور بھائیوں کی بھی شادی کردی، اب جو جائداد والد کے وقت کی ہے وہ طلب کرتے ہیں، واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد گزرنے والد کے اور

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب ذوی الارحام فصل فی اولادھم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹-۱۲۰

والدہ کے دونوں کو میں نے دفن کیا اور کوئی پیسہ ان کا خرچ نہیں ہوا اور قریب دو سو روپے کے والد پر قرض تھے وہ بھی میں نے دیئے اور بھائی اور بہن خود تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ شرعاً کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے ماں سے پہلے انتقال کیا ماں مہر معاف کر دیا تھا دونوں کے وارث یہی تین بیٹے رہے۔اس صورت میں سائل نے جو کچھ اپنے ماں باپ کی خدمت میں صَرف کیا وہ کسی سے نہ پائے گا جو اپنے بہن بھائیوں کی پرورش و شادی میں اٹھایا وہ کسی سے نہ ملے گا،ہاں جو کچھ باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بقدر سنت باپ کے کفن دفن میں اٹھایا وہ باپ کے مال پر اس کا قرض ہے پہلے یہ قرضہ اور جو قرضہ اس کے باپ کے ذمہ ہو ادا کرکے باقی تہائی سے اگر باپ نے کچھ وصیت کسی کے لئے کی ہو نافذ کرکے باقی کے آٹھ حصے کریں ایک حصہ ماں اور دو دو ہر بیٹے اور ایک بیٹی کو،اب یہ ایک حصہ جو ان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو ان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو کچھ سائل نے ماں کے کفن دفن بقدر مسنون میں اٹھایا وہ اور جو قرضہ اس کی ماں پر ہے ادا کریں اگر کچھ نہ بچے تو ماں کے اس حصہ میں سے دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اگر کچھ باقی رہے تو اس کی تہائی سے ماں کی وصیت اگر اس نے نافذ کی ہو ادا کرکے باقی کے سات حصے کریں ہر بیٹے کو دو بیٹی کو ایک۔**واللہ اعلم فقط۔**

مسئلہ ۵۹: از بیجناتھ بازار رائے پور ملک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دیر انجمن نعمانیہ ۷جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

فیض النساء بیگم کے شوہر یعقوب علی مرحوم کی جائداد وقت مرنے کے اس قدر تھی جو فیض النساء بیگم کے مہر کو اکتفا کرتی اس لئے فیض النساء بیگم کل جائداد پر بعوض اپنے دین مہر کے قابض ہوئی،فرمایئے کہ یعقوب علی مرحوم کی پہلی بیوی کی اولاد کو اپنی ماں متوفیہ کے مہر میں اس جائداد سے بحصہ رسدی حق مل سکتا ہے یا نہیں؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ دوسری عورت کا بھی کچھ مہر ذمہ شوہر باقی ہے تو نہ ایک عورت کل ترکہ سے اپنا ہی دَین پانے کی مستحق ہوسکتی ہے اگرچہ تنہا اسی کا مہر مقدار ترکہ سے زائد ہو بلکہ دونوں عورتوں کا بقدر واجب الادا مہر اور ان کے سوا اور جو دَین ذمہ مورث ہوں سب حصہ رسد متروکہ سے ادا

کئے جائیں گے، نہ عورت بطور خود اپنے مہر کے بدلے جائداد پر قابض ہوسکتی ہے بلکہ جائداد بیچ کر مہر ادا کیا جائے گا **فان حقھا فی المالیۃ لا فی العین** (کیونکہ عورت کا حق مالیت میں ہے نہ کہ عین میں۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

میت اوصی الی المرأته وترك مالا و للمرأة علیه مهرها ان ترك المیت صامتا مثل مهرها كان لها ان تاخذ مهرها من الصامت لانها ظفرت بجنس حقها وان لم یترك المیت صامتا كان لها ان تبیع ماكان اصلح للبیع و تستوفی صداقها من الثمن[1] اھ **قلت** والتقیید بالاصلح حیث لم یكن الدین محیطا ولا بیع كل شیئ كما لایخفی۔	میت نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی اور کچھ مال چھوڑا، عورت کا اس کے ذمے مہر ہے، اگر میت نے عورت کے مہر کی مثل نقدی چھوڑی ہے تو عورت اس نقدی سے اپنا مہر وصول کرسکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس کو پانے پر کامیاب ہوگئی ہے، اور اگر میت نے کوئی نقدی نہیں چھوڑی تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ترکہ میں سے جو چیز قابل بیع ہے اس کو بیچ کر ثمن میں سے اپنا مہر وصول کرے اھ، **میں کہتا ہوں** قابل بیع ہونے کی قید وہاں ہوگی جہاں قرض ترکہ کو محیط نہ ہو اور اس کی ہر شیئ نہیں بیچی جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

وارثان زوجہ اولٰی اپنی ماں کے مہر سے مقدار واجب الاداء کا دعوٰی فیض النساء بیگم پر کرسکتے ہیں،

لانها وارثة فتصلح خصما للغرماء من هٰذه الجهة و ان لم تصلح من جهة انها دائنة وذٰلك بناء علی ما اختاره الفقیه ان الوارث خصم الغریم وان كانت التركة	کیونکہ بیوی وارث ہے اس لئے وہ اس جہت سے قرضخواہوں کے لئے خصم بن سکتی ہے اگرچہ وہ قرضخواہ ہونے کی حیثیت سے خصومت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور یہ مبنی ہے اس قول پر جس کو فقیہ نے اختیار کیا کہ وارث قرضخواہ کا خصم بن سکتا ہے اگرچہ ترکہ قرض میں

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۳

مستغرقة بالدین نعم لاحلف علیه ح کما فی وصی الهندیة[1] عن المحیط۔	گھرا ہوا ہو۔ہاں اس صورت میں اس پر قسم نہیں آتی۔جیسا کہ ہندیہ کے باب الوصی میں محیط سے منقول ہے۔(ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وارثان زن متوفاۃ پر کوئی امر مسقط مدعی یا مانع دعوی ثابت نہ ہو ورنہ دعوی نامسموع ہوگا کما لایخفی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (جیسا کہ پوشیدہ نہیں،اور اللہ سبحانہ،وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۶۰: زید کی بیٹی کا خالد کے ساتھ نکاح ہوا،دس ہزار مہر معین ہوا،زید کی بیٹی مر گئی،ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور والدین اور شوہر اس کا باقی رہا،خالد کے پاس پانچ ہزار کی ملکیت ہے،درصورت غیر دعویدار ہونے اولاد اور شوہر کے والدین کو حصہ کس قدر ملکیت موجودہ سے ملنا چاہئے یا بقدر مہر؟**بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورۃ مستفسرہ میں چہارم مہر کا شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا باقی اگر تمام وکمال اسے حصول نہ ہو تو جتنا وصول ہو ہر وارث اس میں سے بقدر سہم فرائض کے لے سکتا ہے نہ یہ کہ بعض ورثہ اپنا کل مطالبہ لے لیں،سائل مظہر ہے کہ اولاد دونوں نابالغ ہیں اس صورت میں اس کا دعوی نہ کرنا کب کیا مسقط حق ہوسکتا ہے البتہ اگر کوئی وارث بالغ دَین میں سے بقدر اپنے سہم کے معاف کردے تو باقی ورثہ اپنا اپنا مطالبہ لے سکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۱: ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں،زید مرا،زوجہ اپنی کو سہ ماہ کے حمل میں چھوڑا،بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا،عمرو از راہ بد دیانتی وخوف اس کے کہ لڑکا زید متوفی کی جائداد کا مستحق ہو اس کی حق تلفی کے واسطے لڑکے کو ولد الحرام بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعد انتقال زید کے لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا،اولا تو لڑکا صحیح طور پر بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا،اور بالفرض عمرو کا قول تصدیق کیا جائے کہ لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا تو بموجب شرع شریف کے لڑکا حلالی ہے یا ولد الحرام؟اور زید متوفی کے نطفے سے ہے یا نہیں؟**بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

الجواب:

عمرو جھوٹا ہے، ایسی تہمت پر قرآن عظیم نے اسی کوڑوں کا حکم دیا ہے اور گواہی کو ہمیشہ مردود۔ سوا برس تو تھوڑا ہے دو۲ برس تک بھی پیدا ہوتا تو بلاشبہہ زید کا قرار پاتا، یہ لڑکا شرعًا ضرور زید کا اور اس کا وارث شرعی ہے، ہاں اگر عورت بعد موت شوہر قبل ولادت پسر اقرار کرچکی ہوتی کہ میری عدت گزر گئی، اور اس اقرار سے چھ ماہ یا زائد کے بعد بچہ پیدا ہوتا تو شوہر متوفی کا قرار نہ پاتا ورنہ صرف اس بناپر کہ موت کے سوا برس بعد پیدا ہوا اولاد الحرام کہنا محض ظلم و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الموت لاقل منھما (ای من سنتین) من وقت الموت[1] الخ۔	موت کی عدت گزارنے والی خاتون اگر شوہر کی موت کے وقت سے دوسال سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (ت)

شریفیہ میں ہے:

ان کان الحمل من المیت بان خلف امرأۃ حاملا و جائت بالولد لتمام اکثر مدۃ الحمل ای سنتین او اقل ولم تکن اقرت بانقضاء العدۃ یرث ذٰلک الولد من المیت واقاربہ[2]۔ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر حمل میت کا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی چھوڑی ہو اور وہ مدت حمل یعنی دوسال کے پورا ہونے پر یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے جبکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بچہ میت اور اس کے قرابتداروں کا وارث بنے گا۔ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بازار مرسلہ حافظ ولی محمد صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زوجہ زید کچھ اپنے ورثائے شرعی اور زید اپنے خاوند کو چھوڑ کر مرگئی اور مہر جو زید کے ذمہ واجب الاداء ہے وصول نہیں پایا اور کوئی اولاد اس نے نہیں چھوڑی، اس صورت میں زید مہر میں سے بھی جو اس کے ذمہ واجب الاداء ہے نصف حصہ پاسکتا ہے جیسا کہ ہندہ کے کل متروکہ سے پاسکتا ہے یا نہیں، شبہ یہ ہوتا ہے

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۱

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب ذوی الارحام فصل فی الحمل مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳۲

کہ قیاسًا تومہر میں سے بھی نصف حصہ زید کو پاناچاہئے ہے مگر مہر کو شارع اسلام نے بغرض احترام بضع رکھا ہے اور غایت اس کی عزت واحترام زوجہ ہے اور بحالت نصف حصہ پالینے زید کے مہر میں سے بھی یہ غایت فی الجملہ ہوجائے گی، ہر صورت کے جزئی بھی باحوالہ کتب تحریر فرمائی جائے اور جواب سے جدل سرفرازی بخشی جائے فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ضرور نصف مہر ذمہ زید سے ساقط ہوا نہ بمعنی عدم وجوب راسًا کہ مہر بعد تاکد بالموت بایں معنی قابلیت سقوط نہیں رکھتا اور غایت مذکورہ میں اگر کچھ نقص آتا تو اسی صورت سے، بلکہ بمعنی تملک بخلافت ووراثت زوجہ **لقولہ تعالٰی** "**وَلَکُمْ نِصْفُ مَاتَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ**"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں ان میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ت) اور شک نہیں کہ مہر بھی متروکہ زوجہ میں داخل ہے اور یہ معنی اس غایت کے منافی نہیں بلکہ مؤکد ومقرر ہیں کہ کل مہر زوجہ ولومالًا منافی غرض مذکور ہو تو ہبہ وابرا بھی ناجائز ہوں مگر وہ یونہی جائز ہیں کہ ملک زوجہ پر متفرع ہیں تو اس کے مقرر ہیں نہ دافع اگرچہ رافع ہوں بلکہ اگر رفع بھی خلافت غایت ہو تو اس سے چارہ کہاں کہ موت قطعاً نافی ملک ہے، اگر کہئے کہ ملک ورثہ بوجہ خلافت قائم مقام ملک زوجہ ہے تو گویا وہ ببقائے نائب باقی ہے تو ملک زوج بھی اس نصف میں وراثۃً ہی ہوئی یہاں بھی وہی گویا حاصل اور شبہ زائل، قنیہ میں ہے:

قال استاذنا رحمه الله تعالٰی سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتین واخ لاب وام ولامال لها سوی مهر علی زوجها مائة دینار ثم مات الزوج و لم یترك الا خسمین دینارا	ہمارے استاذ صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا مجھ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو خاوند اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کر گئی اور اس کا کوئی مال نہیں سوائے اس کے کہ سو دینار اس کے مہر کے خاوند کے ذمے ہیں، پھر خاوند مر گیا اور سوائے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

فقلت یقسم بین البنتین والاخ اتساعا بقدر سھامھم لانه ذکر فی کتاب العین والدین اذاکان علٰی بعض الورثة دین من جنس عین الترکة یحسب ما علیه من الدین کانه عین ویترك حصته علیه ویترك العین لانصباء غیرہ من الورثة فحسبنا علی الزوج من المھر خمسة وعشرین دینارا کانه عین و بقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین و الاخ فتکون بینھم علٰی سھامھم من اصل المسألة[1]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پچاس دینار کے کچھ نہیں چھوڑا، تومیں نے کہا کہ ترکہ کے نو حصے بناکر دوبیٹیوں اور بھائی کے درمیان ان کے سہام کے مطابق تقسیم کیاجائے گا، اس لئے کہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے جب کسی وارث پر عین ترکہ کی جنس سے کچھ قرض ہو تو اس قرض کو اس کے حصہ میں شمار کریں گے گویا کہ وہ عین ہے، اور اس کا حصہ اس قرض پر چھوڑ دیں گے اور عین کو اس وارث کے علاوہ دیگر ورثاء کے حصوں کیلئے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کئے گویا کہ وہ عین ہیں۔ اور باقی پچاس دینار دوبیٹیوں اور بھائی کے حصہ میں بچ گئے تو وہ ان کے درمیان اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق ہوں گے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیااور دولڑکے اول بیوی کے چھوڑے، اور ایک لڑکی دوسری بیوی سے چھوڑی، اور بیوی دوسری زندہ ہے اور پہلی بیوی نے انتقال کیا شوہر کے روبرو، اور مہراس کا ذمہ شوہر کے چاہئے، اب لڑکے اس کے مہر اپنی ماں کا طلب کرتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ پہلی زوجہ کا مہر پچیس ہزار ہے اور دوسری کا تین سوساٹھ تھا جس میں سے ڈیڑھ سوزید نے خود ہی ادا کردیئے تھے، اب دوسودس باقی ہیں اور جائداد دونوں مہروں کو

[1] القنیة المنیة لتتمیم الغنیة کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ۳۹۴

کافی نہیں۔صورت مستفسرہ میں دونوں مہراور اسی طرح اور جودین زمہ زید ہو حصہ رسدادا کریں، پہلی بی بی اس سبب سے کہ اس کانکاح پہلے ہوا پہلے پانی کی (کہ جب تک اس کا مہرادانہ ہولے زوجہ ثانیہ کابقیہ مہرپااور کسی دائن کادَین ثابت ادانہ کیا جائے) ہر گز مستحق نہیں بلکہ وہ سب ایک ساتھ اداکئے جائیں گے اور جبکہ جائداداور نہیں،کافی نہیں دونوں مہروں اور ہر دَین ثابت کو حصہ رسداداکیاجائے گااور جب کچھ نہ بچے ورثہ کچھ بذریعہ وراثت نہ پائیں گے۔

قال اللہ تعالٰی "مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ"[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا "اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤاور قرض کے بعد"۔(ت)واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ ۶ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کثیر اپنے محروم الارث بھتیجوں کو لکھ دی او اپنے حقیقی بھائی وارث کے لئے ایک خفیف شیئ رکھی اس سے اس کی نیت بھائی کی حق تلفی تھی کہ اسے میرے بعد نہ پہنچے،اس صورت میں اس پر کچھ مواخذہ عنداللہ ہے یا نہیں؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ وارث آوارہ بدوضع نہ ہو جس سے مظنون ہو کہ مال جو اس کے لئے رہے گا معاصی الٰہیہ میں اُڑائے گا تو اسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی کارروائی کرنی عنداللہ قابل مواخذہ ہے، حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[2]۔رواہ ابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اپنے وارث کے میراث پانے سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا(اسے ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۴/۱۲

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

اور کوئی خفیف شیئ باقی رکھنا کافی نہ ہوگا جبکہ نیت اس فساد کی ہو۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوٰی[1]۔	بے شک اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

مگر نیت کا ثبوت چاہئے ورنہ صدیق اکبر وامام حسن مجتبٰی وام المومنین صدیقہ وغیرہم ائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بارہا اپنے کل مال تصدق فرمادیئے ہیں اپنے کھانے پہننے کو بھی کچھ نہ چھوڑا، کما صحت بذٰلك الاحادیث (جیسا کہ اس پر صحیح احادیث وارد ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤالوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

رسالہ

المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع ۱۳۱۵ھ

(چوتھی قسم کے عصبہ ہونے میں نفع دینے والا مقصد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۶۵: از اٹاوہ متصل کچہری منصفی مکان مولوی حبیب علی صاحب مرسلہ مولوی وصی علی ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصبات کی جو چار قسم مقرر ہیں، فروع میت، اصول میت، فروع اب میت، فروع جد میت، منجملہ ان کی قسم اول ودوم وسوم میں کوئی بحث نہیں مگر قسم چہارم یعنی فروع جد میت کا سلسلہ ایسا وسیع ہے کہ حق رسی اس کی دشوار بلکہ غیر ممکن معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کا عصبہ نسبی قسم چہارم یعنی دادا کی اولاد یا پر دادا کی اولاد یا سر دادا کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد موجود نہ ہو اگر دیہہ یا قصبہ مسکونہ میت میں نہ ہوگا تو دوسرے دیہہ یا قصبہ میں یا دوسرے شہر یا ملک میں ہوگا مثلاً ہند میں نہ ہوگا تو عرب یا عجم میں ہوگا تمامی ربع مسکون میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگا، پس درصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے ایسے عصبات کو تلاش کرنا

اور ان کا حصہ ان کو پہنچانا غیر ممکن ہے اور ظاہراً شرع شریف میں کوئی ایسا حکم بھی پایا نہیں جاتا کہ میت کے ورثاء حاضرین میت کے ترکہ کو باخود تقسیم کرلیں حقدار ان غیر حاضرین کو اطلاع بھی نہ دیں یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا بوجہ لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں نے ان کے حقوق ضائع کردیئے جائیں بلکہ مفقود کے واسطے جبکہ یہ حکم ہے کہ حصہ اس کا نوے برس کی عمر تک امانت رہے تو ایسے حصہ دار کیونکر محروم کئے جاسکتے ہیں، علاوہ اس کے دیگر حقداران جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مستحق ہیں مثلاً مولی العتاق ذوی الفروض مستحق پانے حصہ کے بطور رد کے ذوی الارحام ولی الموالات مقرلہ النسب موصی لہ مستحق ردوغیرہ ان کے حقوق قائم ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جب عصبہ نسبی کا غیر موجود ہونا حسب تشریح صدر غیر ممکن ہے تو حقداران مابعد کے حقوق قائم ہونا بھی غیر ممکن ہے پس ایسے حقداران کے متعلق جو مسائل ہیں وہ محض بیکار ہوئے جاتے ہیں حالانکہ شریعت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو مورد اعتراض کسی قسم کا ہوسکے لہٰذا دریافت طلب امور مصرحہ ذیل ہیں:

اوّلاً: عصبات کی جو اقسام قرار دی گئی ہیں خصوصًا قسم چہارم جو الفاظ "ادعالیھا" (یا اس سے اوپر۔ت) مشروع ہیں ان کا ماخذ کیا ہے یعنی کس آیۃ قرآن شریف یا کس حدیث شریف سے ماخوذ ہے یا اور کس ماخذ سے۔

ثانیًا: عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا حسب شرح صدر نا ممکن ہے کہ نہیں۔

ثالثًا: عصبات نسبی کا غیر اگر موجود ہونا ناممکن ہے تو مسائل متعلقہ عصبات سببی وغیرہ جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مشروع ہیں کس صورت میں کارآمد ہوسکتے ہیں۔

رابعًا: شرع شریف میں کہیں ایسا حکم ہے کہ غیر حاضرین حصہ داران کو اطلاع نہ دی جائے یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں وہ اپنے حقوق واجبی سے محروم رہیں ان کی تلاش نہ کی جائے۔

خامسًا: ایسا ہوسکتا ہے کہ عرب سے کوئی شخص آئے اور آپ کو سید مثلاً اولاد علی وبنی فاطمہ ثابت کرکے ہند میں کسی اولاد علی بنی فاطمہ کا ترکہ اس کے ذوی الفروض سے تقسیم کرالے یا ہند کا کوئی سید عرب میں جاکر کسی سید متوفی کا ترکہ پائے قاضیان عرب بصورت ثابت کردینے نسب کے اس کو دلادیں گے۔

سادسًا: عہد صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین یا تابعین یا تبع تابعین میں کبھی ایسے

عصبات بعیدہ کو بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دلایا گیا ہے کہ نہیں، اگر دلایا گیا تو کس کتاب سے ثابت ہے۔
سابعاً اس استفتاء کے مفتیان صاحبان کے علم میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ مثلاً پر دادا کے بھائی کی اولاد یا سر دادا کے عم کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو بحالت موجودگی ذوی الفروض نسبی کے حصہ ملا ہے کہ نہیں، اگر ملا ہے تو کب کس خاندان میں۔
ثامناً اگر کسی قصبہ یا شہر میں رواج یہ ہے کہ بصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے منجملہ قسم چہارم جد کی اولاد تک بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دیا جاتا ہے اَب الجد یا جد الجد یا اس سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ ذوی الفروض پر رَد ہو جاتا ہے تو یہ رواج قابل عملدرآمد ولائق لحاظ ہے کہ نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے)

الجواب:

جواب سوال اوّل

ماخذ اس کا کلام اللہ عزوجل وسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾" [1]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

حدیث اول: عبد بن حمید وابن جریر اپنی تفسیر میں قتادہ سے راوی:

ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی خطبتہ الا ان الاٰیۃ التی ختم بھا سورۃ الانفا انزلھا فی اولی الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ	سید نا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: خبردار وہ آیت جس پر سورۂ انفال ختم کی گئی اللہ تبارک وتعالٰی نے اس کو رشتہ والوں کے بارے میں نازل فرمایا کہ "ان میں سے بعض بعض سے اولٰی ہیں

[1] القرآن الکریم ۸/۷۵

ماجرت به الرحم من العصبة[1]، هذا مختصر۔	اللہ تعالٰی کی کتاب میں "یعنی ہر وہ عصبہ جس میں نسبی رشتہ جاری ہو۔ یہ مختصر ہے۔(ت)

حدیث دوم ۲: احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فهو لاولی رجل ذکر[2]۔	فرائض ذوی الفروض کو دو، اور جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے۔(ت)

حدیث سوم ۳: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مؤمن الا وانا اولٰی به فی الدنیا والاٰخرة اقرؤا ان شئتم النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسهم فایما مؤمن مات وترك مالا فلیرثه عصبته من کانوا ومن ترك دینًا اوضیاعًا فلیؤتنی فانا مولاه والحدیث عند الشیخین[3] واحمد والنسائی وابن ماجة وغیرهم عنه نحوه۔	کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ میں دنیاوآخرت میں اس کا ولی ہوں، اگر تم چاہو توآیت پڑھ لو "یہ نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔ پس جو کوئی مومن مرگیا اور اس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے قریبی وارثوں اور عصبہ کے لئے ہے جو بھی وہ ہوں، اور جس نے قرض یا کمزور اولاد چھوڑی ہو تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا مولٰی ہوں۔ اور یہ حدیث شیخین، امام احمد، اور نسائی وغیرہ کے نزدیک ثابت ہے(ت)

---

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ المطبعۃ المیمنہ مصر ۲۴۶، الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وغیرہ // // // مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۲۵۱

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ وجامع الترمذی ۲/ ۳۱ ومسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب الصلوٰۃ علی من ترك دینًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳، // // کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب // // ۲/ ۷۰۵

حدیث چہارم[۴]: احمد وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وبیہقی بسند صحیح بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما احرز الولد اوالوالد فھو لعصبته من کان[1]۔	جو ولاء اولاد یاوالد حاصل کرے وہ اس کے عصبہ کے لئے ہے چاہے وہ کوئی ہو۔(ت)

حدیث پنجم[۵]: عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے راوی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل نسب توصل علیہ فی الاسلام فھو وارث موروث[2]۔	ہر نسب جو اسلام میں ملتا ہو وہ وارث و موروث ہے۔(ت)

حدیث ششم[۶]: سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابہ قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اصحابہ اذا لم یجدوا ذاسھم اعطوا القرابة وماقرب اوبعد اذاکان رحما فلہ المال اذا لم یوجد غیرہ[3]، ھذا مختصر۔	حضرت جریر نے حضرت مغیرہ یعنی ان کے اصحاب سے روایت کی، مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب جب کوئی ذی سہم نہ پاتے تو وہ ترکہ رشتہ داروں کو دے دیتے وہ قریب والا ہو یا بعید والا جبکہ رشتہ دار ہو تو سب مال اسی کا ہے جب اس کا غیر موجود نہ ہو۔ یہ مختصر ہے۔(ت)

آیۂ کریمہ نے رشتہ داروں کو مطلق رکھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمادی کہ آیت میں ہر عصبہ نسبی داخل۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث سوم وچہارم میں صاف تعمیم فرمائی کہ عصبہ وارث ہے کوئی ہو، حدیث پنجم میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۸، سنن ابن ماجہ ؍؍ باب میراث الولاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[2] المصنف لعبدالرزاق ؍؍ ؍؍ باب الحمیل حدیث ۱۹۱۸۰ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۳۰۱

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی ؍؍ ؍؍ باب من قال بتوریث ذوی الارحام دار صادر بیروت ۶/ ۲۱۷

اسلام میں نسب جہاں جاکر ملے موجب وراثت ہے، حدیث ششم میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کاارشاد کہ رشتہ دار پاس کاہو یا دور کا، جب اورنہ ہوتوسب مال اسی کا ہے۔ان ارشادات نے تو تمام قریب وبعید کے عصبات نسبی کو دائرۂ توریث میں داخل فرمایا اور حدیث دوم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس نے کہ جو اہل فرائض سے بچے وہ قریب تر مرد کے لئے ہے ترتیب الاقرب فالاقرب کاحکم بتایا لاجرم بلحاظ قرب اتصال یہ اقسام اربعہ منتظم ہوئیں۔

جواب سوال دوم

ہر گز ناممکن نہیں بلکہ بارہا واقع ہوا اور خود زمانہ رسالت میں ہوا، اور اب واقع ہے اور عادۃً واقع ہوتا رہے گا۔

اوّلاً: فرض کیجئے مجوس وہنوز ونصارٰی یہود وغیرہم کفار کی اقوام سے ایک شخص مسلمان ہوا اور اس کے باقی رشتہ دار اپنے کفر پر ہیں ان میں ان کا عصبہ نسبی کون ہے کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ "[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم، رواہ الشیخان[2] عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	مسلمان کافر کاوارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔اس کو شیخین نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱۱/۴۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب لایرث المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۰۱، صحیح مسلم ؍؍ باب قدر الطریق الخ ؍؍ ۲/۳۳

ثانیاً: ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی اور ایام اسلام میں بچہ پیدا ہوا اس کے چھوٹے بچے جو زمانہ کفر ہی میں پیدا ہوئے تھے **بحکم الولد یتبع خیر الابوین دینا**[1] (بچہ والدین میں سے بہتر دین رکھنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ت) مسلمان قرار پائے ان بچوں کا کوئی قریب نسبی ان کا عصبہ نہیں۔

ثالثاً: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **للعاھر الحجر**[2]۔ زانی کے لئے پتھر (ت)

تو ولد الزنا کا نہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی، لہذا ایک عورت کے دو بچے کہ زنا سے ہوں اگرچہ ایک مرد سے ہوں باہم ولد الام کی میراث پاتے ہیں نہ بھی الاعیان کی کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے۔ت)

رابعاً: زن وشو نے لعان کیا بچہ بے عصبہ نسبی رہ گیا **لانہ ایضا لااب لہ کما فی الدر ایضا** (کیونکہ اس کا بھی کوئی باپ نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)

خامساً: دار الحرب سے کچھ کفار مقید ہو کر آئے امیر المومنین نے غانمین پر تقسیم فرمادیئے یہ سب کنیز وغلام مسلمان ہوگئے آپس میں نہایت قریب کے رشتہ دار ہیں اور سب مسلم مگر سب مملوک، اب ان میں ایک آزاد ہوا، باقی اس کے عصبہ نسبی نہیں کہ رق مانع ارث ہے۔

سادساً: ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا ملا پرورش کیا گیا اس کا عصبہ نسبی کسے کہا جائے اسی طرح اور بعض صور بھی ممکن، ان میں بعض صورتیں علم عدم کی ہیں جیسے ولد زنا ولعان، بعض عدم علم کی جیسے لقیط، اور مقصود اس سے بھی حاصل کہ توریث بے علم نا ممکن، لاجرم رد وغیرہ مدارج تحتانیہ کی طرف رجوع ہوگی، ہمارے زمانے میں زوجین پر بھی رَد ہوتا ہے **کما نصوا علیہ** (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اب **سوال سوم** خود مندفع ہوگیا اور حاجت جواب نہیں۔

تنبیہ: ان امور کے سوا ایک صورت نادرہ اور ہے کہ وہ بھی ایک بار واقع ہوئی اور ممکن تو بے شمار بار ہے یعنی بچے کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے

---

[1] الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں یہاں تک کہ بعد نزول ان کے اولاد ذکور پیدا ہوں۔ اب رہا زمانہ رسالت میں وقوع، اس کے لئے حدیثیں سنئے:

حدیث ہفتم ۷: سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان مولی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات وترک شیأا ولم یدع ولدا ولا حمیما فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطوا میراثه رجلا من اھل قریته[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک آزاد شدہ غلام فوت ہوا اس نے کچھ مال چھوڑا اور اولاد نہیں چھوڑی، نہ کوئی اور قرابت دار چھوڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی میراث اس کے قریہ والے کسی مرد کو دے دو۔ (ت)

حدیث ہشتم ۸: مسند الفردوس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان وردان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقع من عذق نخلة فمات فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمیراثه فقال انظروا له ذا قرابة قالوا ماله ذوقرابة قال فانظروا همشهریًّا له فاعطوه میراثه یعنی بلدیًّا له[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وردان نامی ایک آزاد شدہ گلام کھجور کے ایک درخت سے گر گیا اور فوت ہوگیا اس کی میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ے پاس لائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی قرابتدار دیکھو، صحابہ نے عرض کی اس کا کوئی قرابتدار نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس کا کوئی ہم وطن یعنی اس کے شہر کا کوئی شخص دیکھو تو اس کی میراث اسے دے دو۔ (ت)

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک غلام آزاد شدہ نے انتقال فرمایا ان کے نہ اولاد تھی نہ کوئی قرابتدار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] کنز العمال بحواله الدیلمی عن ابن عباس حدیث ۳۰۶۶۱ مؤسسة الرساله بیروت ۱۱/ ۷

نے ان کاترکہ ان کے ایک ہم وطن کو عطافرمادیا۔علماء فرماتے ہیں یہ عطافرمانا بطور تصدق تھا نہ کہ بطور توریث،اور خود حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذریعہ ولائے عتاقہ وارث نہ ہوئے کہ انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ان کا وارث مال ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

جواب سوال چہارم

شرع مطہر میں کہیں ایسا حکم نہیں،نہ ترک دعوی،اگرچہ باوصف علم وفات مورث وعلم مسائل شرعیہ بالقصد بلکہ بالتصریح ہو موجب حرمان۔اشباہ میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه[1]۔	اگروارث نے کہا میں نے اپناحق چھوڑدیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترک[2]۔	اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا ان میں سے ایک نے کہا میں نے میراث سے اپنا حصہ چھوڑدیا تواس کا حصہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس کا حصہ لازم ہے جو چھوڑنے سے متروک نہیں ہوتا(ت)

بلکہ شرع مطہر میں حکم ہے کہ اگر کچھ لوگ قاضی کے پاس حاضر آئیں اور کسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ظاہر کریں کہ ان کے فلاں مورث سے ترکہ میں انہیں پہنچی اور اس کی تقسیم چاہیں تو قاضی صرف ان کے بیان پر اس کی تقسیم نہ کرے جب تک بینہ سے ثابت نہ کریں کہ مورث مرگیااور اتنے وارث چھوڑے۔

فی الدرالمختار عقار یدعون انه میراث عن زید لایقسم حتی یبرھنوا علی موته	درمختار میں ہے کہ کچھ لوگ کسی غیر منقولہ جائداد کے بارے میں یہ دعوی کریں کہ وہ زید کی میراث ہے تو قاضی اس کی تقسیم نہ کرے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۶۰

وعدد ورثته[1]۔	جب تک وہ زید کی موت اور اس کے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم نہ کریں۔(ت)

اور مال منقول کو اگرچہ تقسیم کردے گا مگر کاغذ قسمت میں لکھ دے گا کہ یہ صرف ان کے بیان پر تقسیم کیا گیا۔

فی الھندیۃ یذکر القاضی فی صك القسمۃ باقرارھم[2]۔	ہندیہ میں ہے کہ قاضی ان کا اقرار کاغذ قسمت میں ذکر کردے گا۔(ت)

اس سوال کا جواب تو یہ ہے مگر اس کو مانحن فیہ یعنی توریث عصبہ بعیدہ قسم چہارم پر ورود نہیں کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ عنقریب تو جان لے گا اللہ تعالٰی نے چاہا۔ت)

جواب سوال پنجم

اولاً: مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کا نسیب ہوں توریث نہیں ہوسکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔

ثانیاً: استحقاق ارث عصوبت صرف نسیب ہونے پر مبنی نہیں بلکہ شرع میں اس کے لئے ترتیب ہے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس ترتیب کی رو سے یہی مستحق یا یہ بھی مستحق ہے ترکہ نہیں دیا جاسکتا یہاں عدم علم حکم میں مثل علم عدم کے ہے ولہذا چند شخص ایک معرکہ میں مقتول یا ایک واقعہ میں غریق یا حریق ہوں اور ان کی موت کا تقدم تاخر نہ معلوم ہو تو نہ باپ بیٹے کا ترکہ پائے گا نہ بیٹا باپ کا، ہر ایک کے ورثہ احیاء وارث ہوں گے وبس۔ جب کسی سید کا انتقال ہو تو جہاں تک اس کا سلسلہ نسب معلوم ہے اس کے آباء وآباء آباء الاقرب فالاقرب کی اولاد ذکور الاقرب فالاقرب تلاش کریں گے جو اقرب ثابت ہوگا اسے عصبہ ٹھہرائیں گے اگرچہ بیس پشت پر اس سے ملتا ہو اور سلسلہ معلومہ کی اولاد ذکور سے کوئی معلوم نہیں تو تمام یہاں کے سادات کرام کو عصبہ ٹھہرانا محال کہ ان میں یقیناً بعض بعض سے اقرب ہیں اور ایک معین کو جزافاً عصبہ اقرب کہہ دینا محال کہ ترجیح بلا مرجح ہے و حکم بلا دلیل ہے اور جب کسی کی عصوبت ثابت نہیں کسی کا استحقاق ثابت نہیں تو ان میں کوئی شخص کیونکر ترکہ بٹا سکتا ہے یا قاضی اسے دلا سکتا ہے۔ علامہ

---

[1] الدرالمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] الفتاوی الھندیۃ // // الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۱۰

سید شریف قدس سرہ الشریف شریفیہ میں فرماتے ہیں:

لنا ان سبب استحقاق کل منھما میراث صاحبہ غیر معلوم یقینا ولما لم یتیقن بالسبب لم یثبت الاستحقاق اذلایتصور ثبوتہ بالشک۔[1]	ہمارے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کے استحقاق کا سبب اس کے ساتھ کی میراث ہے جو کہ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ جب سبب یقینی نہ ہوا تو استحقاق ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ثبوت شک کے ساتھ متصور نہیں۔(ت)

جواب سوال ششم

اس مبحث میں بمقابلہ ذوی الفروض کی قید زائد وضائع ہے کلام ایسی عصوبت بعیدہ کے ترکہ پانے میں ہے وہ زمانہ صحابہ کرام بلکہ زمانہ اقدس سید انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہوا۔

حدیث نہم ۹: عبدالرزاق اپنی مصنف میں اور ابن جریر و بیہقی ضحاک بن قیس سے راوی:

انہ کان طاعون بالشام فکانت القبیلۃ تموت باسرھا حتی ترثھا القبیلۃ الاخری[2] الحدیث۔	یعنی زمانہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں طاعون واقع ہوا کہ سارا قبیلہ مرجاتا یہاں تک کہ دوسرا قبیلہ اس کا وارث ہوتا۔

حدیث دہم ۱۰: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام ابوداؤد سنن میں حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازدیا ادفعہ	یعنی ایک صاحب نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی میرے پاس ایک ازدی یعنی قبیلہ بنی ازد سے ایک شخص کا ترکہ ہے اور

[1] الشریفیہ شرح السراجیۃ فصل فی الغرقی والھدمٰی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب ذوالسہام حدیث ۱۹۱۳۶ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۸

الیہ قال فاذھب فالتمس ازدیا حولا قال فاتاہ بعد الحول فقال یارسول اللہ لم اجد ازدیا ادفعہ الیہ قال فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاہ فادفعہ الیہ فلما ولی قال علی الرجل فلما جائہ قال انظر کبرخزاعۃ فادفعہ الیہ[1] ولفظ ابن ابی شیبۃ قال فاذھب فادفعہ الی اکبر خزاعۃ[2]۔	مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دوں، فرمایا سال بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا۔ فرمایا تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جد اعلٰی سے قریب ہو اسے دے دے۔ جب وہ لوٹا تو فرمایا اسے میرے پاس بلالاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اسے دے دینا۔ ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں آپ نے فرمایا جا اور خزاعہ کے سب سے عمر رسیدہ شخص کو دے دے۔

بنی ازد بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جب میت کے قبیلہ اقرب کا کوئی نہ ملا تو ترکہ نے قبیلہ اعلٰی کی طرف رجوع کی، اب کون بتا سکتا ہے کہ یہ میت اس اکبر خزاعی سے کہ اس کا عصبہ ٹھہرا کس قدر پشتہا پشت کے فصل پر جا کر ملتا ہوگا۔ اس حدیث سے وہ تلاش کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس کا سوال چہارم میں استفسار تھا۔

جواب سوال ہفتم

ان حدیثوں کے بعد اگرچہ نہ اس سوال کا محل نہ اس کے جواب کی حاجت، مگر استفسار پر کہا جاتا ہے کہ ہاں بارہا فقیر کے یہاں سے ایسی عصوبات بعیدہ کو ترکہ دلایا گیا ہے کئی کئی روز سائلوں نے کہا اس کا کوئی عصبہ نہ رہا کوئی نہیں اور ان پر بار بار تحقیق وتفتیش کی تاکید کی گئی اور بالآخر پتا لگا کر لائے کہ پردادا یا پردادا کے باپ کی اولاد کا فلاں مرد فلاں جگہ باقی ہے۔ فقیر نے پندرہ سولہ سال سے تقسیم ترکہ کے مسائل اپنے اصحاب واحباب کے متعلق

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ /// حدیث ۱۶۳۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۱/ ۴۱۴

کردیئے ہیں اور نادرًا جو خود لکھنا ہوتا ہے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ان کی نقل نہیں رکھتا مگر جب کسی فائدہ نفیسہ پر مشتمل ہو لہٰذا ان سب وقائع کا پتا نہیں دے سکتا ہاں ابھی اسی شعبان میں اسی شہر کا ایک مسئلہ لکھا گیا جس میں قاضی زادوں کے خاندان سے ایک عورت کے پردادا کا پرپوتا اس کا وارث ہوا۔ ثواب الخیر بنت رعایت علی بن قاضی رحمت علی بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کا ترکہ فرزند علی بن محمد علی بن قاضی ب درالاسلام بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کو ملا۔ فرائض نویسان زمانہ دریافت نہیں کرتے سائلوں جاہلوں کے بتانے پر قناعت کرتے ہیں وہ کیا جانیں کس کس کو ترکہ پہنچتا ہے، لاجرم بلاوجہ حق تلفیاں ہوتی ہیں اگر تفتیش کامل کی عادت ہوتی تو آج ایسی توریثیں اچنبھانہ معلوم ہوتیں۔ سچ ہے جو وارد ہوا حدیث میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی:

تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانہ نصف العلم وانہ ینسی وھو اول ماینزع من امتی[1]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھولا جاتا ہے اور پہلا علم جو میری امت سے نکل جائے گا (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

عـــہ: بعدہ، ۹/صفر ۱۳۱۹ھ کو اسی بریلی کے مسلمان حلوائیوں کا ایک مناسخہ آیا جس میں احمد بخش نامی ایک شخص کا ترکہ کہ اس کی زوجہ وہمشیرہ سے بچا بلاقی وانعام اللہ نے پایا کہ احمد بخش کے پردادا کے چچا پوتے کے پوتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یوں ہے، یہاں ذی فرض نسبی بھی موجود ہے پھر احمد بخش کی پھوپھی سراجن مری وہی دو عصبے اس کے بھی وارث ہوئے وہ اس کے دادا کے چچا کے پرپوتے کے بیٹے ہیں، یہ بحمد اللہ اس تحقیق کا نتیجہ ہے جو بیان کی جاتی ہے۔

زید

صلابت نور محمد

کمو لال محمد غلام غوث

سعد اللہ عطاء اللہ فیض اللہ

محمد بخش

انعام اللہ بلاقی احمد بخش

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب الحث علی تعلیم الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹، المستدرك للحاکم کتاب الفرائض دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳۲

جواب سوال ہشتم

یہ رواج باطل ومردود ونامعتبر ہے کہ صراحۃً مخالف شرع مطہر ہے کوئی رواج نص کے خلاف معتبر نہیں ہوسکتا ورنہ رباوزنا وشراب وربابکارواج اس سے بدرجہازائد ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفرمائیں:

فلاولی رجل ذکر [1]۔	کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے(ت)

جوفرائض مقدرہ دلاکر باقی بچے وہ اس مرد کاہے جوبہ نسبت دیگراقارب کے میت سے قریب ترہے،ایسے مرد کے ہوتے ہوئے جورَد کیاجائے گاصراحۃً حق تلفی وظلم ابعد اورایسارد خودواجب الرد ہوگا،یہ رواج نہ صرف حدیث بلکہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد اجمعوا علی ان مابقی بعد الفرائض فھو للعصبات یقدم الاقرب فالاقرب [2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایاکہ مشائخ کا اس پراجماع ہے جواصحاب الفرائض کے بعد باقی بچے وہ عصبوں کے لئے ہے،جوسب سے زیادہ قریبی ہے اس کومقدم کیا جائے گاپھراس کے بعد والا۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم(ت)

مسئلہ ۷۳: ازدیگر شریف ضلع ہردوئی مرسلہ حضرت سید محمدزاہد صاحب ۱۸محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر اور ایک دختر ہے،بعد فوت زوجہ اولٰی خالد نے عقدثانی کیااس سے بھی اولاد ہے اب خالد ن اولاد زوجہ اولٰی کو مکان سے نکال دیااور جملہ حقوق سے محروم کیااور ذمہ خالد کے مہرزوجہ اولٰی کاواجب الاداہے۔پس اس صورت میں اولاد زوجہ اولٰی مستحق پانے مہروغیرہ

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷،
صحیح مسلم ////////// ۲/ ۳۴
[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب البیوع باب الفرائض حدیث ۳۰۴۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۲۳۰

مادر متوفیہ اپنی کے خالد سے ازروئے شرع شریف ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مہر جبکہ کُل یا بعض ذمہ شوہر واجب الادا ہو اور عورت بے ابراو معافی معتبر شرعی مرجائے تو وہ مثل دیگر دیون واموال متروکہ زن ہوتا ہے اگر شوہر بعد کو زندہ رہے تو وہ خود بھی اس سے اپنا حصہ شرعی حسب شرائط مقررہ علم فرائض پاتا ہے جبکہ عورت کا ترکہ قابل تقسیم ورثہ ہو یعنی عورت پر کوئی دین ایسا نہ ہو جو اس کے تمام متروکہ نقد ودَین وجائداد کو محیط ومستغرق ہو ورنہ شوہر خواہ کوئی وارث بذریعہ وراثت مہر خواہ دیگر متروکہ سے کچھ پانے کے مستحق نہ ہوں گے سب ادائے دین مورثہ میں صرف کیا جائے گا **لقولہ تعالٰی** "مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں اور قرض کے بعد"۔ت) پس صورت مستفسرہ میں زوجہ اولٰی پر اگر ایسا دَین تھا تو کل مہر جس قدر ذمہ خالد واجب الاداء ہے اس سے وصول کرکے زن متوفاۃ کے قرضخواہوں کو دیں اور اگر ایسا نہیں تو جس قدر دَین غیر محیط عورت پر ہو اس کے کل متروکہ مہر وغیرہ سے ادا کرکے باقی ثلث میں اس کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کا ایک ربع خالد پر سے ساقط کریں کہ یہ خود اس کا حصہ ہوا اور تین ربع دیگر وارثان زن کو دیں خواہ یہی پسر ودختر ہوں یا ان کے ساتھ اور بھی مثل مادر وپدر زن یا اس کے جد صحیح وجدہ صحیحہ علٰی قضیۃ الفرائض اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۷: ازبہیڑی متصل مسجد لب سڑک مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۱۳صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بی بی فوت ہوئی اور اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو اس سے تھے وہ بھی فوت ہوگئے۔ اب متوفیہ کے باپ کی جائداد متروکہ میں سے جو اس کے بھائی اور ماں کے قبضہ میں ہے متوفیہ کے شوہر کو ازروئے شرع شریف حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مل سکتا ہے تو کس حساب سے؟ اور متوفیہ کے ماں اور بھائی اس کے شوہر سے اگر اس نے معاف نہ کیا ہو زر مہر پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہندہ یعنی زن متوفاۃ کا بھائی اس کے مہر وغیرہ متروکہ سے کسی شیئ کا مستحق نہیں اور لیلٰی یعنی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

مادر ہندہ ضرور اپنا حصہ مہر شوہر ہندہ سے پانے کی مستحق ہے یونہی زید یعنی شوہر ہندہ اپنا حصہ ہندہ کے اس ترکہ سے جو اس نے متروکہ پدری سے پایا مادر و برادر ہندہ سے لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ لیلٰی کا مہر اور زید کا اس ترکہ میں کتنا حق ہے؟ اس کی تعیین تفصیل ورثہ ہندہ پر موقوف تھی، سائل نے کچھ نہ بتایا کہ عمرو وسلمٰی یعنی پسر و دختر ہندہ کی شادیاں ہوئی تھیں یا نہیں، ان کے بعد عمرو کی زوجہ یا سلمٰی کا شوہر یا کسی کی کچھ اولاد رہی یا نہیں، اگر رہی تو از قسم اناث تھی یا کیا، بر تقدیر اول ایک دختر تھی یا متعدد، پھر ان وارثان عمرو وسلمی میں اگر تھے کسی ایسے کا انتقال ہو یا نہیں جس کی موت سے لیلٰی کا حصہ بڑھے، ہوا تو کتنوں کا، کس ترتیب سے، کیا کیا وارث چھوڑے، ان صور کے اختلاف سے زید ولیلٰی کے استحقاق میں یہ اختلاف پڑے گا کہ ان میں ہر ایک ترکہ عمرو وسلمٰی سے کبھی سدس پائے گا کبھی کم کبھی زائد، اور بعض صورتوں میں زید کے لئے پانچ سدس ہوں گے لہٰذا تعیین نہیں کی جاسکتی کہ زید ولیلٰی ترکہ ومہر ہندہ سے کس کس قدر کے مستحق ہوئے۔ اجمالاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندہ کو جو کچھ ترکہ پدری سے ملا زیور و مہر وغیرہا اور جو کچھ اس کا ذاتی تھا بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دَین ووصیت چھتیس سہام ہو کر نو سہم زید اور چھ لیلٰی اور چودہ عمرو اور سات سلمی کو ملیں گے، اور جو کچھ عمرو وسلمٰی کو ملا وہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہوگا جن میں زید ولیلٰی بھی ضرور مستحق یا صرف یہی دونوں مستحق ہوں گے، بہر حال وہ چہارم کہ زید نے ترکہ ہندہ سے پائے اور جو جو حصہ اسے ترکہ عمرو وسلمی سے ملا اس کے مجموع کا مطالبہ وہ اس ترکہ ہندہ سے کر سکتا ہے جو قبضہ مادر و برادر ہندہ میں ہے اور وہ چھٹا حصہ کہ لیلٰی نے مہر ہندہ سے پایا اور جو جو کچھ اسے حصہ عمرو وسلمٰی سے پہنچا منجملہ مہر اس مجموع کا مطالبہ لیلٰی زید سے کر سکتی ہے اگر صورت یہ ہو کہ عمرو وسلمٰی نے سوا زید ولیلٰی کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل متروکہ ہندہ مہر وغیرہ سب بہتر سہام ہو کر انیس سہم لیلٰی اور ترپن ۵۳ زید کو ملیں گے اس صورت میں زید مادر و برادر ہندہ سے منجملہ حصہ ہندہ از ترکہ پدری ۵۳/۷۲ لینے کا مستحق ہے اور لیلٰی منجملہ مہر زید سے ۱۹/۷۲، کمالایخفی علی من یعرف التخریج (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو تخریج کی پہچان رکھتا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵: ۲۵/ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین پسر دو دختر ایک زوجہ تھی زوجہ نے انتقال کیا عمرو پسر کلاں نے کہ ماں اسی کے ساتھ رہتی تھی بے اذن زید بطور خود اپنی والدہ کی تجہیز و تکفین

کی جب زید کا وقت انتقال قریب آیا اس نے تیس روپیہ قرض لے کر اپنے منجھلے پسر بکر کو کہ زید اس کے ساتھ رہتا تھا دیئے کہ کفن ودفن میں اٹھانا اب تقسیم جائداد زید پر منازعت ہے۔ عمرو کہتا ہے والد نے تیس روپے اپنی تجہیز کے لئے بکر کو دیئے تھے میں نے والدہ کی تجہیز وتکفین کی اس کے تیس روپیہ میں ترکہ والدہ سے لوں گا، خالد پسر خورد کہتا ہے والد نے اور بھائیوں کی شادی خود کی میری شادی نہ ہوئی اس کا صرف علاوہ حصہ شرعیہ کے ترکہ والد سے مجھ کو ملے، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور پسر کلاں وخورد کے یہ دونوں دعوے قابل سماعت ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اور اجر پائیے۔ت)

الجواب:

دونوں دعوی باطل وناقابل سماعت ہیں عورت کی تجہیز وتکفین اگرچہ مذہب مفتی بہ میں مطلقًا ذمہ شوہر لازم ہے تو بکر نے اپنے باپ کا واجب ادا کیا مگر جب کہ یہ فعل اس کا بطور خود بے اذن پدر تھا تو وہ اس کی طرف سے تبرع یعنی احسان اور ایک نیک سلوک ٹھہرے گا جس کا معاوضہ پانے کا وہ ماں یا باپ کسی کے ترکہ سے استحقاق نہیں رکھتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

اختلف فی الزوج والفتوٰی علٰی وجوب کفنھا علیہ وان ترکت مالا[1]۔	زوج کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور فتوٰی اس پر ہے کہ بیوی کا کفن خاوند پر واجب ہے اگرچہ بیوی نے مال چھوڑا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوکفنہ الحاضر من مالہ لیرجع علی الغائب منھم بحصتہ فلارجوع لہ ان انفق بلا اذن القاضی حاوی الزاھدی واستنبط منہ الخیر الرملی انہ لوکفن الزوجۃ غیرزوجھا بلااذنہ	اگرچہ حاضر نے میت کو اپنے مال سے اس نیت سے کفن پہنایا کہ غائب وارثوں پر اس کے حصہ کا رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر کفن پر خرچ کیا ہو۔ یہ حاوی الزاہدی میں ہے۔ اسی سے علامہ خیر الدین رملی نے استنباط کیا کہ اگر بیوی کو خاوند کے غیر نے خاوند اور قاضی کی اجازت کے

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۱/۲

ولاادن القاضی فھو متبرع [1]۔	بغیر کفن پہنایا تو وہ اس میں احسان کرنے والا قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح شادی کا صرف مانگنا محض بے معنی ہے جس کی شرع مطہر میں کچھ اصل نہیں، مصارف شادی زید پر دَین نہ تھے کہ اس کے ترکہ سے لئے جائیں کما لایخفٰی علی احد ممن لہ مساس بالعلم (جیسا کہ علم سے مس رکھنے والے کسی شخص پر پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۶: ۱۹/ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمدی بیگم فوت ہوئی، ایک بہن کی دو دختر زینب وسکینہ، اور دوسری بہن کے دو پسر ایک دختر خالد، ولید، ہندہ اور بھائی کی ایک دختر ہاجرہ وارث چھوڑے۔ یہ سب بہن بھائی حقیقی تھے تو ترکہ محمدی بیگم کاان پر کس طور سے تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دَین ووصیت ترکہ محمدی بیگم کا انچاس سہام پر منقسم ہو کر چودہ سہم ہاجرہ اور پانچ پانچ زینب وسکینہ وہندہ اور دس دس خالد و ولید کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

صورۃ القسمۃ ھکذا (تقسیم کی صورت اس طرح ہے۔ت)
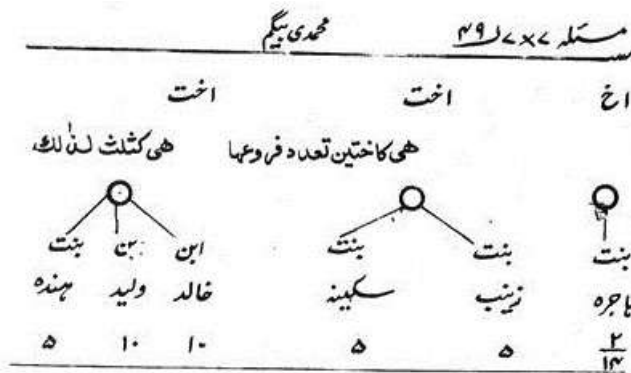
---
[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۰ و ۵۸۱

مسئلہ ۷۷: ازملک بنگالہ ضلع بردوان ڈاکخانہ گدا موضع کدمیہ مرسلہ محمد مسلم صاحب ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوئی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے زوج البنت واخت الزوج وابن عم الزوج کے، آیا انہیں کو ملے گا بطور وراثت یابطور استحقاق بیت المال؟ اس زمانہ میں بیت المال نہیں ایسا مال مہتمم مدرسہ کودیاجائے کہ وہ حوائج مدرسہ میں خرچ کرے، جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ میت کا کوئی وارث شرعی موصی لہ بجمیع المال تک نہ ہو توجوکچھ اس کی تجہیز وتکفین واداۓ دیون سے بچے فقرائے بیکس و بے قدرت عاجزین مسلمین کودیاجائے۔ ان تین شخصوں میں اگر کوئی اس طرح کا ہو تواسے دیں، اوراگر داماد فقیر عاجز ہو تو وہ مستحق ترہے اسے دینا انسب ہے کہ وہ سب سے زیادہ عورت کاقریب ہے، داماد محرم ومانند پسر ہوتا ہے، اس مال کا مہتمم مدرسہ کو ایسے خرچ مدرسہ کے لئے دیناجو مصرف مذکور سے جداہو عامہ کتب کے خلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

بیوت المال اربعة(الی قوله)ورابعها الضوائع "مثل مالا *یکون له اناوارثونا* ثم قال ورابعها فمصرفه جهات* تساوی النفع فیها المسلمونا[1] * قال فی رد المحتار لکنه مخالف لما فی الهدایة والزیلعی فان الذی فی الهدایة وعامة الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین هو الثالث اما الرابع فمصرفه اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم کما فی الزیلعی وغیره عامة	بیت المال کی اقسام چارہیں (ماتن کے اس قول تک کہ) ان میں چوتھی قسم گری پڑی اشیاء ہیں جیسے وہ مال جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو۔ پھر کہا اس کامصرف وہ جہتیں ہیں جن کے نفع میں تمام مسلمان برابر ہوں، ردالمحتار میں کہا لیکن یہ اس کے مخالف ہے جوکچھ ہدایہ اورزیلعی میں ہے، کیونکہ ہدایہ وعام کتابوں میں ہے کہ جوکچھ مسلمانوں کی مصلحتوں پرخرچ کیاجاتا ہے وہ تیسری قسم ہے۔ چوتھی قسم کامصرف تووہ لقیط ہے جومحتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کاکوئی ولی نہیں ہوتا جیسا کہ زیلعی وغیرہ عام کتابوں میں

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

الکتب[1] اھ مختصرا وتمام تحقیقه البازغ فیما علقنا علیه۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	ہے اھ اختصار، اور اس کی مکمل روشن تحقیق ردالمحتار پر ہماری تعلیق میں ہے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے انتقال کیا اور اپنی ملکیت سے دو مکان زنانے اور ایک مردانہ اور ایک کھپریل بقیمت مبلغ ۳۰ اور ایک درخت نیب بقیمت مبلغ آٹھ روپے کا چھوڑا۔ زید اور عمرو مکانات مذکور پر بتقسیم مساوی کہ ایک مکان خاص زید کا اور ایک خاص عمرو کا، اور نشست گاہ اور کھپریل اور درخت نیب پر مشترک قابض ہوئے، زید نے خاص اپنا کہ جس میں صرف دو کوٹھے تھے فروخت کردیا بعد چند روز کے فوت ہوگیا، اولاد زید کی عرصہ تیس برس تک مکانات مشترکہ اور درخت نیب وکھپریل پر قابض رہے اور سکونت بھی مکان خاص عمرو میں اپنے چچا کے پاس رہے، قضاءً عمرو اور اولاد زید میں نااتفاقی ہوئی، اولاد زید نے جدا ہو کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی، بعد چند روز کے عمرو بھی فوت ہوگیا تب اولاد عمرو نے وہ سب مکانات اور درخت نیب تین حصہ مساوی پر آپس میں تقسیم کرلیا، اولاد زید کو کچھ آیا بوجہ جدا ہوجانے اور قبضہ چھوڑ دینے کے اولاد زید کا حق نہ رہا۔

الجواب:

نہ جدا ہوجانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے، نشست گاہ اور کھپریل اور درخت میں نصف اولاد زید کا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۹: ۱۱/ذی الحجہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ہندہ فوت ہوئی اور زینب اخت عینی اور زید پسر ہمشیرہ اور عمرو پسر برادر حقیقی اور خالد برادر علاتی اور شوہر وارث چھوڑے، پس تقسیم ترکہ کس طرح ہوگی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا دو سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم شوہر اور ایک حقیقی خواہر کو ملے گا باقی کو کوئی کچھ نہ پائے گا، بھانجا تو ذوی الارحام سے ہے اور بھتیجا بھائی کے ہوتے محروم بھائی عصبہ تھا اہل فرائض یعنی شوہر وخواہر سے جو بچتا لیتا مگر ان سے کچھ باقی بچا ہی نہیں لہٰذا کچھ نہ پہنچا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: ازالٰہ آباد کچہری دیوانی مرسلہ شیخ رضی الدین صاحب وکیل ۱۴ محرم ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین فرقہ سنت وجماعت بیچ اس مسئلہ کے کہ شیخ معین الدین نے انتقال کی اور مسماۃ بینا بی بی ایک زوجہ لاولد اور مسماۃ عائشہ بی بی ایک خالہ علاتی یعنی نانا کی دختر دوسری ماں سے جو متوفی کی حقیقی نانی نہ تھی اور مسماۃ مصری بی بی ایک خالہ عینی کے تین پسر اور ایک دختر اور مسماۃ برکت النساء بی بی دختر عم حقیقی متوفی کو چھوڑا اور بعد فوت شیخ معین الدین مذکور کے مسماۃ برکت النساء بی بی بھی تین پسر وتین دختر چھوڑ کر فوت ہو گئی پس ایسی صورت میں املاک متروکہ شیخ معین الدین متوفی ازروئے شرع شریف حنفی کے کس کس کو کس کس قدر پہنچے گا وملے گا؟ فتوٰی بحوالہ عبارت کتاب کے ارقام ومرحمت فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مہر ودیون ووصایا ترکہ شیخ معین الدین کا چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم زوجہ اور تین سہم عائشہ کو ملیں گے اور مصری کی اولاد یا برکت النساء کے لئے کچھ نہیں۔ شرعًا ذوی الارحام کے ہر صنف بلکہ عصبات کی بھی ہر نوع میں یہ حکم عام ہے کہ قرب درجہ مطلقًا موجب ترجیح ہے ایک صنف کے ذوی الارحام یا ایک نوع کے عصبات میں جسے میت تک انتساب میں وسائط کم ہوں گے وہ کثیر الوسائط پر ہمیشہ مقدم رہے گا اگرچہ دوسرا قوت قرابت یا ولدیت عصبہ رکھتا ہو مثلًا برادر علاتی ابن الاخ عینی سے مقدم ہے اور بنت خالہ ابن ابن العمہ پر مرجح ہے۔ **وھکذا** شریفیہ میں ہے:

اولٰھم بالمیراث اقربھم الی المیت من ای جھۃ کان ای سواء کان الاقرب من جھۃ الاب اومن غیر جھتہ فاولاد العمۃ اولٰی من اولاد	ان میں سے میراث کا زیادہ حقدار وہ ہوگا جو میت کے زیادہ قریب ہو چاہے کسی بھی جہت سے ہو یعنی برابر ہے کہ وہ زیادہ قریب باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔ چنانچہ پھوپھی کی اولاد، خالی کی اولاد کی اولاد سے

اولاد الخالة وبالعکس لوجود الاقربیة مع اختلاف الجهة اھ مختصرًا۔[1]	اولٰی ہوگی اور یوں ہی اس کے برعکس کیونکہ جہت مختلف ہونے کے باوجود اقربیت پائی گئی اھ مختصرًا(ت)

درمختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف۔[2]	ہر صنف میں زیادہ قرب رکھنے والے کو مقدم کیا جائے گا(ت)

اور شک نہیں کہ خالہ بنت العم سے اقرب ہے، خالہ کے معنی ہیں خواہر مادر میت اور بنت العم کے معنی دختر برادر پدر میت ولہٰذا بنت العم ابن الخالہ یابنت الخالہ پر مقدم نہیں ہوتی دونوں ایک درجے میں لکھی جاتی ہیں۔ حل المشکلات علامہ انقروی میں ہے:

من مات وترك بنت عم لابوین و ابن خال لاب اولام فالمال بین الفریقین اثلاثا ثلثا المال للبنت لانها من جانب الاب وثلثه للابن لانه من جانب الام۔[3]	جو شخص حقیقی چچا کی بیٹی اور علاتی یا اخیافی ماموں کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کا مال دونوں فریقوں میں تہائیوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، دو تہائی بیٹی کو ملیں گے کیونکہ وہ باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کی جانب سے ہے۔(ت)

اور جب بنت العم اولاد خالہ سے مساوی الدرجہ ہوئی تو خالہ سے بالبداہۃ نیچے درجے میں ہوئی اور جب بنت العم نے بوجہ ولدیت عصبہ اولاد خالہ پر ترجیح نہ پائی کہ حیز قرابت مختلف ہے تو خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی ولدیت عصبہ بدرجہ اولٰی ساقط الاعتبار ٹھہری۔ سراجیہ وشریفیہ میں ہے:

ان استووا فی القرب ولٰکن اختلف حیز قرابتهم بان کان بعضهم	اگر وہ قرب میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں مثلاً ان میں سے بعض باپ

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۷

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حل المشکلات

من جانب الاب وبعضھم من جانب الامر فلااعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لاب وامر لیست اولٰی من بنت الخالۃ لعدم اعتبار کون بنت العم ولد العصبۃ[1] اھ باختصار۔	کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو یہاں قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا ظاہر الروایہ کے مطابق کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا حقیقی چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں چچا کی بیٹی کا اولاد عصبہ ہونا معتبر نہیں ہے اھ اختصار (ت)

بالجملہ خالہ اگر علاتیہ صنف رابع میں ہے اور بنت العم حکماً اولاد صنف رابع کے مثل ہے حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

حکم بنات الاعمام حکم اولاد الصنف الرابع[2]۔	چچوں کی بیٹیوں کا حکم صنف چہارم کی اولاد کے حکم کی طرح ہے۔ (ت)

اور صنف رابع اولاد صنف رابع پر بالاجماع مقدم و مرجح ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۱: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ مرسلہ محمد عبدالصبور

جناب مولوی صاحب قبلہ فیض رسان دام ظلہم، بعد تسلیم کے عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور ایک نواسے کو بیٹا بنایا ہے اب وہ شخص اپنی حیات میں اپنا مال واسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ نواسے کو مثل بیٹے کے جو اسباب وغیرہ تقسیم کرکے دوں تو اس کا مواخذہ میرے ذمے تو نہ ہوگا کہ بیٹی کے مقابلے میں نواسے کو بھی مثل بیٹے کے حصہ دیا ہے اس کا فتوٰی صحیح طور پر مہر لگا کر مرحمت فرمایئے گا تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مہر وغیرہ دَین جو کچھ ادا کرکے جو باقی بچے تین حصے برابر کردیجئے، ایک پسر، ایک دختر، ایک نواسے کو، اس میں کوئی مواخذہ یا کسی کی حق تلفی نہ ہوگی، زندگی میں

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

جو اولاد پر تقسیم کی جائے اس میں بیٹا، بیٹی دونوں برابر رکھے جاتے ہیں اکہرے دوہرے کا تفاوت بعد موت ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۲: از فیروز پور مرسلہ مولوی غلام صدیق نائب مدرس مدرسہ شاہی ضلع بریلی ۷ ۲ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو قابل نکاح سمجھ کر اپنے نکاح میں لایا اور ہمبستر ہوا یہاں تک کہ ہندہ کو حمل رہا اس کے بعد زید پر واضح ہوا کہ ہندہ نے دھوکا دیا وہ عمرو کی منکوحہ ہے زید نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا ہندہ نے اپنے شوہر عمرو کو کچھ دے کر طلاق لی اور بعد تین مہینے گزرنے کے پھر زید کے پاس آئی زید نے اب اسے رکھ لیا اور حمل مذکور سے لڑکا بھی پیدا ہو لیا تھا مگر اب بعد طلاق اس سے نکاح نہ کیا اس پر لوگ انگشت نما ہوئے زید نے پھر عورت کو نکال دیا اس نے تیسرے شخص سے نکاح کر لیا، اب زید کا انتقال ہوا ایک یہی لڑکا جو یقیناً زید کے نطفہ سے ہے اور چار لڑکیاں اور ایک بھائی ایک بھتیجا ایک چچازاد بہن وارث چھوڑے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا اور یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ لڑکا شرعاً زید کا بیٹا اور اس کا وارث ہے منکوحہ غیر سے نکاح جبکہ ناکح کو اس کا نکاح غیر میں ہونا معلوم نہ ہو نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا قال "فی البحر "فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ و باطلہ فی العدۃ ولھذا یجب الحد مع العلم	رِدّالمحتار میں بحر سے بحوالہ مجتبٰی منقول ہے غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ سے نکاح ہوا تو اس میں دخول عدت کو واجب نہیں کرتا اگر ناکح جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس کے جائز ہونے کا قول کسی نے بھی ہیں کیا، چنانچہ یہ نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا۔ بحر میں کہا اس بنیاد پر عدت کے بارے میں نکاح فاسد اور نکاح باطل کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حرمت کا علم ہونے کے

بالحرمة لانه زنا کما فی القنیة وغیرها [1]۔	باوجود ایسا کرنے والے پر حد واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور ایسی صورت میں مذہب مفتی بہ پر حتی الامکان بچہ اسی ناکح ثانی بنکاح فاسد کا قرار پاتا ہے نہ شوہر اول صاحب نکاح صحیح کا۔

فی الدرالمختار غاب عن امرأته فتزوجت بآخر و ولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذہب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوی کما فی الخانیة والجوھرة والکافی وغیرھا وفی حاشیة شرح المنار لابن الحنبلی وعلیه الفتوی ان احتمله الحال [2] فی ردالمحتار قوله غاب عن امرأته شامل لما اذا بلغها موته او طلاقه فاعتدت و تزوجت ثم بان خلافه ولما اذا ادعت ذٰلك ثم بان خلافه ح [3] اھ وفیه حکم الدخول فی	درمختار میں ہے کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا اس نے دوسرے شخص سے شادی کرکے اولاد جنی، پھر پہلا خاوند آگیا تو اس مذہب کے مطابق جس کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے رجوع فرمایا اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ جیسا کہ خانیہ، جوہرہ اور کافی وغیرہ میں ہے۔ ابن الحنبلی کی شرح منار کے حاشیہ میں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اگر حال اس کا احتمال رکھتا ہو، ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "وہ بیوی چھوڑ کر غائب ہوگیا" یہ اس صورت کو شامل ہے جب بیوی کو خاوند کی موت یا اس کے طلاق دینے کی خبر پہنچی ہو تو اس نے عدت گزار کر شادی کرلی پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا، اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب اس عورت نے اس کا دعوی کیا ہو پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا ہو (ح) الخ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۰۷

[2] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۱

اور اسی میں ہے نکاح موقوف میں دخول کا حکم نکاح فاسد میں دخول کے حکم کی طرح ہے، چنانچہ اس سے حد ساقط ہوگی، نسب نامہ ثابت ہوگا اور مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا الخ (ت)	النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل[1] الخ۔

اور جب شرعًا اس کا نسب زید سے ثابت، اور وہ زید کا بیٹا ہے، تو وارث ہونے میں شبہہ کیا ہے **حیث لامانع من الارث** (اس لئے کہ میراث سے کوئی مانع موجود نہیں۔ت) پس برتقدیر عدم وارث آخر وتقدیم دین ووصیت ترکہ زید چھ سہام پر منقسم ہو کر دو سہم یہ لڑکا اور ایک ایک سہم ہر ایک بیٹی پائے گی اور بھائی بھتیجا بہن کوئی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۳: از ریاست عثمان پور ضلع بارہ بنکی مرسلہ شیخ محمد عنایت حسین صاحب ۳۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں دین اطہر کے علماء اور شرع مطہر کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں کہ زید نامی شخص کے تین بیٹے ہیں: بکر، عمرو اور خالد۔ خالد کو ایک بے اولاد شخص نے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کو اپنی اولاد کے قائم مقام کرلیا۔ اس صورت میں خالد اپنے باپ کے ترکہ سے بھی شرعی حصہ پائے گا یا اس کی میراث سے محروم ہوگا فقط؟	چہ می فرمایند علمائے دین اطہر ومفتیان شرع مطہر اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی زید سہ پسر دارد بکر، عمرو، خالد۔ خالد را شخصے لاولد بہ تبنیت گرفت وقائم مقام جائز خود نمود، دریں صورت خالد از متروکہ پدری شرعی حصہ ہم خواہد یافت یا محروم الارث خواہد شد فقط۔

الجواب:

منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق ہوتا ہے کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا۔ شرعی طور	پسر خواندہ نہ چنیں کس را پسر می شود نہ خود بے علاقہ از پدر ان الحقائق لاتغیّر، شرعًا وارث پدر

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۵۰

ست نه اینکس دیگر۔خواسته اش حسب خواسته است که وصیت کرد بدست متبنی آمده باشد ایں وراثت نیست الا لا وصیة لوارث[1] قال اللہ تعالٰی "وَمَاجَعَلَ اَدْعِیَآءَ کُمْ اَبْنَآءَ کُمْ"[2] الٰی قولہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ" الاٰیۃ[3]۔وقال اللہ تعالٰی "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[4] نیست خاصہ تبنی کسے از موانع ارث ارث پسر از پدر وھذا اظھر من ان یظھر واللہ تعالٰی اعلم۔	پر وہ اپنے باپ کاوارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔اگر دوسرا شخص چاہے تو منہ بولے بیٹے کے حق میں وصیت کردے تاکہ اس کامال اس کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے۔اور یہ وراثت نہ ہوگی،خبر دار وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی،اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) "انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" الآیہ، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔اور کسی کامنہ بولا بیٹا بن جانا اس کے لئے باپ کی میراث سے مانع نہیں ہوا۔اور یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے،اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے(ت)

مسئلہ ۸۴: ۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تین زوجہ لیلٰی، سلمٰی، سعاد اور ایک ماموں زاد بھائی عمرو اور ایک خالہ زاد بہن جمیلہ اور ایک پھپی زاد بہن حسینہ چھوڑ کر انتقال کیا

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الوصایا باب الاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

اور اس کی زوجہ سلمٰی عمرو کی حقیقی بہن ہے اور دوسری زوجہ سعاد جمیلہ کی حقیقی بہن ہے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید بہتر سہم ہو کر اس حساب عـــہ سے منقسم ہوگا:

مسئلہ ۴ × ٦ ۲۴ × ۳ ۷۲

زوجہ لیلیٰ	زوجہ وھی بنت خالہ سلمٰی	زوجہ وھی بنت خالہ سعاد	ابن الخال	بنت الخالہ	بنت العمۃ
٦	فرضا ٦ — رحا ۴ (۱۰)	فرضا ٦ — رحا ۳ (۹)	عمرو ۸	جمیلہ ۳	حبینہ ۳٦

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵: از بشارت گنج بریلی ٦ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عاق بالعین وآق بالالف کے کیا معنی ہیں؟ ایک کاغذ میں زید کے جانب سے زید کے بیٹے کا عاق ہونا لکھا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کو زید نے لکھا بھی ہے یا نہیں، وہ کاغذ زید کے مرنے کے سو سوا سو برس بعد ایک شخص پیش کرتا ہے، آیا وہ قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ اور زید کا لڑکا اس کاغذ کے رو سے عاق ہوگا یا نہیں؟ درصورت عاق ہونے کے بھی آیا ترکہ سے محروم ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

"آق" ترکی سپید کو کہتے ہیں، اور "عاق" عربی میں وہ اولاد کہ ماں یا باپ کو آزار پہنچائے

عـــہ: اس لئے کہ چار سے ایک تینوں زوجہ پر منکسر ہے اور باقی تین سے دو قرابت پدری اور ایک قرابت مادری کو پہنچا اس میں دو خال اور دو خالہ ہیں یا ایک ایک خال وخالہ ہوں تو بوجہ تعدد اولاد بجائے دو خال ودو خالہ ہیں بہرحال یہ ایک چھ پر منقسم ہوگا اس پر منکسر ہے تین اور چھ جن پر انکسار ہوا متداخل ہیں اور چھ عدد اکبر ہے تو اسی کی ضرب چار میں دی گئی اب قرابت مادری کو چھ پہنچے جن میں سے چار اولاد خال کے لئے ہیں اور وہ ایک بنت ہے چار تین پر منکسر ہوئے ۲۴ میں پھر ۳ کی ضرب سے بہتر ۷۲ ہوئے ۱۲ منہ۔

ناحق ناراض کرے۔ کوئی کاغذ بے شہادت شرعیہ قابل تسلیم نہیں ہوتا، نہ وہ منسوب الیہ لکھا قرار پاسکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یعتبر [1]۔	خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا(ت)

درمختار میں ہے:

لا یعمل بالخط [2]۔	خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البیّنۃ او الاقرار اما الصك فلا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط [3]۔	قاضی فقط حجت کے ساتھ فیصلہ کرے، اور حجت (دلیل) گواہ ہیں یا اقرار۔ رہ تحریر تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (ت)

توپسر زید اس کاغذ بے ثبوت کے ذریعہ سے ہرگز عاق نہیں ٹھہر سکتا اور جو شخص فی الواقع عاق ہو تو اس کا اثر امور آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کرکے اس گناہ معاف نہ فرمائے تو اس کی سزا جہنم ہے، والعیاذ باللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے ہمارا ترکہ اسے نہ پہنچے اصلاً وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حق میراث قرآن عظیم نے مقرر فرمایا ہے۔

وقال اللہ تعالٰی "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ" [4]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا ولہذا اتمام

---

[1] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ باب فیمن یمر علی العاشر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۷۷

[2] الدرالمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع ارث سے نہ گنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶: از شہر کہنہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ فوت ہوئی اس نے اپنے حقیقی چچا کی ایک دختر کے تین پسر اور تین دختر اور دوسرے حقیقی چچا کی دختر کے دو دختر اور حقیقی پھپی کے دختر کا ایک پسر اور حقیقی ماموں کے دختر کے دو پسر ایک دختر اور اپنے شوہر کے حقیقی بھائی کی دختر اور شوہر کے حقیقی بہن کے دختر کے ایک دختر تین پسر چھوڑے۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا کس کو پہنچے گا اور کَے سہام پر منقسم ہوگا۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ ہندہ کا دو ہزار آٹھ سو پانچ سہام پر منقسم ہو کر چچازاد بہن کے ہر پسر کو تین سو بیس ۳۲۰ اور دونوں چچازاد بہنوں کی ہر دختر کو ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اور پھپی زاد بہن کے پسر کو ایک سو دس ۱۱۰ اور ماموں زاد بہن کے ہر پسر کو تین سو چوہتر ۳۷۴ اور اس کی دختر کو ایک سو ستاسی ۱۸۷ ملیں گے اور شوہر کے بھائی بہن کی اولاد کچھ نہ پائے گی۔

وصورۃ المسألۃ ھکذا (مسئلہ کی صورت اس طرح ہے۔ت)
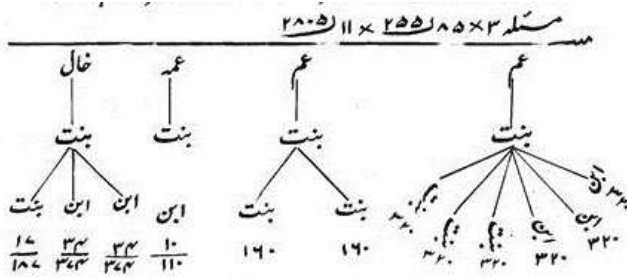
وذٰلك لا اصل المسئلۃ من ثلثۃ اثنان منھا القرابۃ الاب وواحد لقرابۃ الام ثم مااصاب	یہ اس لئے ہے کہ مسئلہ تین سے بنے گا جس میں سے دو حصے باپ کی قرابت اور ایک حصہ ماں کی قرابت کے لئے ہوگا، پھر جو باپ

قرابۃ الاب یقسم علی اول بطن اختلف ذکورۃ و انوثۃ وھو البطن الاول و یعتبر فی الاصول ابدان الفروع فالعم الاول ستۃ اعمام والثانی عمان والعمۃ واحدۃ فھم کسبع عشرۃ عمات بینھن وبین سھمھن اعنی اثنین مباینۃ وما اصاب قرابۃ الام و ھوالواحد ینقسم علٰی خمسۃ وبینھما ایضا مباینۃ فقررنا الرأسین اعنی ۱۷ و۵ علٰی حالھما وبینھما ایضا تبائن فضربنا احدھما فی الاٰخر کانت ۸۵ ضربناہ فی المسئلۃ بلغت ۲۵۵ منھا ۸۵ لفریق الام منقسم اخماسا ۱۷ البنت و ۳۴ لکل ابن ومثلاہ اعنی ۱۷۰ الفریق الاب منقسما علی سبعۃ عشر فسھم منھا اعنی ۱۰ للعمۃ ای لابنھا و ھی طائفۃ الانثٰی عن ھذا الفریق وجمعنا بالطائفۃ الذکور منہ و	کے قرابت داروں کوملاوہ اس پہلے بطن پر تقسیم ہوگا جومذکر ومؤنث میں مختلف ہے اور وہ پہلا بطن ہے، چونکہ یہاں اصول میں فروع کے ابدان کا اعتبار کیاجاتا ہے لہٰذا پہلا چچا (گویاکہ) چھ اور دوسرا چچا (گویاکہ) دو چچے ہوگئے جبکہ پھوپھی بھی ایک ہے تواس طرح یہ سترہ پھوپھیوں کے برابر ہوگئے (کیونکہ ایک چچا دو پھوپھیوں کے برابر ہوتا ہے) ان سترہ اوران کے حصوں یعنی دومیں تباین کی نسبت ہے، جوماں کی قرابت کوملاوہ پانچ پر منقسم ہوگا جبکہ پانچ اوران کے حصے یعنی ایک میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ چنانچہ ہم نے دونوں کے رؤس یعنی ۱۷ اور ۵ کوان کے حال پر برقراررکھااوران دونوں میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ پھرہم نے ایک کو دوسرے میں ضرب دی تو حاصل ضرب ۸۵ ہوا جسے اصل مسئلہ (یعنی تین) میں ضرب دینے سے ۲۵۵ حاصل ہوااس میں سے ۸۵ ماں کی قرابت والے فریق کو ملیں گے جو پانچ پر منقسم ہوں گے۔ ۱۷ بیٹی کو اور ۳۴ ہر ایک بیٹے کو دیئے جائیں گے اور ۸۵ کادوگنا یعنی ۱۷۰ باپ کی قرابت والے فریق کو ملیں گے جو ۱۷ پر تقسیم ہوں گے۔ ایک سترہواں حصہ یعنی ۱۰ پھوپھی یعنی اس کے بیٹے (نواسے) کے لئے یہ اس فریق کا گروہ مؤنث ہےاس کو ہم نے گروہ مذکر کے حصوں جو کہ

هو ۱۶۰ ونظرنا تحتهم فلم یکن فی البطن الثانی اختلاف بذکورة وانوثة انما کان فی البطن الثالث الحی فیه ثلثة ابناء وخمس بنات فی قوة احدی عشرة بنات و ۱۶۰ لاتستقیم علیهن بل تباین فضربنا ۱۱ فی المبلغ صحت من ۲۸۰۵ منها لطائفة الذکور من فریق الاب لکل بنت ۱۶۰ ولکل ابن ۳۲۰۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	۱۶۰ ہیں کے ساتھ جمع کیا اور گروہ مذکر کے نیچے نظر کی تو دوسرے بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تیسرے بطن میں ہے جس میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں زندہ ہیں اور وہ تمام گیارہ بیٹیوں کی قوت میں ہیں جبکہ ان کے حصے جو کہ ۱۶۰ ہیں ان پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے بلکہ ان میں تباین کی نسبت ہے لہٰذا ہم نے ۱۱ کو ۱۷۶۰ مسئلہ کے مجموعے یعنی ۲۵۵ میں ضرب دی تو ۲۸۰۵ حاصل ضرب ہوا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اس میں سے باپ والے فریق کے گروہ مذکر کے لئے ۱۷۶۰ حصے ہیں۔ ہر بیٹی کو ۱۶۰ اور ہر بیٹے کو ۳۲۰ ملیں گے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۷: ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دوپسر تھے عمرو وبکر، اور دو دختر ہندہ وسعاد، بعد انتقال زید کے بکر کی دختر کی پوتی لیلٰی باقی ہے اور سعاد کا پرپوتا خالد ہے اور عمرو کے ایک پسر ایک دختر تھی دختر عمرو کا پوتا ولید ہے، اور پسر عمرو کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا بیٹا سعید، دوسری کی بیٹی جمیلہ زندہ ہے، اور ہندہ کے دوپسر تھے ایک پسر کا پوتا حمید ہے اور دوسرے پسر کے ایک بیٹا تھا جس کی دختر حسینہ اور ایک بیٹی تھی جس کا پسر رشید ہے۔ اس صورت میں زید کا ترکہ ان آٹھوں وارثوں پر کیونکر تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ زید کا نوسو پینتالیس ۹۴۵ سہام پر منقسم ہو کر اس حساب سے تقسیم پائے گا:

مسئلہ ۳ ت ۹۴۵

زید

ابن — عمرو — ابن — بنت — ابن سعید — ۲۸۰
ابن — عمرو — ابن — بنت — بنت — جمیلہ — ۱۴۰
ابن — عمرو — بنت — ابن — ابن — ولید — ۱۴۰
ابن — بکر — بنت — ابن — بنت — لیلٰی — ۷۰
بنت — ہندہ — ابن — بنت — ابن — رشید — ۴۵
بنت — ہندہ — ابن — ابن — بنت — حسینہ — ۵۴
بنت — ہندہ — ابن — ابن — ابن — حمید — ۱۰۸
بنت — سعاد — ابن — ابن — ابن — خالد — ۱۰۸

وذٰلك لان القسمة علٰی اول بطن اختلف بالذكورة و الانوثة وهو هٰهنا البطن الاول ويعتبر عدد الفروع فی الاصول ففيه ابن بابنين وابن اٰخر وبنت ببنتين و بنت اخری فاذا تساوی عدد الطائفتين فلطائفة الذكور ضعف بالطائفة الاناث فكانت المسئلة من ثلثة اثنان لطائفة البنين و واحد لطائفة البنات ثم فی طائفة البنين فی البطن الثانی ابن كابنين وبنتان فينقسم مالهما اعنی ۲ علٰی ستة	اور یہ اس لئے ہے کہ تقسیم اس پہلے بطن پر ہوگی جس میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہوا اور وہ یہاں پر بطن اول ہے۔اور اصول میں فروع کی تعداد کااعتبار کیاجاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک بیٹاجو کہ دو بیٹیوں کے حکم میں ہوگیا اور ایک دوسرا بیٹا ہے۔اسی طرح ایک بیٹی جو کہ دو کے حکم میں ہو گئی اور ایک دوسری بیٹی ہے،جب دونوں فریقوں کی تعداد برابر ہے تو مذکر فریق کے لئے مونث فریق سے دوگنا ہوگا۔ لہٰذا مسئلہ تین سے ہو کر دو بیٹیوں کے فریق اور ایک بیٹیوں کے فریق کو ملے گا۔پھر بیٹیوں کے گروہ کے بطن ثانی میں ایک بیٹا جو دو کے حکم میں ہے اور دو بیٹیاں ہیں لہٰذا جوان کوملا یعنی دو حصے وہ چھ پر منقسم ہوں گے۔

فیحتاج الی ضرب المسئلة فی ثلٰثة تصح من تسعة لطائفة البنین منها ستة ومن ھٰذہ الستة فی البطن الثانی اثنان للبنتین واربعة للابن الکائن کابنین فنجعلهما طائفتین ثم لا اختلاف تحت احد منهما فی البطن الثالث وفی الرابع تحت کل ابن وبنت فینقسم مالکل من ھاتین الطائفتین اعنی اربعة و اثنین علٰی ثلٰثة فلاجل التباین یحتاج اخری الٰی ضرب المبلغ فی ثلٰثة وتصح علٰی طائفةبنی زید من سبعة وعشرین لسعید ثمانیة ولجمیلة اربعة وکذا الولید وللیلٰی اثنان جئنا الٰی طائفة بناته لها واحد من اصل المسئلة ولااختلاف فی البطن الثانی بل فی الثالث بنت وثلٰثة ابناء فینقسم علٰی سبعة ویحتاج الٰی ضرب اصل المسئلة اعنی ثلٰثة فی سبعة تصح من احد وعشرین ھٰهنا لطائفة بنات زید سبعة تستقیم علی البطن الثالث ثم یجعل البطن الثالث طائفتین فالواحد الذی اصاب البنت یعطی ابنها رشید ویجمع بالطائفة الابناء وھی ستة وتحتهم بنت وابنان فهم	تو اس طرح اصل مسئلہ کو تین میں ضرب دینے کی ضرورت پڑے گی تو اس طرح مسئلہ نو(۹) سے بن جائے گا۔ بیٹوں کے فریق کو اس میں چھ حصے ملیں گے، پھر ان چھ میں سے بطن ثانی میں دو حصے دو بیٹیوں کو اور چار بیٹے کو ملیں گے جو دو بیٹیوں کے قائم مقام ہے چنانچہ ہم ان کے دو گروہ بنائیں گے پھر ان دونوں فریقوں کے تحت تیسرے بطن میں کوئی اختلاف نہیں اور چوتھے بطن میں ہر ایک کے تحت ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ لہٰذا ان دونوں فریقوں کے حصوں یعنی چار اور دو کو تین پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تباین چار اور دو کو تین پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تباین کی وجہ سے ایک بار پھر مسئلہ کے عدد کو تین میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح زید کے بیٹوں کا مسئلہ ۲۷ سے صحیح ہوگا۔ سعید کو آٹھ، جمیلہ کو چار، یونہی ولید کو چار اور لیلٰی کو دو حصے ملیں گے۔ اب ہم زید کی بیٹیوں کی طرف آتے ہیں جن کا اصل مسئلہ سے ایک حصہ ہے۔ ان کے بطن ثانی میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ تیسرے بطن میں ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔ چنانچہ ان کا حصہ سات پر منقسم ہوگا اور تباین کی وجہ سے اصل مسئلہ یعنی تین کو سات میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح حاصل ضرب اکیس ہو جائے گا زید کی بیٹیوں کے گروہ کو یہاں پر سات حصے ملیں گے جو ان کے تیسرے بطن پر برابر تقسیم ہو جائیں گے، پھر تیسرے بطن کے دو فریق بنائے جائیں گے۔ جو ایک حصہ بیٹی کو ملا ہے وہ اس کے بیٹے رشید کو دیا جائے گا

کخمسة ولاتستقیم علیه الستة فیضرب اصل المسئلة فی خمسة تکن من مائة وخمسة منها لطائفة بنات زید خمسة و ثلثون منقسمة فی البطن الثالث علی سبعة للبنت اعنی لابنها رشید خمسة ولطائفة الذکور ثلثون تنقسم علی خمسة للبنت وھی حسینة ستة ولکل ابن اثنی عشر فاذا کان تصحیح المسئلة علی طائفة ابناء زید من ۲۷ وعلی طائفة بناته من ۱۰۵ وبینهما توافق بالثلث ضربنا احدھما فی ثلث الاٰخر صارت تسعمائة و خمسة واربعین وذٰلك مبلغ التصحیح ولمعرفة السهام اضرب ماکان لاولاد الابناء من التصحیح الاول ۲۷ فی وفق تصحیح الثانی ۱۰۵ وھو ۳۵ وماکان لاولاد البنات من التصحیح الثانی فی وفق التصحیح الاول وھو یحصل ماذکرنا وان شئت عملت من الرأس تمرنا فقلت التصحیح من ۹۴۵ لطائفة ابناء زید منها ستمائة وثلثون ۶۳۰	اور اس کو بیٹوں والے فریق کے حصوں جو کہ چھ ہیں کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کے تحت ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں تو وہ پانچ رؤس ہوئے جن پر چھ برابر تقسیم نہیں ہوسکتا، لہٰذا اصل مسئلہ یعنی اکیس کو پانچ میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح ایک سو پانچ (۱۰۵) ہوجائیں گے جن میں پینتیس ۳۵ زید کی بیٹیوں کے فریق کے لئے ہیں جو کہ تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوں گے۔ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو پانچ حصے ملیں گے اور گروہ مذکرین کو تیس جو پھر پانچ پر تقسیم ہو کر بیٹی یعنی حسینہ کو چھ اور ہر بیٹے کو بارہ حصے ملیں گے۔ جب زید کے بیٹوں کے فریق پر مسئلہ کی تصحیح ستائیس اور بیٹیوں کے فریق پر ایک سو پانچ سے ہوئی اور ان دونوں تصحیحوں میں تہائی کا توافق ہے لہٰذا ہم نے ایک کو دوسرے کی تہائی میں ضرب دی تو مجموعی طور پر مسئلہ کی تصحیح نوسو پینتالیس (۹۴۵) سے ہوئی۔ وارثوں کے حصوں کی پہچان کے لئے جو کچھ بیٹوں کی اولاد کو تصحیح اول یعنی ستائیس ۲۷ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ کے وفق یعنی ۳۵ میں ضرب دے اور بیٹیوں کی اولاد کو جو کچھ تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح اول یعنی ۲۷ کے وفق یعنی ۹ میں ضرب دے تو وہی حاصل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر تو نئے سرے سے عمل کرنے کا تکلف کرنا چاہے تو یوں کہے گا

ینقسم فی البطن الثانی علٰی ستّه سدساه اعنی مائتین وعشرة للبنتین واربعة اسداسه اعنی اربعمائة وعشرین ۴۲۰ للابن الکائن کابنین ثم ماللبنتین منقسم فی البطن الرابع علٰی ثلٰثة ثلثاه اعنی مائة واربعین ۱۴۰ لولید وثلثه اعنی سبعین ۷۰ للیلٰی و کذٰلك ماللابنین ینقسم فیه اثلاثا ثلثاه اعنی مائتین وثمانین ۲۸۰ لسعید وثلثه ای مائة واربعین ۱۴۰ لجمیلة ولطائفة بنات زید منها ثلثمائة وخمسة عشر ۳۱۵ منقسمة فی البطن الثالث اسباعا سبعها اعنی خمسة و اربعین ۴۵ للبنت ای لابنها رشید و الباقی مائتان وسبعون لطائفة الذکور مقسومة فی البطن الرابع اخماسا خمسه اربعة وخمسون لحسینة وخمساه مائة وثمانیة لحمید ومثله لخالد و قد فرغ التقسیم التقن ھٰذا الطریق الانیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کہ مسئلہ کی تصحیح ۹۴۵ سے ہوئی۔ زید کے بیٹوں کے گروہ کے لئے اس میں سے ۶۳۰ حصے ہیں جو بطن ثانی میں چھ پر منقسم ہوئے۔ ان میں دو چھٹے حصے (۲/۶) یعنی ۲۱۰ دو بیٹیوں کے لئے اور چار چھٹے حصے (۴/۶) یعنی ۴۲۰ اس بیٹے کے لئے ہیں جو دو بیٹوں کے حکم میں ہے۔ پھر جو دو بیٹیوں کے حصے ہیں وہ چوتھے بطن میں تین پر منقسم ہوگئے جس میں سے دو تہائی یعنی ۱۴۰ ولید کو اور ایک تہائی یعنی ۷۰ لیلٰی کو ملے۔ اسی طرح جو بیٹوں کے حصے ہیں وہ تین پر تقسیم ہوئے جن میں سے دو تہائی یعنی ۲۸۰ سعید کو اور ایک تہائی یعنی ۱۴۰ جمیلہ کو دیئے گئے۔ زید کی بیٹیوں کے گروہ کے لئے ۳۱۵ حصے ہوئے جو تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوگئے۔ ان میں سے ایک ساتواں (۱/۷) یعنی ۴۵ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو ملے اور باقی ۲۷۰ مذکر گروہ کے لئے ہیں جو چوتھے بطن میں پانچ پر تقسیم ہوئے۔ ایک پانچواں حصہ (۱/۵) یعنی ۵۴ حسینہ کو اور دو پانچویں حصے (۲/۵) یعنی ۱۰۸ حمید کو اور اسی کی مثل یعنی ۱۰۸ خالد کو دیئے۔ تقسیم مکمل ہوگئی ہے۔ اس پسندیدہ طریقے کو مضبوطی سے اختیار کر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رسالہ
طیب الامعان فی تعدد الجھات والابدان
(جہتوں اور بدنوں کے تعدّد کے بارے میں انتہائی گہرائی میں بہترین نظر کرنا)

مسئلہ ۸۸: ۲۶ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بھائی تھے عمرو وبکر اور دو بہنیں ہندہ وعمرہ، عمرو کے دختر لیلٰی کے ایک پسر خالد ہوا اور عمرو کے پسر ولید کے ایک دختر سلمٰی ہوئی خالد و سلمٰی سے ایک دختر سعاد اور ایک پسر سعید پیدا ہوئے بکر کی پوتی جمیلہ بنت حمید بن بکر کا نکاح رشید بن فرید بن ہندہ خواہر زید سے ہوا جن کی ایک دختر حسینہ ہے۔ رشید کا دوسرا نکاح اس کے چچا مجید بن ہندہ کی دختر حسن آراء سے ہوا ان دونوں کے ایک دختر گلچہرہ پیدا ہوئی، حسن آراء نے انتقال رشید کے بعد اپنی پھپی محبوبہ بنت ہندہ کے پسر محبوب بن مطلوب بن عمرہ خواہر زید سے نکاح کیا جس سے ایک پسر گلفام پیدا ہوا، محبوبہ و مطلوب کی ایک دختر حبیبہ تھی جس کی دختر شہناز ہے، اب زید نے انتقال کیا اور صرف ایک زوجہ چمن آراء اور یہی سعاد وسعید وحسینہ و گلچہرہ وگلفام وشہناز اس کے وارث ہوئے۔ اس صورت میں ترکہ زید کا شرعًا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر وثواب دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

تصویر صورت سوال اور بر تقدیر اجتماع شرائط معلومہ توریث تقسیم مال اس حال ومنوال پر ہے:
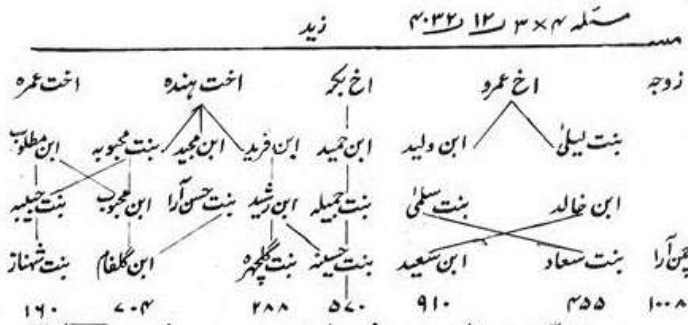
اب اول یہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں پانچ ورثہ کو زید سے دو دو رشتے ہیں اور گلفام کو تین۔ سعاد بنت ابن بنت الاخ بھی ہے اور بنت بنت ابن الاخ بھی یعنی بھتیجی کی پوتی اور بھتیجے کی نواسی۔ یونہی سعید بھی یہی دو رشتے رکھتا اور بھتیجی کا پوتا بھتیجے کا نواسا ہے۔ حسینہ بنت بنت ابن الاخ اور بنت ابن ابن الاخت ہے یعنی بھتیجے کی نواسی اور بھانجے کی پوتی۔ گلچہرہ بنت ابن ابن الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے کی پوتی دوسرے کی نواسی۔ شہناز بنت بنت بنت الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجی اور ایک بھانجے دونوں کی نواسی۔ گلفام ابن بنت ابن الاخت اور ابن ابن بنت الاخت اور ابن ابن ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے اور ایک بھانجی دونوں کا پوتا اور ایک بھانجے کا نواسا۔ اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات کا خود فروع یعنی بطن زندہ میں اعتبار فرماتے ہیں تو ان کے نزدیک گویا گلفام تین وارث ہے اور باقی دو دو، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات فروع کو ان کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں اس کی صورتیں دو ہیں ایک یہ کہ فرع متعدد الجہات اصول متعددہ کی فرع ہو جیسے حسینہ کہ اس کے دو رشتے بکر وہندہ دو اصول مختلفہ سے ہیں یا شہناز کہ ہندہ وعمرہ دونوں کی طرف سے قرابت دار ہے جب تو

اصول میں اعتبار یوں حاصل کہ جب وہ ہر اصل اس فرع کے لحاظ سے تقسیم ملحوظ رہی ہر جہت قرابت لحاظ میں آگئی اور ہر جہت کا حصہ اس وارث نے جمع کرلیا کتب متداولہ جو اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کی زیادہ تشریح نہیں اور مثال جس نے دی اسی صورت خاصہ کی دی۔ صورت دوم یہ کہ اس فرع کو ایک ہی اصل کے ذریعہ سے میت کے ساتھ دو رشتے ہوں جیسے سعاد وسعید کہ ان کے دونوں علاقے بذریعہ شخص واحد اعنی عمرو کے ہیں۔یونہی گلچہرہ وگلفام کو بذریعہ ہندہ اگرچہ گلفام کو ایک رشتہ اصل دیگر عمرہ کی طرف سے بھی ہے اس صورت کی تصریح مثال اس وقت نظر میں نہیں۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مانحن فیہ میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کا مطلب یہ ہے کہ ایسی فرع کی اصل کو اصول متعددہ بعدد جہات حاصلہ بذریعہ فرع مذکور سمجھا جائے، مثلاً صورت مذکورہ میں عمرو بلحاظ سعاد کہ ذات جہتین ہے دو بھائی ہے نیز بلحاظ سعید بھی ایسا ہی ہے تو لحاظ جہات لحاظ ابدان کا اجتماع عمرو کو چار بھائی کر دے گا اور ہندہ بلحاظ جہات گلچہرہ دو بہن ہے اور اسی طرح بلحاظ جہات گلفام اور بلحاظ بدن حسینہ وشہناز ایک ایک بہن تو وہ مجموع چھ بہن ہے اور عمرہ میں صرف تعدد ابدان گلفام وشہناز ہے تعدد جہات نہیں کہ یہ دونوں اگرچہ جہات عدیدہ رکھتے ہوں مگر نہ بذریعہ تنہا عمرہ تو وہ صرف دو بہن ہے اور بکر جس کی فرع میں نہ تعدد بدن ہے نہ اسی کے ذریعے سے تعدد جہت تنہا ایک بھائی ہے تو بطن اول میں زوجہ اور پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں ہیں۔

والدلیل علیه علٰی مایظهر للعبد الضعیف والله سبحانه وتعالٰی اعلم ان تعدد الجهات یوجب تعدد الاشخاص ولو حکمًا الاتری ان ابایوسف لما اعتبر تعدد الجهات فی الفروع جعل کل فرع ذی جهتین کفرعین کما نصوا علیه قاطبة وکذٰلك محمد رحمه الله تعالٰی	اور اس پر دلیل جیسا کہ اس عبد ضعیف پر ظاہر ہوئی، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، یہ ہے کہ جہتوں کا متعدد ہونا اشخاص کے تعدد کو ثابت کرتا ہے اگرچہ حکمی طور پر ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے جب فروع میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیا تو ہر دو جہتوں والی فرع کو دو فرعوں کی طرح بنایا جیسا کہ اس پر تمام مشائخ نے نص فرمائی ہے۔یوں ہی

لما اعتبر تعدد الجهات فی الجدّات جعل الجدة جدّتین وجدّات، کما فی السراجیة وغیرها عامة الکتب وبالجملة لامعنی لتعدد الجهة الابتعدد الشخص ولوفی اللحاظ فمحمد اذا اعتبره ھٰھنا فی الاصول فان کانوا متعددین فقد حصل التعدد حقیقةً باخذھم منفردین فی القسمة ثم ایصال ماوصل الیھم جمیعًا الی الفرع الواحد المنتھی بھم کماذکرنا اما اذاکان الاصل واحدًا وقد اخذ [ع]	امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جب جدّات (دادیوں) میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیاتو ایک دادی کودو یا کئی دادیوں کے برابر بنایا، جیسا کہ سراجیہ وغیرہ عام کتابوں میں ہے۔خلاصہ یہ کہ اشخاص کے تعدد کے بغیر جہت کے متعدد ہونے کا کوئی معنی نہیں اگرچہ تعدد اشخاص اعتباری ہو۔ چنانچہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے جب یہاں پر اصول میں تعدد کا اعتبار کیا تو اگراصول متعدد ہوں توحقیقتًا تعدد حاصل ہوگا اس طورپر کہ ان کو تقسیم میں الگ الگ لیاجائے گا۔ پھر جوکچھ ان سب کو ملے گا وہ اس ایک فرع تک پہنچایا جائے گا جس پر اصول کی انتہاہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ لیکن اگراصل ایک ہواور اس کو

ع: احترازا عما اذا وقع فی بطن متفق بالذکورة والانوثة فانه لایقسم علی من فیه اصلا سواء کان لفرعه جهة اوجهات کما لایلاحظ من فیه بدنا سواء کان فی فرعه بدن او ابدان ولیس ھٰذا لان الجهات لو الابدان لما تعتبر ھٰھنا بل لان مایصیبھم یجمع جمیعا ویقسم علی

ع: اُس صورت سے احتراز ہے کہ جب وہ ایسے بطن میں واقع ہو جو مذکر ومؤنث کے اعتبار سے متفق ہے کیونکہ وہ اس پر تقسیم نہیں کیاجاتا جس میں ایک اصل ہے چاہے اس کی فرع کی ایک جہت ہو یا متعدد جہتیں ہوں جیسا کہ نہیں لحاظ کیاجاتا اس کا جس میں ایک بدن ہو چاہے اس کی فرع میں ایک بدن ہو یا متعدد۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہاں جہتوں اوربدنوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ (باقی برصفحہ آئندہ)

فی القسمة فلایظهر اعتبارہ تعدد الجهة فیه الاباعتبارہ اصولا متعددة۔ ویوضع لك هذا ما اقول لیکن ابن ابن ابن بنت هو ابن بنت بنت تلك البنت ایضًا ومعه ابن بنت بنت ابن هٰکذا:	تقسیم میں لیاجائے تو اس میں جہت کا تعدد ظاہر نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اس ایک اصل میں متعدد اصول کا اعتبار کر لیاجائے، اور تیرے لئے اس مسئلہ کو واضح کردے گا وہ قول جو **میں کہتاہوں** وہ یہ کہ کسی شخص نے ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا چھوڑا اور وہ اسی بیٹی کی نواسی کا بیٹا بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا بھی چھوڑا ہے۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

مسـ
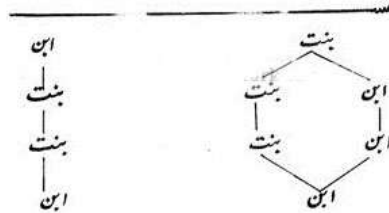
فلولم نجعل البنت لتعدد الجهة فی فرعها بنتین	اگر ہم بیٹی کو اس کی فرع میں تعدد جہت کے پائے جانے کی وجہ سے دو بیٹیاں نہ بنائیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ما تحتهم فلافائدة فی التفریق بالتقسیم ثم جمع ذاك المتفرق کمالایخفی ۱۲منه۔

اس لئے ہے کہ جو کچھ ان کو ملے گا وہ جمع کرکے ان کے نیچے والوں پر تقسیم کیاجائے گا للہٰذا اس کو تقسیم کے ذریعے متفرق کرکے پھر اس متفرق کو جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیساکہ پوشیدہ نہیں ۱۲منہ (ت)۔

لکانت المسئلة من ثلثة ثلثاها لفرع الابن وثلثها لفرع البنت لانك اذا قسمت المال علی البطن الاول لاختلافه ذکورة وانوثة اثلاثا اصاب فرع الابن اثنان نصیب ابیها وکان للبنت العلیا واحد وتحتها فی البطنین وان کان اختلاف ذکورة وانوثة لکن لا حاجة الٰی اعتبارہ والضرب فی المسئلة لانکسارہ لان کل مایصیب طائفة الذکر والانثٰی تحتها انما یحوزہ فرعها الاخیر فیکون له واحد ولصاحبه اثنان ولو لم یکن الاول ذاقرابتین کأن کان ابن ابن ابن بنت فقط او ابن بنت بنت بنت فحسب لکان التقسیم ایضًا ھکذا له واحد ولصاحبه اثنان فلم یصل الیه من تعدد جهات قرابته الاما کان یصل لذی قرابة واحدۃ ھف بخلاف ما اذا جعلنا البنت بنتین فان المسئلة تکون	تومسئلہ تین سے بنے گا۔اس میں سے دو تہائی بیٹے کی فرع کے لئے جبکہ ایک تہائی بیٹی کی فرع کے لئے ہوگا اس لئے کہ جب تونے مال کو تین حصے بناتے ہوئے پہلے بطن پر تقسیم کیا کیونکہ وہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے مختلف ہے تو بیٹے کی فرع کو دو حصے ملے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور سب سے اوپر والی بیٹی کوایک حصہ ملا،اور اس کے نیچے دوبطنوں میں اگرچہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرنے اور کسر کی وجہ سے مسئلہ میں ضرب دینے کی کوئی ضرورت نہیں،اس لئے کہ جوکچھ مذکر فریق اور مؤنث کوملا اسے اس فریق کی آخری فرع سمیٹ لے گی۔چنانچہ مؤنث کی فرع کو ایک اور اس کے صاحب(مقابل) کودو ملیں گے اور اگرپہلا وارث دوقرابتوں والانہ ہو جیسا کہ وہ فقط بیٹی کے پوتے کابیٹاہو یافقط بیٹی کی نواسی کابیٹاہو،تو اس صورت میں بھی تقسیم ویسی ہی ہوگی جیسی پہلے ہوئی یعنی بیٹی کی فرع کوایک اور اس کے مقابل کو دوحصے ملیں گے۔چناچہ اس کوقرابت کی متعدد جہتوں سے بھی اتناہی حصہ موصول ہوا جتنا ایک قرابت والے کوملتاہے۔یہ خلاف مفروض ہے،بخلاف اس کے کہ جب ہم بیٹی کو دوبیٹیاں فرض کرلیں تواس صورت میں

حینئذٍ من اثنین لان الابن یساوی البنتین فیکون المال بین الفرعین نصفین وماھو الالکون فرع البنت ذاقرابتین والاصاب ھو واحدًا وفرع الابن اثنین، وھذا بعون الله تعالٰی ولوجهه الحمد دلیل قاطع ویوضح ایضًا ما **اقول**: لیعلم **اولًا** ان ذاجھتین مساوٍ لاثنین ذوی جھة مثلا ابن ابن ابن بنت وابن بنت بنت بنت اٰخر واخر یجمع النسبین فھٰذا یساوی الاولین ھکذا:	مسئلہ دو[۲] سے بنے گا، کیونکہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا مال دو فرعوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔اور یہ فقط اس لئے ہے کہ بیٹی کی فرع دو[۲] قرابتوں والی ہے ورنہ اسے ایک اور بیٹے کی فرع کو دو ملتے ہیں۔اور یہ اللہ تعالٰی کی مدد سے اس حال میں کہ حمد اسی کی ذات کے لئے ہے قطعی دلیل ہے نیز اس کو واضح کرتا ہے وہ قول جو میں کہتا ہوں، **اولًا** جاننا چاہئے کہ دو جہتوں والا الگ الگ جہتیں رکھنے والے دو کے برابر ہوتا ہے مثلًا ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو اور ایک دوسری بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور بیٹا موجود ہو جو ان دونوں نسبوں کا جامع ہو تو یہ پہلے دونوں بیٹوں کے برابر ہوگا۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:
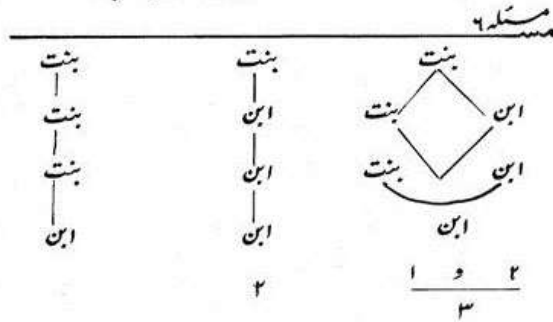
قسمنا علی البطن الثانی لانه اول	ہم نے دوسرے بطن پر تقسیم کی کیونکہ وہی پہلا

بطن وقع فیه الاختلاف وفیه ابنان وبنتان فالمسئلة من ستّة اربعة لطائفة الذکور واثنان لطائفة الاناث ثم لاخلف تحت شیئ من الطائفتین فی بطن مافیصیب الابن الاول من ابیه اثنین و کذٰلك الابن الثانی والابن الاول من امه واحد و کذٰلك الابن الثالث فیکون للاول ثلثة مثل ما لمجموع الباقین وھٰکذا کان ینبغی لانه جامع لقرابتهما جمیعا ولیعلم **ثانیا** ان ھاتین الجهتین المذکورتین مثلًا فی جانب البنات مجموعهما مساوٍ لجهة واحدة فی جانب الابن اذا لم یکن صاحبها وارثا ولا ولد وارث کولد ولد بنت ابن ھٰکذا:	بطن ہے جس میں مذکور ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوا۔اس بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں،چنانچہ مسئلہ چھ سے بنے گا جس میں سے چار مذکر فریق اور دو مؤنث فریق کے لئے ہوں گے پھر ان دونوں فریقوں کے نیچے کسی بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں،لہٰذا پہلے بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے یونہی دوسرے بیٹے کو بھی(اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے) اور پہلے بیٹے کو بھی اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا یونہی تیسرے بیٹے کو بھی(اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا)تو اس طرح پہلے بیٹے کو تین حصے ملے جو باقی دونوں بیٹوں کے مجموعی حصوں کے برابر ہیں،اور یونہی ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان دونوں کی قرابتوں کا جامع ہے۔اور **ثانیًا** جاننا چاہئے کہ یہ دونوں مذکورہ جہتیں جو مثال کے طور پر بیٹیوں کی جانب میں ہیں ان کا مجموعہ اس ایک جہت کے برابر ہے جو بیٹے کی جانب میں ہے جبکہ اس کا صاحب نہ تو وارث ہو اور نہ ہی وارث کی اولاد ہو،جیسے پوتی کی اولاد کی اولاد۔صورت مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ۲ × ۳ = ۶

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	$\frac{1}{3}$

وانما اعبرنا فیھما بالولد لیعم الذکر والانثٰی فان الحکم لایختلف.المسئلة من اثنین لان ابنا کبنتین فنصیب الابن لفرع الاخیر ونصیب طائفة البنات یقسم فی البطن الثانی اثلاثا فتضرب المسئلة فی ثلثة وتصح من ستّة ثلثة منھا لفرع الابن واثنان لابن الکائن فی البطن الثانی من طائفة البنات وواحد للبنت التی فیه ثم ینتقلان الٰی فرعیھما فیکون مالفرعی البنتین مساویا لماکان لفرع الابن وبعد تمھید ھٰذا نقول اذا اجتمعوا اعنی صاحبی الجھتین وجامعھما من جانب البنات

ہم نے ان دونوں بطنوں میں اولاد کے ساتھ اس لئے تعبیر کی تاکید یہ مذکر ومؤنث دونوں کو عام ہوجائے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہیں ہوتا۔مسئلہ ۲ سے بنے گا کیونکہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کی مثل ہے چنانچہ بیٹے کا حصہ اس کی آخری فرع کو ملے گا جبکہ بیٹیوں کے فریق کا حصہ تین حصے بناتے ہوئے دوسرے بطن میں تقسیم ہوگا۔اصل مسئلہ یعنی دو کو تین میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح چھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی جس میں سے تین بیٹے کی فرع کو ملیں گے اور دو اس بیٹے کو ملیں گے جو بیٹیوں کے فریق سے دوسرے بطن میں ہے جبکہ ایک بیٹی کو ملے گا جو اس بطن میں ہے پھر ان دونوں کے حصے ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوں گے۔چنانچہ جو کچھ دونوں بیٹیوں کی فرعوں کو ملا وہ بیٹے کی فرع کو ملنے والے حصوں کے برابر ہے۔اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دو الگ الگ جہتوں والے اور ان دونوں جہتوں کا جامع بیٹیوں کی جانب سے جمع ہوئے ہیں

وفرع کذائی من جهة الابناء بحکم المقدمتین المذکورتین ان یکون المال بینهم اثلاثا ثلثه للصاحبین واُخرللجامع واُخر للابنی لتساویهم جمیعًا کما عرفت وھٰذا انما یتأتی اذا اعتبر اصل الفرع الجامع اصلین ھٰکذا:	اور اگر یہی صورت بیٹوں کی جانب سے متحقق ہو تو بھی مذکورہ بالا دو مقدموں کی بنیاد پر حکم یہی ہوگا کہ مال ان کے درمیان تین حصوں کے طور پر منقسم ہوگا،ایک تہائی دو الگ الگ جہتوں والوں کے لئے اور ایک تہائی دونوں کے جامع کے لئے اور ایک تہائی بیٹے کی فرع کے لئے، کیونکہ وہ سب آپس میں مساوی ہیں۔ جیسا کہ تو پہچان چکاہے۔اور یہ اسی وقت ہوگا جب دونوں جہتوں کی جامع فرع کی اص کو دواصلیں فرض کیاجائے۔صورت مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ٣×٣ر ٩

بنت			
ابن — بنت	بنت	بنت	ابن
ابن — بنت	ابن	بنت	بنت
ابن	ابن	بنت	ولد
٢ ١	ابن	ابن	ولد
٣	٢	١	١/٣
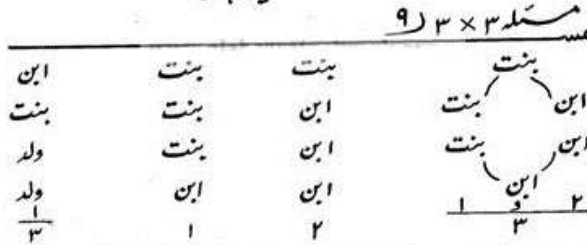
اعتبرنا البنت الاولٰی بنتین فکان فی البطن الاول ابن واربع بنات کابنین وعلی الاختصار ثلثة ابناء فالمسئلة من ثلٰثة واحد منها لفرع الابن واثنان لطائفة البنات وتحتهن فی البطن الثانی ابنان وبنتان ای کثلثة ابناء ولایستقیم اثنان علیهم فتضرب المسئلة فی ثلثة تکن من تسعة	ہم نے پہلی بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کیا تو اس طرح پہلے بطن میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہو گئیں جو کہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔بطور اختصار یہ کہ تین بیٹے ہوگئے۔ چنانچہ مسئلہ تین سے بنے گا جن میں سے ایک بیٹے کی فرع کے لئے اور دو بیٹیوں کے فریق کے لئے ہوں گے اور ان بیٹیوں کے نیچے دوسرے بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں یعنی تین بیٹے ہوگئے۔اور دو

وبہا تصح لفرع الابن منہا ثلثۃ ولطائفۃ البنات ستّۃ تنقسم فی البطن الثانی اثلاثا للبنتین اثنان منتقلان الٰی فرعیہما لعدم الاختلاف وللابنین اربعۃ منتقلۃ کذلك الٰی فرعیہما فیصیب الابن الجامع ثلثۃ اثنان من ابیہ و واحد من امہ ولصاحبی القرابتین اثنان و واحد مجموعہما ثلثۃ وللفرع الابن ایضا ثلثۃ کما کان حکم المقدمتین المذکورتین بخلاف ما اذا لم یعتبر الاصل اصلین فانہ یزید حینئذٍ سہم الابنی علی السہمین الباقیین ھٰکذا:	ان تین پر تقسیم نہیں ہوسکتے۔لہٰذا مسئلہ کو تین میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب نو(۹) ہوگا،اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی بیٹے کی فرع کے لئے نو میں سے تین جبکہ بیٹیوں کے فریق کے لئے چھ حصے ہوں گے جو دوسرے بطن میں تین پر تقسیم ہوجائیں گی،جن میں سے دو حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جو عدم اختلاف کے سبب سے ان دونوں کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔اور چار حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جو کہ اسی طرح ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔لہٰذا دونوں جہتوں کے جامع بیٹے کو تین حصے ملیں گے دو باپ کی طرف سے اور ایک ماں کی طرف سے۔اور دو الگ الگ قرابتوں والوں کے لئے۔دو اور ایک یعنی مجموعی طور پر تین حصے بنے۔اور بیٹے کی فرع کے لئے بھی تین حصے ہوں گے جیسا کہ دونوں مذکورہ مقدموں کا حکم ہے۔بخلاف اس کے کہ جب اصل کو دو اصلیں فرض نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیٹے کی فرع کا حصہ باقی دو بیٹوں کے حصوں سے زائد ہوجائے گا۔صورت مسئلہ یوں ہوگی (اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

مسئلہ ۵ × ۲ ل ۱۰

بنت	بنت	بنت	ابن
ابن ابن / بنت بنت	ابن	بنت	بنت
ابن	ابن	بنت	ولد
۲ ۱	ابن	ابن	ولد
۳	۲	۱	۲/۴

والبیان ظاھر ھف فظھر ان اعتبار تعدد الجھات فی الاصول انما یکون بحصول التعدد فی الذوات فان کان حقیقۃ ذاك کما فی الامثلۃ التی ذکروھا فی الکتب والاوجب اعتبارہ حکما وعد اصل اصلین فی القسمۃ و یظھر ھذا لمن تأمل فیما صورہ ایضا من کون الجھۃ من اصلین کما اذا ترك بنتی بنت ابن بنت ھما ایضا بنتا ابن ابن بنت اخری وابن بنت بنت ابن بھٰذہ الصورۃ:

اور بیان ظاہر ہے، یہ خلاف مفروض ہے۔ پس ظاہر ہوگیا کہ اصول میں تعدد جہات کا اعتبار ذوات میں تعدد کے اصول سے ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ تعدد حقیقتاً ہو تو فبہا جیسا کہ ان مثالوں میں ہے جن کو مشائخ نے کتابوں میں ذکر فرمایا ورنہ حکمی طور پر تعدد کا اعتبار کرنا اور تقسیم میں ایک اصل کو دو اصلیں شمار کرنا ضروری ہوگا اور یہ اس شخص کے لئے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو مشائخ کی بیان کردہ اس صورت میں غور کرنے جو انہوں نے دو اصلوں سے حاصل ہونے والی جہت کے بارے میں بیان کی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک بیٹی کی پوتی کی دو بیٹیاں چھوڑی ہیں اور وہی دونوں میت کی دوسری بیٹی کے پوتے کی بھی بیٹیاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا چھوڑا ہے۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

المسئلة من ثلثة لان کل بنت فی البطن الاول کبنتین ای کابن فکانھم ثلثة بنین ومنھا تصح واحد لفرع الابن واثنان للبنتین والتقسیم فی البطن الثالث وان کان علٰی ثلثة لان فیه بنتا کابن وابنا کابنین لا استقامة علٰی ثلثة لاثنین لکن لما کان الانقسام فی البطن الاخیر علٰی بنتین فحسب یصل کلا منھما ثلث من قبل الاب وثلث من قبل الام فکان لکل واحدة کملا ولا حاجة الی الضرب فجعل بنتین فی الاصول کاربع بنات انما اتی من جھة ان تعدد الجھة فی الفروع اورث التعدد فی	مسئلہ تین ۳ سے بنے گا کیونکہ پہلے بطن میں ہر بیٹی دو بیٹیوں یعنی ایک بیٹے کے برابر ہے گویا کہ وہ تین بیٹے ہوگئے اور تین سے ہی مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ایک حصہ بیٹے کی فرع کو جبکہ دو حصے دونوں بیٹیوں کو ملیں گے اور تیسرے بطن میں اگرچہ تقسیم تین پر ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایک بیٹی، بیٹے کی مثل ہے، اور ایک بیٹا دو بیٹوں کی مثل ہے۔اور دو کا تین پر تقسیم ہونا بلا کسر درست نہیں، لیکن جبکہ آخری بطن میں فقط دو ہی بیٹیوں پر تقسیم ہوتی ہے ان دونوں کو ایک تہائی باپ کی طرف سے اور ایک تہائی ماں کی طرف سے موصول ہوگا۔ تو ہر ایک کیلئے مکمل ثلث ہوگا اور ضرب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لہٰذا اصول میں دو بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی طرح بنانا فقط اس اعتبار سے ہے کہ فروع میں جہت کا تعدد اصول میں تعدد کو ثابت کرتا ہے۔اور یہ محض فروع کے ابدان کے

الاصول ولیس ھذا من قبل ابدان الفروع فحسب فانما ھماثنتان لاغیر کما ان الاصل بنتان لاغیر فالتربیع لم یأت الا لاجل الجہات فان قلت لما کانت الفرعان فرعی کل من اصلین کانتا کاربعۃ فروع کانھا بنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الام فلم تتعدد الاصول الا بتعدد الفروع قلت تعدد الجہات فی فرع لایورث تکثر فی بدنہ فزید لایصیر زیدین لکونہ ابن ابیہ وابن امہ فالتربیع فی الفرعین ماجاء الا بتعدد الجہات وجعلتموہ مستلزما لتربیع الاصلین فکان ذٰلك قولا منکم بقولنا من حیث لاتشعرون وبالجملۃ اذا صدقت المقدمتان القائلتان کلما تعددت الجہات	اعتبار سے نہیں کیونکہ ابدان توفقط دو ہیں جیسا کہ اصل میں فقط دو بیٹیاں ہیں تو انہیں چار بتانا فقط تعدد جہات کی وجہ سے ہے۔ اگر تو کہے کہ جب دونوں فرعیں دو اصلوں میں سے ہر ایک کی فرعیں ہیں تو کل فرعیں چار ہوگئیں گویا کہ دو بیٹیاں باپ کی جانب سے اور دو ماں کی جانب سے ہیں۔ تو اس طرح اصول بغیر تعدد فروع کے متعدد نہیں ہوئے۔ میں کہوں گا فرع میں جہتوں کا متعدد ہونا بدن میں کثرت کو ثابت نہیں کرتا۔ چنانچہ زید اس وجہ سے دو زید نہیں بن جاتا کہ وہ اپنے باپ کا بھی بیٹا ہے اور اپنی ماں کا بھی، لہٰذا دو فرعوں کا چار بن جانا نہیں ہوا مگر تعدد جہات کی وجہ سے۔ اور تم اس کو دو اصلوں کے چار ہونے کے لئے مستلزم قرار دے چکے ہو تو غیر شعوری طور پر تم نے وہی بات کہہ دی جو ہمارا قول ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا دونوں مقدمے سچے ہوں اور یوں کہا جائے کہ جب جہات متعدد ہوں تو فروع متعدد ہوتی ہیں اور جب فروع متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوتے ہیں جیسا کہ تم اعتراف کر چکے ہو۔ تو نتیجے کا سچا ہونا واجب ہے۔ اور یوں کہا جائے گا کہ جب جہات متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوں گے۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ یہ وہ ہے جو

تعددت الفروع وکلما تعددت الفروع تعددت الاصول کما اعترفتم وجب صدق النتیجۃ القائلۃ کلما تعدد الجہات تعددت الاصول وھوالمقصود ھٰذا ماظھر للعبد الفقیر بعون الملك القدیر عزجلالہ وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی فعلیك بہ فلعلك لاتجدہ فی غیر ھٰذہ السطور، واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الامور۔	قدرت والے بادشاہ جس کی بزرگی غالب ہے کی مدد کے محتاج بندے کے لئے ظاہر ہوا، اور میں امید کرتاہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ تو اس کو حاصل کر شاید تو اس کو ان سطور کے غیر میں نہ پائے۔ اور اللہ تعالٰی امور کی حقیقتوں کو خوب جانتاہے۔ (ت)

اب تقسیم مسئلہ کی طرف چلئے، اصل مسئلہ بوجہ زوجہ چار سے ہے اس کافرض دے کر تین بچے جس کے مستحق پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں برابر چار بھائیوں کے، گویا نو بھائی ہیں تین نو کو تین بار فنا کرتاہے، لہٰذا مسئلے میں تین ۳ کی ضرب ہو کر بارہ ۱۲ ہوئے جس سے تین زوجہ کے اور پانچ طائفہ مردان اور چار طائفہ زنان کے۔ اب طائفہ مردان کے نیچے بطن دوم میں لیلٰی دو ۲ بنت ہے اور ولید دو ۲ ابن اور حمید ایک۔ مجموع تین ۳ ابن دو ۲ بنت، گویا چار ۴ ابن ہیں، بوجہ تبائن مسئلے میں چار ۴ کی ضرب ہو کر اڑتالیس ۴۸ ہوئے، بارہ چمن آرا کے اور بیس ۲۰ طائفہ مردان اور سولہ ۱۶ طائفہ زنان کے۔ یہ بیس ۲۰ یوں تقسیم ہوئے
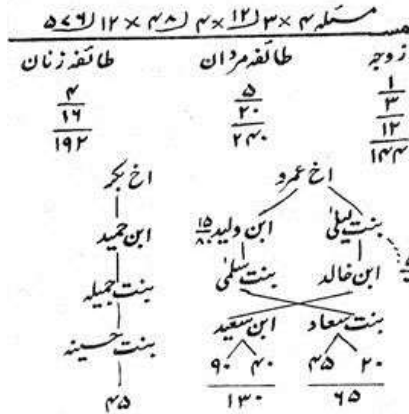
کہ لیلٰی کو پانچ اور طائفہ ذکور اعنی ولید و حمید کے پندرہ، یہ طائفہ ذکور کے بعد بطن ثالث میں اختلاف نہیں، رابع ہیں ایک ابن سعید اور دو بنت سعاد و حسینہ، گویا چار بنت ہیں۔ پندرہ ان پر مستقیم نہیں، اور لیلٰی کو بھی سعاد و سعید ابن و بنت ہیں، اور پانچ تین پر مستقیم نہیں لہٰذا بوجہ تبائن

سہام ورؤس فریقین دونوں رؤس اعنی چار اور تین معتبر ہوئے اور یہ بھی متبائن ہیں تو باہم ضرب دے کر اصل مسئلہ میں بارہ کی ضرب سے پانسو چھہتر (۵۷۶) ہوئے، چمن آرا کے ایک سو چوالیس (۱۴۴) طائفہ زنان کے ایک سو بانوے (۱۹۲)، طائفہ مردان کے دوسو چالیس (۲۴۰) جن میں سے لیلٰی کو ساٹھ پہنچے کہ سعید کو چالیس، سعاد کو بیس ہو کر بٹ گئے اور ولید وحمید کے ایک سواسی یون بٹے کہ سعید کو نوے اور سعاد وحسینہ کو پینتالیس [۴۵]، بالجملہ سعید کے مجموعے ایک سو تیس [۱۳۰] ہوئے اور سعد کے پینسٹھ [۶۵] اور حسینہ کے پینتالیس [۴۵]، یہ تصحیح طائفہ مردان کا مقتضٰی ہے، اب طائفہ زنان لیجئے
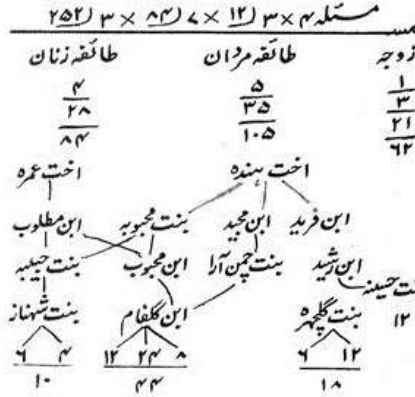
اصل مسئلے سے اس طائفہ کے چار تھے اس کے بطن ثانی میں تین ابن ایک بنت ہے، ہر ایک مثل دو کے، گویا سات ابن ہیں، تو مسئلہ چوراسی سے ہوا۔ طائفہ زنان کے اٹھائیس ان میں چار محبوبہ کے ہیں بطن ثالث میں اس کے ابن وبنت محبوب وحبیبہ یعنی تین پر مستقیم نہیں۔ اور چوبیس [۲۴] طائفہ ذکور فرید ومجید ومطلوب کے ہیں، بطن ثالث میں فرید کا ابن رشید دو ابن ہے، اور مجید کی بنت حسن آرا دو [۲] بنت، اور مطلوب کی اولاد محبوب وحبیبہ ایک ایک ابن وبنت، تو مجموع تین ابن تین بنت، یعنی نو بنت ہیں۔ چوبیس [۲۴] اور نو میں توافق بالثلث ہے تو رؤس طائفہ انثی اعنی محبوبہ بھی تین ہوئے، اور رؤس طائفہ ذکور بھی باعتبار وفق تین ہی رہے انہیں تماثل ہے صرف تین [۳] کی ضرب ہو کر مسئلہ دوسو باون [۲۵۲] سے ہوا جس سے طائفہ علیائے اناث کے چوراسی [۸۴] ان سے بطن ثانی میں محبوبہ کے بارہ کہ محبوب کو آٹھ [۸]، حبیبہ کو چار ہو کر بٹے اور وہ آٹھ [۸] گلفام اور یہ چار [۴] شہناز کو پہنچ گئے اور طائفہ ذکور کے بہتر کہ بطن ثالث میں رشید وحسن آرا محبوب وحبیبہ پر اثلاثا بٹے یعنی اس تازہ طائفہ ذکور رشید ومحبوب کے اڑتالیس [۴۸] اور

نئے طائفہ اناث حسن آرا و حبیبہ کے چوبیس، اب یہ طائفے بھی جدا کردیئے طائفہ ذکور کے نیچے ایک ابن دو بنت ہیں، توگلفام نے چوبیس، حسینہ و گلچھرہ نے بارہ [۱۲] بارہ [۱۲] پائے، اور طائفہ اناث کے نیچے بھی ایک ابن دو [۲] بنت ہیں، توگلفام کو بارہ [۱۲]، گلچھرہ شہناز کو چھ [۶] چھ [۶] ملے۔ یہ تصحیح باعتبار طائفہ اناث ہوئی، تصحیحین میں توافق بسدس السدس یا ربع التسع یعنی بجزء من ستۃ و ثلثین [۳۶] جزء ہے، اول کا وفق سولہ [۱۶] ہے اور ثانی کا سات [۷]، توان میں جس کو دوسرے کی وفق سے ضرب دی مبلغ تصحیح چارہزار بتیس ہوئے، تصحیح اول میں جس نے جو پایا تھا اسے سات میں ضرب دی، اور تصحیح ثانی کے سہام کو سولہ [۱۶] میں،

شہناز	گلفام	گلچھرہ	حسینہ	حسینہ	سعید	سعاد
۱۰	۴۴	۱۸	۱۲	۴۵	۱۳۰	۶۵
۱۶۰	۷۰۴	۲۸۸	۱۹۲	۳۱۵	۹۱۰	۴۵۵

توحسینہ کے مجموع پانسوسات (۵۰۷) ہیں اور چمن آرا کے ہر طرح ایک ہزار آٹھ [۱۰۰۸]، اور یہی وہ تقسیم ہے کہ مذکور ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

مسئلہ ۳۶ × ۱۶ = ۵۷۶ — محمد یار

زوجہ حافظ جان	ابن نیاز علی	ابن محمد علی	ابن کلن	ابن محمد حسین	بنت احمدی	بنت بی جان	ابن امیر علی	بنت بنی جان	بنت حبن
کان لم یکونا		۶	۱۵ / ۲۴۰	۱۰	۵	کان لم یکونوا			

توضیحش آنکہ اولاً حافظ جان مُردو ہمیں ابناء وبنات ورثہ گزاشت باز نیاز علی گزشت وبقیہ اخوۃ واخوات وارث داشت پس ایں ہر دو کان لم یکن شدند و مسئلہ بہ ۱۲ تقسیم یافت چار پسر را	اس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے حافظ جان مرا اور یہی بیٹے اور بیٹیاں ورثاء چھوڑے، پھر نیاز علی فوت ہوا اور باقی بہن بھائی وارث چھوڑے، پس یہ دونوں کالعدم ہوگئے۔ اور مسئلہ نے بارہ کے عدد سے تقسیم

ہشت وہر چار دختر راچہار بازامیر علی بعدہ، محمد علی مُرد وباقی دوبرادر وخواہران گزاشت بازحبن بازبی جان مردن وہمیں اخوین واخوات ورثہ گزاشتند پس چار سہم کہ باین سہ می رسید در دوبرادراعنی کلن ومحمد حسین ودوخواھراعنی احمدی وبی جان منحصر گردید وایں چارکسان رابجائے شش دہ رسید وحاصل مسئلہ بآں گرائید کہ ازترکہ یک سدس بہ محمد علی وبقیہ پنچ اسداس بریں چہار اشخاص للذکر مثل حظ الانثیین بر شش سہم منقسم۔اول عددیکہ سدس اوبرآوردہ باقی رابر ۶ قسمت توانیم سی وشش ست ازہمیں مسئلہ کردیم ۶ بہ محمد علی رسید وبہریک ازکلن ومحمد حسین دہ وبہریک ازاحمدی وبی جان پنچ فامابعد اینہابی جان مردہ وہمین کلن برادرش وارث گزاشتہ پس او را نیزبرآوردیم وسہم کلن پانزدہ کردیم فائدہ ایں تصرفات عجیبہ تخفیف عظیمی ست کہ در تقسیم مسئلہ راہ یافت چنانکہ برسالک طریق معہود بموازنہ ایں طرز محمودروشن شود۔	پائی، چاروں بیٹوں کو آٹھ حصے اور چاروں بیٹیوں کو چار حصے ملے، پھرامیر علی اور اس کے بعد محمد علی فوت ہوا باقی دو بھائی اور بہنیں چھوڑیں۔ پھر حبن اور پھر بی جان مرگئے اور وہی دو بھائی اور بہنیں ورثاء میں چھوڑے۔ چنانچہ وہ چار حصے جوان تینوں کو پہنچتے ہیں وہ دو بھائیوں یعنی کلن اور محمد حسین اور دو بہنوں یعنی احمدی اور بی جان میں منحصر ہوگئے۔اور ان چار شخصوں کو بجائے چھ کے دس حصے ملتے مسئلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکہ میں سے ایک سدس یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) محمد علی کوملا اور باقی پانچ چھٹے حصے (۵/۶) چار شخصوں پر اس طرح تقسیم ہونے ہیں کہ مذکر کا حصہ دومؤنثوں کے برابر ہو تواس طرح یہ حصے چھ پر منقسم ہوں گے اور وہ پہلا عدد جس کا چھٹا حصہ نکال کر باقی کو چھ پر تقسیم کریں وہ چھتیس ہے۔لہٰذا ہم نے چھتیس سے مسئلہ بنادیا،اس میں سے چھ محمد علی کو اور کلن اور محمد حسین میں سے ہرایک کو دس دس اوراحمدی اوربی جان میں سے ہرایک کو پانچ پانچ حصے دیئے۔ لیکن ان کے بعد بی جان فوت ہوئی اور وہی کلن اپنا بھائی وارث چھوڑا چنانچہ ہم نے بی جان کو تقسیم سے نکال دیا اور کلن کے حصے پندرہ کردیئے۔ان عجیب تصرفات کا فائدہ اس مشقت میں کافی حد تک تخفیف کرنا ہے جو مسئلہ کی تقسیم میں راہ پاتی ہے جیسا کہ معروف طریقہ پر چلنے والے شخص پر اس پسندیدہ طرز کے ساتھ موازنہ کرنے سے روشن ہوجاتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۶ — محمد علی — عــ ۶

زوجہ	ابن	ابن
محبوبن	وزیر علی	احمد علی
کان لم یکونا		$\frac{1}{6}$
		۹۶

زیرا کہ محبوبن را ہمیں دو پسر وارث شدند باز وزیر علی را ہمیں یک برادر۔ (اس لئے کہ محبوبن کے یہی ۲ دو بیٹے وارث ہوئے پھر وزیر علی کا یہی ایک بھائی وارث ہوا۔ ت)

مسئلہ ۱ — احمدی — مــ ۵

زوج	ابن	بنت
کان لم یکونا		محمدی
		$\frac{1}{5}$
		۸۰

لمثل ما مر فی محمد علی

مسئلہ ۳۲ — محمد حسین توافق بالنصف — مــ ۱۰

زوجہ ثانیہ	ابن من الثانیۃ	بنت من الاولیٰ	بنت من الاولیٰ
آسودہ	علی حسین	بنی	بتولن
$\frac{4}{20}$	$\frac{14}{70}$	$\frac{7}{35}$	$\frac{7}{35}$

مسئلہ ۴۰ — کلن — فاستقامت — مــ ۲۴۰

زوجہ	ابن	ابن	بنت
موزنگا	واحد یار	حامد یار	بسم اللہ
$\frac{5}{30}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{7}{42}$

المبلغ ۵۷۶

الاحیاء

احمد علی	آسودہ	علی حسین	بنی	بتولن	موزنگا	واحد یار	حامد یار	بسم اللہ	محمدی
۹۶	۲۰	۷۰	۳۵	۳۵	۳۰	۸۴	۸۴	۴۲	۸۰

آسودہ کہ بعد انتقال محمد حسین حسب بیان سائل محمد حسین کا زر نقد واثاث البیت اپنے حصے سے زائد لے کر مع اپنے دوسالہ بچے علی حسین کے چلی گئی اور بارہ سال سے

مفقود الخبر ہے علی حسین کے ستر سہام اس کی ستر سال عمر تک امانت رہیں اگر وہ زندہ معلوم ہو اسے دیئے جائیں یا مرگیا ہو تو اس کے ورثہ کو پہنچائے جائیں، اور اگر اس مدت تک پتا نہ چلے تو اس وقت جو اس کے وارث شرعی ہوں وہ پائیں آسودہ جو کچھ اپنے حصص سے زائد لے گئی اگر اس کا مہر واجب الادا تھا اور وہ مال کہ لے گئی مقدار مہر واجب الاداء سے زائد نہ تھا تو اس کا حصہ بھی بدستور اس کی ستر سال عمر ہونے تک امانت رہے، اور اگر زائد تھا تو اس کا الزام علی حسین نابالغ پر نہیں صرف آسودہ کے حصے سے بنی و بتولن اپنے حصے کا نقصان وصول کرسکتی ہیں۔

وھو مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق المفتی به الآن علی جواز الاخذ[1]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اور وہ مسئلہ ہے اپنے حق کی جنس کے غیر کو وصول کرنے پر کامیابی حاصل کرنے کا۔ آج کے دور میں اس کو لینے کے جواز پر فتوٰی ہے۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از صوبہ پنجاب علاقہ گوالیار مرسلہ مولوی مبارک حسین صاحب ۲۵/رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک بیوہ عورت نے وفات پائی اور اس نے جو ترکہ چھوڑا اس میں کچھ تو اس کا ذاتی ہی مال ہے اور کچھ ایسا ہے جو اس کے شوہر نے اپنی حیات میں اسے دے دیا تھا متوفیہ کا کوئی رشتہ دار قریب و بعید نہیں ہے نہ ذوی الفروض میں نہ عصبات میں نہ ذوی الارحام میں، غرضیکہ کسی قسم کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے، متوفیہ کے شوہر کا ایک لڑکا پہلی عورت سے ہے اور وہ متوفیہ کے ترکہ کا دعوٰی کرتا ہے آیا ترکہ ذاتی متوفیہ اور اس کے شوہر کا دیا ہوا اس لڑکے کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ملنا چاہئے تو متوفیہ کا ذاتی و شوہری دونوں یا ایک، اور اگر نہ ملنا چاہئے تو وہ ترکہ کس کو ملنا چاہئے؟ عملداری ہنود ہونے کی وجہ سے بیت المال بھی نہیں ہے جو اس میں جائے بصیغہ لاوارثی سرکار میں

[1] ردالمحتار کتاب السرقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۰۰، ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۵

جانا چاہئے یا متوفیہ کے شوہر کا لڑکا وارث ہونا چاہئے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متوفیہ کا کل متروکہ خواہ اس کا ذاتی مال ہو خواہ شوہر کا دیا ہوا بعد ادائے دیون وانفاذ وصایا تمام وکمال فقرائے مسلمین کا حق ہے جو کسب سے عاجز ہوں اور ان کا کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

فی ردالمحتار ترکۃ لاوارث لہا مصرفہ اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لہم فیعطی منہ نفقتہم و ادویتہم وکفنہم وعقل جنایتہم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء[1] اھ ملتقطا۔	ردالمحتار میں ہے کہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں۔اس میں سے ان کو خرچہ،دوائیں،کفن کے اخراجات اور جنایات کی دِیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاط(ت)

شوہر کا بیٹا اگر فقیر عاجز ہے تو وہ بھی اور فقرائے عاجزین کے مثل مستحق ہے ورنہ اس کا اصلاً استحقاق نہیں،نہ متوفیہ کے ذاتی مال میں نہ شوہر کے دیئے ہوئے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱: ۱۳/ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حسین بخش کی دختر کا نکاح ہوا اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں کل ایک گھنٹہ قیام کیا اور بعدہ اپنے والد کے یہاں چلی آئی اور دو ماہ بارہ یوم تک بعد نکاح کے زندہ رہی اور اس درمیان میں اپنے شوہر کے یہاں نہ گئی اور اپنے والدین کے یہاں مر گئی اس کے پاس زیور والدین کا تھا اور کچھ زیور اس کے شوہر نے چڑھایا تھا اب اس کا شوہر کل زیور کا دعوٰی کرتا ہے اور اس کی تجہیز وتکفین اس کے والدین نے کی،اس صورت میں ازروئے شرع شریف اس کا شوہر زیور پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۸

الجواب:

زیور، برتن، کپڑے وغیرہ جو کچھ ماں باپ نے دختر کو دیا تھا وہ سب ملک دختر ہے اس میں سے بعد ادائے دَین اگر ذمہ دختر ہو نیز اجزائے وصیت اگر دختر نے کی ہو ہر چیز کا نصف شوہر کا حصہ ہے اور نصف ماں باپ کا، اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا اس میں ان لوگوں کے رسم رواج کو دیکھنا لازم ہے اگر وہ چڑھاوا صرف اس نیت سے دیتے ہیں کہ دلہن پہنے مگر دلہن کی مِلک نہیں کر دیتے بلکہ اپنی ہی ملک رکھتے ہیں جب تو چڑھاوا شوہر یا شوہر کے ماں باپ کا ہے جس نے چڑھایا ہو، اور اگر دلہن ہی کو اس کا مالک کر دیتے ہیں تو وہ بھی مثل جہیز ترکہ دختر ہے اسی حساب نصفا نصف پر تقسیم ہوگا۔ اور جس طرح شوہر آدھے ترکہ کا مستحق ہے یونہی دختر کے والدین شوہر سے آدھا مہر لینے کے مستحق ہیں۔ سائل نے جو بیان کیا کہ عورت صرف گھنٹہ بھر کیلئے دن میں مکان شوہر پر گئی تھی اسی دن اس کے بھائی کی شادی تھی جس میں بلالی گئی اور مکان تنہا میں زن و شوہر نہ رہنے پائے تو اس صورت میں بھی آدھا مہر کامل ہی والدین کو شوہر سے ملے گا کہ قبل خلوت طلاق ہونا سقوط نصف مہر ہوتا ہے۔ موت اگرچہ قبل خلوت ہو کل مہر کو لازم کر دیتی ہے۔

فی الدر یتأکد عند وطیئ او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[1] الخ۔	دُر میں ہے کہ مہر وطی کے وقت یا شوہر کی طرف سے خلوت صحیحہ کے وقت یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت لازم ہو جاتا ہے الخ۔ (ت)

تو بعد موت کل مہر لازم شدہ سے نصف حصہ زوج ہوا اور نصف والدین کو پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۲: ازکانپور بانس منڈی مرسلہ محمد علیم الدین صاحب محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یٰسین نے انتقال کیا اپنے وارثوں سے ایک ابن کریم بخش و بنت مریم وزوجہ عمرہ ووالدہ اخیافی و پانچ بھائی اور ایک بہن اخیافی چھوڑی ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ اس میں سے زوجہ عمرہ نے انتقال کیا

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

اس نے ایک بھائی اخیافی اور ایک بہن حقیقی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی حقیقی چھوڑی، ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے کریم بخش نے انتقال کیا اس نے اپنے وارثوں میں سے ایک زوجہ مسماۃ آمنہ اور بہن حقیقی اور ایک دادی اور پانچ چچے اخیافی اور ایک پھوپھی اخیافی چھوڑے۔ ازروئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت سائل سے ظاہر یہ ہے کہ اس کے نزدیک اخیافی سوتیلی کو کہتے ہیں یعنی جسے باپ کی طرف سے علاقہ ہو اور ماں کی طرف سے جدا، ولہٰذا اس نے اخیافی، والدہ کو لکھا یعنی سوتیلی ماں۔ اگر بہن بھائی اخیافی میں بھی یہی مراد ہے یعنی وہ یٰسین کے سوتیلے بہن بھائی ہیں کہ باپ ایک اور ماں جدا، تو اس صورت میں محمد یٰسین کا ترکہ برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دین و وصیت تیس سہام پر منقسم ہو کر بیس سہام مریم اور پانچ آمنہ اور ایک یٰسین کے ہر سوتیلے بھائی کو ملے گا۔ صورت مناسخہ یہ ہے مگر اخیافی حقیقۃً ان بھائی بہن کو کہتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں اور باپ جدا۔ اگر یہ چھ شخص محمد یٰسین کے ایسے ہی بہن بھائی تھے تو ترکہ بشرائط مذکور صرف چھ سہام پر منقسم ہو کر پانچ سہم مریم اور ایک آمنہ کو ملے گا۔ محمد یٰسین کے ان بہن بھائیوں کا کچھ استحقاق نہیں **لانھم من ذوی الارحام والرد مقدم علیھم** (اس لئے کہ وہ ذوی الارحام ہیں اور رَد ان پر مقدم ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم ۱۳۲۱ھ

(صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی ادخلنا فی السلم، وعاملنا بالمن والعفو والحلم، وعلمنا من العلم ومن نصف العلم، والصلوٰۃ والسلام علی الجواد الکریم الفائض علی عبیدہ من علم الفرائض، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واحبابہ وارثی علمہ واٰدابہ۔ اٰمین!	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام میں داخل فرمایا اور ہمارے ساتھ احسان، درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ اور ہمیں علم اور نصف علم (علم فرائض) سکھایا۔ اور درود وسلام ہو اس ذات پر جو سخی، کرم فرمانے والا، اپنے غلاموں پر علم میراث کا فیضان فرمانے والا ہے اور آپ کی آل واصحاب اور دوستوں پر جو آپ کے علم اور آداب کے وارث ہیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

امّابعد، یہ بعض مسائل فرائض ہیں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کئے۔ مقصود ازالہ اوہام واغلاط وارا‌ءت سواء الصراط ہے، وباللہ التوفیق۔

فصل اوّل

مسئلہ ۹۳: ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

اعلیحضرت مجدّد مائۃ الحاضرہ دام ظلکم العالی، وقت قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان وزیور واثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار ے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کر دیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم واسد علی اپنے حصہ ترکہ کے عوض مکان وزیور واثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرار نامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم واسد علی کا ان اشیاء میں اور لطیفن بیگم کا زر نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم واسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چنانچہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرادیئے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہئے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے، اور فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۱۰ کی عبارت پیش کی کہ اس کی رو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے، اس کا خلاصہ عبارت ملاحظہ اقدس کے لئے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد ورثہ گزاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّٰی بہ رابعہ وسہ برادر زادیاں مسمّی فاطمہ وزینت وکلثوم ویک برادرزادیان مسمّٰی فاطمہ و زینب وکلثوم ویک برادرزادہ حقیقی مسمے بکر ویک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی او راحصہ ہشتم داد و راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید کہ چگونہ تقسیم باید **ھو المصوب** بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ورفع موانع بقیہ ترکہ زید تقسیم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں بہمشیرہ حقیقی ویک سہم بہ برادر زادہ خواہد شد باقی ورثہ محجوب خواہند شد۔ واللہ	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے یہ ورثاء چھوڑ کر انتقال کیا، ایک حقیقی بہن جس کا نام رابعہ ہے، تین بھتیجیاں جن کے نام فاطمہ، زینب اور ام کلثوم ہیں، ایک حقیقی بھائی جس کا نام بکر ہے اور ایک بیوی جس کا نام خدیجہ ہے۔ تمام مذکورہ بالا نسبی وارثوں نے بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر راضی کر دیا ہے۔ زید کا بقیہ ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہئے؟ **ھو المصوب**۔ جو چیزیں میراث پر مقدم ہیں ان کی تقدیم اور رکاوٹوں کے رفع کے بعد زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ اس میں سے

ایک حقیقی بہن اور ایک بھتیجے کو دیا جائے گا باقی ورثاء محروم ہوں گے۔ اور اللہ تعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔ اس کو محمد عبدالحیٔ نے لکھا ہے قوت والا رب اس سے درگزر فرمائے (ت)	اعلم بالصواب۔ کتبہ ابوالحنات محمد عبدالحیٔ عفاعنہ القوی۔

جواب کی پوری عبارت عرض کی ہے یہ صورت بعینہٖ وہی صورت واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فوراً ارشاد فرمایا تھا مگر کتاب کا حوالہ مولوی عبدالحہ صاحب نے بھی نہیں دیا ہے لہٰذا امیدوار ہوں کہ اس مسئلہ کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد ہو۔ ظلکم ممدود باد بندہ محمد احسان الحق عفی عنہ۔ ۱۴ محرم شریف ۱۳۲۱ھ

الجواب:

مکرمی اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے اس صورت کو فقہ میں تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شَے لے کر جدا ہوجائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہوسکتا کہ گویا وہ وارث کہ جدا ہوگیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی اس نے ترکہ سے حصہ پایا ہے تو معدوم کیونکر قرار پاسکتا ہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لئے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالئے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے عــــہ (اتنے اتنے،) سہام ہی پر تقسیم ہو۔ جس جس قدر انہیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے یہاں کے مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑا مسئلہ چار سے ہوا ایک زوجہ دو بہن ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جدا ہوگئی تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہولیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا، تولازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو، بہن کو دو، بھتیجے کو ایک، نہ کہ دونوں کو نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصف، باقی بعد فرض الزوجہ ہوجائے گا یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا اس کا آدھا حالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا۔

عــــہ: اصل میں ایسا ہی ہے شاید یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے اور غالبًا عبارت یوں ہے: اس قدر سہام ہی پر یا اتنے ہی سہام ہی ہے، لہٰذا قوسین میں بنادیا ہے۔ ازہری غفرلہ،

قال اللہ تعالٰی " اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (ت)

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسب تصریح علمائے کرام خلاف اجماع ہے، زیادہ ایضاح چاہئے باآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہو گئی۔

دوم: اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں مکان وزیور واثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم: اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورت ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کے تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم وبیش پاتا ہے حصے کہ ہر شیئ میں مشاع تھے فقط جدا ہو جاتے ہیں۔

صورت اولٰی میں جبکہ باقی مع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہو جائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم ونا انصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شیئ جو وارث مذکور لے کر جدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورت ثانیہ میں سب بقیہ ورثاء اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالانکہ ان میں سب کے حصے تھے اور سب راضی ہوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۶

جنہیں ہر عاقل ادنٰی نظر سے سمجھ سکتا ہے۔ فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزان عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولٰی میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہو گئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم واسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ۱۲ ہزار اور اسد علی کا چھ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دوگنا، اور اسی حساب سے زیور و مکان واثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لئے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دو حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دو ۲ ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ۱۴ ہزار اور اسد علی کے سات ۷ ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ۶ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ۱۲ ہزار سے چار ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ۶ ہزار سے دو ۲ ہزار۔ اب بقیہ بارہ ۱۲ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت دو ۲ اور ایک کی آگئی۔ صورت ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ۶ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبّہ کم نہ ہونا چاہئے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام ونشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ۳ ہزار نکل کر اکیس ۲۱ ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفًا نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار ۴ سخت شناعتیں لازم آئیں:

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہئے تھے بہن کو ان سے ایک حبّہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ۱۲ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ۶ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بٹے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر

پورا نزلہ بہن پر گرا۔کامل چھ ۶ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ بنایا اس کا حصہ مفت کا تھا الٰی غیر ذٰلك **مما یخاف ولا یخاف الانصاف** (وغیرہ ذالک جس کا ڈر ہے اور ڈر نہیں مگر انصاف کا۔ت)

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصہ سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہئیں تھے بے کم وبیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے دیوڑھا پالیا۔اگر نوٹ ومتاع کی تبدیلی نہ کرتے تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی ولطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہو گئے۔اس واضح روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی مگر زیادت اطمینان عوام کے لئے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علم فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی و وافی ومکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور ومعروف ومتداول ہے یعنی متن امام سراج الدین وشرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

(من صالح من الورثة علی شیئ معلوم من الترکة فاطرح سهامه من التصحیح)ای صحح المسئلة مع وجود المصالح بین الورثة ثم اطرح سهامه من التصحیح(ثم اقسم باقی الترکة)ای مابقی منها بعد ما اخذہ المصالح(علی سهام الباقین)من التصحیح (کزوج وام وعم)فالمسئلة	جس وارث نے ترکہ سے کوئی معین شیئ لے کر دیگر ورثاء سے مصالحت کرلی تو اس کا حصہ تصحیح میں سے نکال دو یعنی اس کو وارثوں کے درمیان موجود تصور کرکے مسئلہ کی تصحیح کردو اور پھر تصحیح میں سے اس کے حصے نکال دو۔پھر صلح کرنے والے نے جب معین شیئ لے لی تو تصحیح میں سے جو باقی بچا اس کو دیگر ورثاء کے حصوں پر تقسیم کردو جیسے کوئی خاتون اپنا شوہر، ماں اور چچا چھوڑ کر فوت ہو گئی تو مسئلہ خاوند کی موجودگی میں چھ سے

مع وجود الزوج من ستة وھی مستقیمة علی الورثة للزوج [عـــہ۱] ثلثة وللام السھمان [عـــہ۲] وللعم سھم [عـــہ۳] (فصالح الزوج)من نصیبه الذی ھو النصف (علٰی مافی ذمته للزوجة من المھر وخرج من البین فیقسم باقی الترکة)وھو ماعدا المھر (بین الام والعم اثلاثا بقدر سھامھما من التصحیح(وحینئذ یکون سھمان)من الباقی للام و سھم واحد للعم کما کان کذٰلك [عـــہ۴] فی سھامھما من التصحیح فانقلت ھلّا جعلت الزوج بعد المصالحة و اخذه المھر وخروجه من البین بمنزلة المعدوم وایّ فائدة فی جعله داخلا فی تصحیح المسئلة مع انه لایاخذ شیئا وراء مااخذہ قلت فائدته انالو جعلناه کان لم یکن وجعلنا الترکة ماوراء	بنے گا جوکہ ورثاء پر برابر تقسیم ہوجائے گا،خاوند کو تین،ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا۔چونکہ شوہر اپنے ذمہ مہر کے بدلے میں ترکہ میں سے اپنا حصہ جوکہ نصف ہے چھوڑنے پر صلح کرکے وارثوں کے درمیان سے خارج ہوگیا لہٰذا باقی ترکہ جوکہ مہر کے علاوہ ہے ماں اور چچا کے درمیان تصحیح میں سے ان کے حصوں کے مطابق تین پر تقسیم ہوگا۔اوراس صورت میں مہر کو نکال کر باقی ترکہ میں سے دو حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو ملے گا۔جیسا کہ یہی حال تصحیح سے حاصل شدہ ان دونوں کے حصوں میں تھا اگر تو کہے کہ صلح کے بعد اور شوہر کے مہر کو لے لینے اور وارثوں کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تم نے شوہر کو بمنزلہ معدوم کے کیوں قرار نہیں دیا اس کو مسئلہ کی تصحیح میں داخل کرنے کا کیا فائدہ ہے باوجودیکہ وہ اس کے ماسوا کچھ نہیں لیتا جو کچھ وہ لے چکا ہے؟ میں کہوں گا اس کا فائدہ یہ ہے اگر ہم اس کو کالعدم قرار دیتے اور مہر کے ماسوا کو

عـــہ۱: فی النسخة التی بایدینا وللزوج منھا سھام ثلثة۔

عـــہ۲: السھمان کذا فی نسختنا۔

عـــہ۳: وللعم الیك قوموسھم کذا عندنا۔

عـــہ۴: کماکان الحال کذٰلك کذا بنسختنا۔

المھر لانقلب فرض الام من ثلث اصل المال الٰی ثلث مابقی اذحینئذ یقسم الباقی بینھما اثلاثا فیکون للام سھم وللعم سھمان وھو خلاف الاجماع اذ حقھا ثلث الاصل واذا ادخلنا الزوج فی اصل المسئلۃ کان للام سھمان من الستۃ وللعم سھم واحد فیقسم الباقی بینھما علی ھٰذا الطریق فتکون مستوفیۃ حقھا من المیراث[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔واعلم ان ھٰھنا طریقہ اخرٰی اخذبھا بعض المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی لاتعلق لھا عندی بمانحن فیہ وان فرض فانما یکون علیھا فی الصورۃ المسئول عنھا لفاطمۃ ثلثۃ عشر الفا ومائۃ وخمسۃ وعشرون ولاسد علی سبعۃ اُلاف وثمان مائۃ وخمسۃ وسبعون لم نخترھا لان العمل والفتیا بالراجح لاسیما المذھب وانت تعلم ان ھذہ	ترکہ بناتے توماں کافرضی حصہ مال کی تہائی سے باقی مال (مہر نکالنے کے بعد) کی تہائی کی طرف منتقل ہوجاتا، کیونکہ اس صورت میں باقی مال ان دونوں (ماں اور چچا) کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور چچا کو دو حصے ملتے اور وہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ماں کا حق اصل ترکہ کا ایک تہائی ہے۔اور جب ہم نے شوہر کو اس مسئلہ میں داخل رکھا تو ماں کے لئے چھ میں سے دو جبکہ چچا کے لئے ایک حصہ ہوا۔چنانچہ مہر نکالنے کے بعد باقی بچ جانے والا مال ان دونوں کے درمیان اسی طریقے پر منقسم ہوگا، تو اس طرح ماں میراث میں سے اپنا پورا حق وصول کرے گی اھ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے، تو جان لے کہ یہاں ایک اور طریقہ جس کو بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے اختیار کیا میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اگر ہم اس کو فرض کرلیں تو اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں فاطمہ کے لئے تیرہ ہزار ایک سو پچیس اور اسد علی کے لئے سات ہزار آٹھ سو پچھتّر حصے ہوں گے۔ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ عمل اور فتوی قول راجح پر ہوتا ہے خصوصًا جبکہ وہ مذہب ہو۔اور تو جانتا ہے کہ یہ طریقہ

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی التخارج مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۳ و ۷۴

بھی اس طریقے کے موافق نہیں جس پر مجیب لکھنوی چلے ہیں تو وہ قطعی طور پر خلاف اجماع ہوا۔ اور اللہ تعالٰی ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)	ایضًا لاتوافق ماسلکه المجیب اللکنوی فهو خلاف الاجماع قطعًا وباللّٰه العظمة واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ ۹۴: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحید اللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

حضرت مطاع و محترم مد ظلہم العالی تحیہ تسلیم بالوف تکریم مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ناچار گزارش کیا جاتا ہے سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا ہے جیسا اور مواقع مثلاً تفصیل اَبْ میں ہے وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کر لیا اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

مصنف نے پوتیوں پر اکتفاء فرمایا اور یوں نہیں کہا اگرچہ نیچے تک ہوں اور ایسا ہی علم فرائض کی دیگر کتابوں میں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (پڑپوتیاں وغیرہ یعنی) جو بھی پوتیوں کے نیچے ہوں وہ بہنوں کو عصبہ بتانے میں معتبر نہیں ہیں انتہٰی۔ (ت)	اقتصر علٰی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلك علٰی ان السفالة غیر معتبرة فی صیرورتهن عصبة[1] انتهٰی۔

اس خیال کی تائید کرتا ہے اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیا جاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عملدرآمد کیا جائے یا کیا؟ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب

1

آفتاب فیض سے یہ حقیر ذرہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی بعد اہدائے ہدیہ تحفہ سینہ سنیہ ملتمس عصوبت اخوات کے لئے معیت بنت ابن الابن وبنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعًا کافی ہے۔ اور شرح بسیط کا بیان صریح لغزش بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفًا شائعًا بنت ضرور ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، تو عدم ذکر ہرگز ذکر عدم نہیں ہوسکتا ولہٰذا صدہا جگہ علماء نے وہاں کے عموم یقینا ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا۔ کنزالدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن [1]۔	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

ولد الابن کولدہ عن دعمدہ [2]۔	میت کے بیٹے کی اولاد بیٹے کی عدم موجودگی میں خود میت کی اپنی اولاد کی طرح ہے۔(ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ والبنت وبنت الابن والاخت [3] الخ۔	اور عورتوں میں سے سات ہیں ماں، جدّہ، بیٹی، پوتی اور بہن الخ (ت)

اسی میں ہے:

النصف للبنت ولبنت الابن عند عدمها [4]۔	ترکہ کا نصف بیٹی کے لئے ہے اور بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کے لئے (ت)

---

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳

[2] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۴

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

[4] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

اُسی میں ہے:

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن ولاب مع الولد او ولدالابن ولبنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب[1]۔(ملتقطًا)	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اور حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ پوتیاں متعدد ہوجائیں۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن[2]۔	میت کے باپ اور اس کے دادا کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

والتعصیب مع البنت او بنت عــــہ الابن[3]۔	میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں بہن کو عصبہ بنانا۔(ت)

اسی میں ہے:

ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین ولاخت لأب والزوج[4]۔	جن کا فرضی حصہ ترکہ کا نصف ہوتا ہے اور وہ پانچ ہیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن اور خاوند۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

بنات الابن کبنات الصلب و	پوتیاں حقیقی بیٹوں کی طرح ہیں اور ان کے

عــــہ: ھذا الضم ملتقطاً ملخصاً ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵و۳۴۶

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

لھن احوال ستٌّ [1]۔	چھ حال ہیں۔(ت)

شریفیہ میں ہے:

أربع من النسوة فرضھن النصف والثلثان الاولی البنت، والثانیة بنت الابن فان حالھا کحال البنت عند عدمھا [2]۔(ملخصًا)	عورتوں میں سے چار جن کا فرضی حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے۔ان میں سے پہلی بیٹی اور دوسری پوتی ہے، کیونکہ بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کا حال بیٹی کے حال جیسا ہوتا ہے۔ (ت)

بلکہ کئی جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا حالانکہ بنات الابن وان سفلن قطعًا سب اسی حکم میں داخل۔ تنویر میں ہے:

یصیر عصبة لغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات باخیھن ومع غیرہ الاخوات مع البنات [3]۔	بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوجاتی ہیں جبکہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہیں۔(ت)

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة [4]۔	بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو عصبہ بناؤ۔(ت)

اور پھر یہی نہیں کہ ان حضرات کو ترک ذکر سفول کا التزام ہو جس سے ان کی عادت پر حمل کرکے سفول مفہوم ہو، نہیں بلکہ انہیں کتب میں جابجا سفول مذکور۔ کنز میں ہے:

للام الثلث ومع الولد او ولد الابن وان سفل السدس	ماں کے لئے ایک تہائی ہوتا ہے اور اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو، کی موجودگی میں

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲

[2] الشریفیه شرح السراجیه باب العصبات مطبع علیمی اندرون لاہوری گیٹ لاہور ص ۴۰

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۷

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۷، الشریفیه شرح السراجیه فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۷

ولِلزوج النصف ومع الولد اوولد الابن وان سفل الربع، وللزوجۃ الربع ومع الولد او ولد الابن و ان سفل الثمن[1]۔	ماں کے لئے چھٹا ہوتا ہے، خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوتا ہے، اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے۔ اور بیوی کے لئے ترکہ کا چوتھا حصہ ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہوگی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ (ت)

ملتقی میں ہے:

اقربھم جزء المیت وھو الابن وابنہ وان سفل[2]۔	ان میں سے قریب ترین میت کی جزء ہے، اور وہ میت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے اگرچہ نیچے تک ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتحجب الاخوۃ بالابن وابنہ وان سفل[3]۔	میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں جبکہ اس کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ نیچے تک ہوں۔ (ت)

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن ثم ابنہ وان سفل[4]۔	ان میں سے جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا، جیسا کہ میت کا بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ (ت)

توظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر وعدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح

---

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳ و ۴۳۴

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العصبات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۶

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح بسیط کا تمسک صراحۃ بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن الابن کی جگہ۔ یوں ہی بنات الابن نہ ہوں تو بنات الابن کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر جزاہم اللہ احسن جزاء انہوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمد متداولہ متون وشرح فتاوٰی مثل سراجیہ وشریفیہ وتبیین الحقائق وتکملۃ البحر للطوری ودر مختار وملتقی الابحر ومجمع الانہر وخزانۃ المفتین وفتاوٰی عالمگیریہ وقلائد المنظوم وغیرھا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا، اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر۔ ہاں یہ فقیر سے سنئے۔ زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا۔ بنتین ابن الابن کے لئے تو یہاں یقینا ثلثین ہے جس میں کسی ادنٰی طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوت کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی) کے ساتھ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ"[1] (مذکر کے لئے دو مؤنثوں کے حصہ کی مثل ہوتا ہے۔ت) بنات کے ساتھ عصوبت ابن واب وان سفل وعلا کے ساتھ سقوط پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ **اولاً**: خود باطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔ مجمع الانہر میں ہے:

لایتصور فی مسئلۃ فقط اجتماع ثلثین وثلثین او ثلث وثلث وثلثین[2]۔	کسی مسئلہ میں یہ بالکل متصور نہیں کہ اس میں دو تہائی اور دو تہائی (دوبار) یا ایک تہائی اور ایک تہائی اور دو تہائی جمع ہو جائیں۔ (ت)

ثانیًا: اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶۱

کبھی عول نہیں ہوتا۔ سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعة اربعة منها لاتعول وھی الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية[1]۔	توجان لے کہ کل مخارج سات ہیں، ان میں سے چار ہیں جن میں عول نہیں کرتا اور وہ یہ ہیں دو[2]، تین، چار[4] اور آٹھ۔ (ت)

شریفیہ و منح الغفار ورد المحتار وغیرہ میں ہے:

اتعول اصلا لان الفروض المتعلقة بھذہ المخارج الاربعة اما ان یفی المال بھاء ویبقٰی منه شیئ زائد علیھا۔[2]	ان میں عول بالکل نہیں ہوتا کیونکہ ان چار مخرجوں سے جو فرضی حصے تعلق رکھتے ہیں یا توترکہ کا مال ان پر پورا ہوجاتا ہے یا ان حصوں سے کچھ مال زائد بچ جاتا ہے۔ (ت)

یہ بھی تصریح ہے کہ دو[2] ثلثین جمع نہیں ہوسکتے، نیز شریفیہ وغیرہا میں ہے۔

لاعول فی الثلثة لان الخارج منھا اماثلث ومابقی کام واخ لاب وام واماثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب و ام[3]۔	تین میں عول نہیں ہوتا کیونکہ اس سے جو حصے نکلتے ہیں وہ یا تو ایک تہائی اور باقی بچ رہنے والا ہے، جیسے میت کی ماں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا دو تہائی اور باقی بچ جانے والا ہے، جیسے میت کی دو بیٹیوں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا ایک تہائی اور دو تہائی ہیں جیسا کہ میت کی دو اخیافی بہنوں اور دو حقیقی بہنوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ت)

اس حصر میں اور بھی واضح کردیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔ شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملة المخارج سبعة وانما تعول	کل مخارج سات ہیں ان میں سے عول فقط

[1] السراجی فی المیراث باب العول مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۱

[2] الشریفیة شرح السراجیة باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

[3] الشریفیة شرح السراجیة باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

منها الستة واثنا عشرة واربعة وعشرون والاربعة الاخرى لاتعول۔[1]	چھ ۶، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴ میں ہوتا ہے دیگر چار میں عول نہیں ہوتا۔

بعینہٖ اسی طرح تکملہ طوری میں ہے۔ درمختار میں ہے:

المخارج سبعة اربعة لاتعول الاثنان والثلثة و الاربعة والثمانية[2]۔	مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اربعة مخارج لاتعول الاثنان والثلثة[3] الخ۔	مخارج میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو اور تین الخ (ت)

خزانۃ المفتین میں پھر ہندیہ میں ہے:

اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة ستة و ثمانية واثناعشر واربعة وعشرون فاربعة منها لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية الخ[4]۔	تو جان لے کہ مسئلوں کے اصول سات ہیں جو کہ یہ ہیں دو ۲، تین ۳، چار ۴، چھ ۶، آٹھ ۸، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴۔ ان میں سے چار یعنی دو، تین، چار اور آٹھ میں عول نہیں ہوتا الخ (ت)

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصول اربعة ليست بذات عول، اثنان والثلثة التالية واربع ضعفها الثمانية[5]۔	اصول کے مخارج سات ہیں جن میں سے چار عول والے نہیں ہیں یعنی دو اور اس کے ساتھ تین اور چار اور اس کا دوگنا آٹھ۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۲۴۴

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲ /۳۴۹

[4] فتاوٰی خزانۃ المفتین کتاب الفرائض باب العول قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۲ /۲۵۳

[5]

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ ہی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم هفوۃ نسأل الله العفو والعافیة۔	لیکن ہر تیز رفتار گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کبھی اُچٹ جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی لغزش ہو جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے در گزر اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ت)

فقیر نے بہ طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو ورنہ بحمد اللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولو متعددۃ (مع بنت) الصلب واحدۃ ایضاً فاکثر (و) کذا مع (بنت الابن) وان سفلت کذلك و کذا مع بنت وبنت ابن (ذات اعتصاب مع غیر)[1]۔	اور بہن اگرچہ متعدد ہوں صلبی بیٹی کے ساتھ چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد۔ یونہی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ چاہے ایک ہو یا اس سے زائد عصبہ مع غیرہ بن جاتی ہے۔ (ت)

مختصر الفرائض میں اخوات لاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبة مع البنات اوبنات عــه الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب وام[2]۔	علاتی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں اگرنیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ بہنیں موجود نہ ہوں۔ (ت)

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیر ھا دو ۲ زنان اند یکے	عصبہ مع غیرہ دو عورتیں ہوتی ہیں ایک

عــــه: لعل الصواب اوبنات الابن صح ۱۲ ازہری غفرلہ بل ھو المتعین کما یظھر فیما معنی ومایاتی۔

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم رسالہ من رسائل ابن عابدین باب العصبات سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۲۱۵

[2] مختصر الفرائض

اخت اعیانی میت کہ بابنت یابنت ابن اوہرچند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطور تین عصبہ می شود[1]۔	میت کی عینی بہن جبکہ میت کی بیٹی یاپوتی کے ساتھ ہواگرچہ پوتیاں نیچے تک ہوں۔ دوسری میت کی علاتی بہن ہیں جو میت کی بیٹی اورپوتی کے ساتھ ہو اگرچہ وہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔(ت)

اسی میں اخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہرچند پایاں روند[2]۔	عینی بہنوں کاچوتھا حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اورپوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں(ت)

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہرچند پایاں روندو قتے کہ عینی نباشد[3]۔	علاتی بہنوں کاپانچواں حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اورپوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں بشرطیکہ عینی بہن موجودنہ ہو(ت)

علامہ ابن نوراللہ انقروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیارفرمایاکہ کہیں وان سفلت وان نزلن(اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ت)نہ کہیں اورہرجگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتداء میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایاکہ جس مسئلہ میں فلاں وارث ہواسے فلاں باب میں دیکھو مسائل بنات الابن کے لئے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض فھی فی الباب الثانی عشر[4]۔	اگرکسی مسئلہ میں میت کی پوتی اگرچہ نیچے تک ہودیگرذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو تووہ مسئلہ بارھویں باب میں مذکورہوگا۔(ت)

پھرختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی عشر منھا فی بنت الابن	بارھواں باب میت کی پوتی کے بارے میں ہے

---

[1] زبدۃ الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

[3] زبدۃ الفرائض

[4] حل المشکلات

وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض[1]۔	اگرچہ نیچے تک چلی جائے جبکہ وہ دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو۔(ت)

اسی طرح اور ابواب کی نسبت بھی فرمادیا اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے۔اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترك بنت ابن واختا لابوین فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبۃ[2]۔ غرض حکم مسئلہ واضح ہے وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کوئی شخص ایک پوتی او رایک عینی بہن چھوڑ کر فوت ہوگیا **تومسئلہ** دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے۔ چنانچہ نصف پوتی کواور بقیہ بہن کو بطور عصبہ ملے گا۔اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

فصل سوم

مسئلہ ۹۵: ازاحمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیان مدرسہ طیبہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۵/رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کوایک سوچالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حق میراث معاف کرالیا بھائی نے معاف کردیا زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپے کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کئے اور جو مال باقی رہااس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کردیا جائے بعدہ، زید نے انتقال کیا،اس صورت میں یہ وقف ووصیت نافذ ہوئے یانہیں؟اور صلح جو وارث سے مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یانہیں؟اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہوگیااب بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یانہیں؟بیّنوا توجروا۔

---

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

الجواب:

وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل وبے اثر ہے اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہوجائے گی۔

اقول: وباللہ التوفیق تفصیل المقام ان الروایات فی ھٰذہ المسئلۃ توجد علٰی ثلثۃ انحاء، الاول البطلان وھو واضح البرھان غنی عن البیان فان الارث لاثبوت لہ فی حیاتہ فکان اعتیاضا عن معدوم وھو باطل وبھذا ھو نص محرر المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی جامع الفصولین ذکر "م" رحمہ اللہ تعالٰی فی سک(ای محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی السیر الکبیر الذی ھو من کتب الاصول الستۃ)ان المریض لواعطی من اعیان مالہ بعض ورثتہ لیکون لہ بحقہ من المیراث بطل[1] اھ۔الثانی الجواز ولایظھر لہ وجہ قال فیہ عقیبہ برمزجف لجامع الفتاوٰی جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت)اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، پہلی قسم یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔اس کی دلیل واضح ہے جو بیان سے بے نیاز ہے کیونکہ میراث کا ثبوت مورِث کی زندگی میں نہیں ہوتا تو یہ معدوم کا بدل طلب کرنا ہوا اور وہ باطل ہے۔اور اسی پر محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی۔جامع الفصولین میں ہے کہ "م" رحمہ اللہ تعالٰی نے سک میں ذکر فرمایا (یعنی امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ذکر فرمایا جو کہ چھ کتب اصول میں سے ہے) کہ کسی مریض نے اگر اپنے عین مال میں سے کسی وارث کو اس لئے کچھ دیا کہ وہ میراث میں سے اس کا حق بن جائے تو یہ باطل ہے الخ۔دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔جامع الفصولین میں مذکورہ عبارت کے بعد جامع الفتاوٰی کی رمز یعنی جف کے ساتھ کہا کسی شخص نے اپنے دو[2] بیٹوں

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۰

علی ان لایکون له بعد موت الاب میراث قیل جاز وبه افتی بعضهم وقیل لا[1] اھ، وقال فی فرائض الاشباہ و النظائر قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الهمز فی احمد قال الجرجانی فی الخزانة قال ابو العباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنا رحمهم الله تعالٰی فی رجل جعل لاحد ابنیه دارا بنصیبه علی ان لایکون بعد موت الاب میراث جازوافتی به الفقیه ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن الشجاع البلخی وحکی ذلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمر والطبری[2] انتهی اھ۔ قال فی غمز العیون یتامل فی وجه صحة ذٰلك فانه خفی[3] اھ **والثالث** الجواز اذا رضی به الوارث بعد ماورث	میں سے ایک کو اس کے حصے کا گھر اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی۔ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے۔اور ایک قول میں ہے کہ جائز نہیں ہے۔الخ۔الاشباہ و النظائر کی کتاب الفرائض میں کہا کہ شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الہمز فی احمد میں فرمایا،جرجانی نے خزانہ میں کہا کہ ابوالعباس ناطفی نے فرمایا میں نے اپنے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی کی وہ تحریر دیکھی جو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دو بیٹوں میں سے ایک کو اس کے حصے کا مکان اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی تو یہ جائز ہے۔اسی پر فقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی نے فتوٰی دیا جو کہ محمد بن شجاع بلخی کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔احمد بن ابوحارث اور ابوعمر وطبری کے شاگردوں نے اس کو نقل کیا ہے۔انتہٰی۔غمز العیون میں کہا اس کی صحت کی وجہ میں غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ پوشیدہ ہے الخ۔**اور تیسری قسم** یہ ہے کہ صلح اس صورت میں جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا

[1] جامع الفصولین کتاب الوصیۃ الفصل الرابع والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطقی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذاعین الواحد من الورثة شیئا کالدار علی ان لایکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل ھذا اذرضی ذلك الوارث به بعد موته فحینئذٍ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواھر[1] اھ ونقله فی اوائل وصایا ردالمحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جازوبه افتی بعضهم وقیل لاانتهی[2] اھ ولم یجنح لحکایة ماقدمه فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انه کان ھو العمدة فی الباب فان ماذکر من الجواز افتاء البعض لولم یکن مستنده کما علمت الٰی خط بعض	وارث اس صلح پر رضامندی ظاہر کردے، جامع الرموز میں کہاتو جان لے امام ناطفی نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیاکہ مریض جب کسی ایک وارث کے لئے کوئی شے معین کردے مثلاً گھر اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو جائز ہے۔اور کہاگیا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب مریض کے مرنے کے بعد وہ وارث اس پر رضامندی ظاہر کرے تواس صورت میں میت کا معین کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کے ساتھ باقی وارثوں نے تعیین کی ہو۔ جیساکہ جواہر میں ہے الخ۔اس کو ردالمحتار کے وصایا کے شروع میں نقل کیااور یہ زائد کیاکہ ان دونوں قولوں کو جامع الفصولین میں نقل کیا ہے،اور کہا ہے کہ ایک قول میں کہاگیاہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیاہے۔اورایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے الخ اور ماقبل جامع الفصولین میں بحوالہ سیر کبیر ذکر کردہ حکایات کی طرف میلان نہیں کیا حالانکہ اس باب میں وہ عمدہ ہے کیونکہ جواز اور بعض مشائخ کے فتوٰی کا ذکر اگر بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب نہ ہو

[1] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴ /۶۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۲۰

المشائخ مع مافی الخط من شبھة تنزله عن مرتبة الاشارة فضلا من العبارة فعندی فیما ذکر الحموی فی الغمز من احکام الکتابة یجوز الاعتماد علٰی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علٰی اشارته فالکتابة اولٰی[1] اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ به عند حصول الامن و رکون القلب ولذا اجمعوا علٰی جواز النقل من الکتب المعتمدة المعروفة المتداولة کما افادہ فی الفتح فمع قطع النظر من کل ذلك لم یکن له بجنب نص محمد فی ظاھر الروایة قیام علٰی ساق مع مافیه من عدم التئامه بقواعد المذھب علی الاطلاق نعم ماذکر فی الجواھر محمل حسن وبه یدنو من التحقیق ویزول القلق ویحصل التوفیق بیدان الواجب عندی	جیسا کہ تونے جان لیا باوجودیکہ خط میں شبہہ ہوتا ہے تو یہ اشارہ کے مرتبہ سے بھی گرجائے گا چہ جائیکہ عبارت (کے برابر ہو) چنانچہ میرے نزدیک اس میں جس کو امام حموی نے احکام کتابت سے غمز میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے۔ مشائخ کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارے پر اعتماد جائز ہے تو کتابت پر بدرجہ اولٰی جائز ہوگا الخ اس اخذ میں نظر ہے، اگرچہ ہم حصول امن اور میلان قلبی کے وقت اس کے ساتھ اخذ کے جواز کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشہور و مروج اور قابل اعتماد کتابوں سے نقل کے جواز پر مشائخ نے اجماع کیا ہے جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا ہے، اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قول ظاہر الروایہ میں مذکور امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص کے مقابل اپنی پنڈلی پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اس میں علی الاطلاق مذہب کے قواعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں ہے۔ ہاں جو جواہر میں ہے وہ ایک اچھا محمل ہے، اور اسی کے ساتھ یہ تحقیق کے قریب ہوجاتا ہے اور اضطراب زائل ہوجاتا ہے اور مطابقت و موافقت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

رضی الورثة جمیعا بعد موت المورث لا رضی المصالح وحدہ فان التخارج مبادلة بینھم فلابد من رضاھم جمیعا لاسیما اذا کان الذی عُیّن لہ ازید من حقہ و کانہ لحظ الٰی ان التعیین لواحد علٰی ان لایکون لہ فی سائر الترکة شیئ انما یکون غالبًا باقل من حقہ اوما یساویہ ولیس فیہ مایقتضی عدم رضی سائر الورثة فاقتصر علٰی ذکر اشتراط رضاہ وحدہ واللہ تعالٰی اعلم .فان قلت لم لایجوز ان یحمل کلام محمد محرر المذھب رحمہ اللہ تعالٰی علٰی بطلان الحق قلت کلا فان الارث جبری لایسقط باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبتہ اللہ تعالٰی فی کتابہ والتخارج مبادلة لا اسقاط والمبادلة تقرر الحق وتثبتہ لاتبطلہ فلو صح ما فعل المریض لقیل صح مافعل و الحق حصل لا ان بطل ھذا عندی	علاوہ میرے نزدیک مورث کے مرنے کے بعد تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہے نہ کہ تنہا صلح کرنے والے کی رضامندی۔ کیونکہ تخارج وارثوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہے لہٰذا ان سب کی رضامندی ضروری ہے خصوصًا اس صورت میں جب مذکورہ بالا وارث کے لئے اس کے حق سے زائد کی تعیین کردی گئی ہو۔ گویا اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی ایک وارث کے لئے تعیین اس شرط پر ہوگی کہ ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ غالبًا یہ تعیین اس کے حق سے کم تر میں یا اس کے حق کے مساوی میں ہی ہوتی ہے، حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو باقی ورثاء کی عدم رضا کا تقاضا کرتی ہو۔ چنانچہ اکیلے اس وارث کی رضامندی کے شرط ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اگر تو کہے کہ محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام کو بطلان حق پر محمول کرنا کیوں جائز نہیں؟ تو میں کہوں گا ہر گز نہیں کیونکہ وارث بننا جبری امر ہے جو ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ثابت فرمایا اس کو باطل کرنا کیسے جائز ہوگا، اور تخارج باہمی تبادلہ ہے نہ کہ کسی حق کو ساقط کرنا۔ اور باہمی تبادلہ حق کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اس کو باطل کرتا ہے۔

والعلم بالحق عند ربی۔	اگروہ صحیح ہوتا جو مریض نے کیا ہے توالبتہ کہاجاتا کہ جو کچھ مریض نے کیاہے وہ صحیح ہے۔اور حق حاصل ہوگیا ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہوگیاہے، یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔(ت)

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علٰی وجہ الاطلاق سوال کیا۔رہی یہ صورت خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح وتخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سو چالیس روپے پر واقع ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد تھے اور روپے کے حق سے کم روپوں پر تخارج قطعًا باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدرالمختار فی اخراجه عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصلح الا ان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرزا عن الربا[1]۔	درمختار میں ہے نقدین(سونے چاندی) میں سے کسی ایک کے بدلے میں کسی وارث کو نقدین وغیرہ سے خارج کرنا صحیح نہیں مگر اس وقت کہ جو کچھ اس وارث کو دیا گیاہے وہ اسی جنس میں سے اس کے استحقاقی حصے سے زائد ہو تاکہ سود سے بچاؤ ہوجائے۔(ت)

تو یہ تخارج ہوتا تو یقینا باطل ہوتا مگر یہاں دوسرا وارث کوئی ہے ہی نہیں، نہ کوئی موصی لہ تھا جس سے مبادلہ ٹھہرے تو یہاں صلح وتخارج ومبادلہ کو دخل ہی نہیں اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ "میراث سے میں نے اتنے روپے لے لئے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنی رکھتا ہے تمام ترکہ میں بدستور اس کا حق باقی ہے تصرفات مذکورہ زید بے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت تو بحال حیات موصی مفید ہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اس وقت کہہ دیا ہو کہ میں نے ان وصیتوں کو نافذ کیا جائز رکھا نہ اسے ان تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہرا سکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت کا تو حیات موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدرالمختار لاتعتبر اجازتھم	درمختار میں ہے کہ وارثوں کی اجازت موصی کی

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[1] اھ فی ردالمحتار ای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح[2]۔	زندگی میں بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہوتی ہے الخ۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ وہ اجازت وارثوں کے حق کے ثبوت سے قبل ہے کیونکہ ان کے حق کا ثبوت موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے لہٰذا وہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رَد کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو موصی کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ وہ ثبوت حق کے بعد ہے۔ اس کی پوری بحث منح کے اندر ہے۔ (ت)

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کردیا اگر وارث سے حیات مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ وتام ہوگیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیة تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت و اجازه الوارث قبل الموت لارواية فیه عن اصحابنا قال الامام علاء الدین السمرقندی اعتق المریض عبده ورضی به الورثة قبل الموت لایسعی العبد فی شیئ	رِدّالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ موت کے بعد کی اجازت معتبر ہے نہ کہ پہلے کی۔ یہ وصیت کے بارے میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اپنے حکم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے آزاد کرنا وغیرہ جب یہ مرض الموت میں صادر ہوں اور موت سے پہلے وارث اجازت دے دے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ امام علاء الدین سمرقندی نے کہا کہ کسی مریض نے اپنا غلام آزاد کردیا اور موت سے پہلے وارثوں نے اس پر رضامندی ظاہر کردی تو وہ غلام کسی شیئ میں سعی نہیں کرے گا۔

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولایملك المطالبۃ بعد موت المجروح[1] اھ۔	اور مشائخ نے اس بات پر نص فرمائی کہ زخمی کاوارث جب زخمی کرنے والے کو معاف کردے تو معافی صحیح ہوگی اور وارث زخمی کی موت کے بعد مطالبے کامالک نہیں ہوگا اھ (ت)

اور یہیں سے واضح ہوا کہ صورت کچھ واقع ہوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحال حیات مورِث خواہ بعد وفات مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے کے سوا باقی مال حسب تصرفات مورث وقف و وصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف ووصیت کے لئے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جدّا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (اور یہ خوب ظاہر ہے، اور اللہ سبحانہ، و تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۹۶: از لشکر گوالیار ڈاکخانہ دربار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۳۱۴ھ

مخدوم ومطاع نیازمندان دام مجدکم پس از اظہار نیاز گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمان ریاست وامداد وکلا ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض وصیت ہبہ، وقف، نکاح، مہر اور طلاق وغیرہا کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے۔ ایک شبہہ یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے مادر حقیقی دیگر زوجاتِ اَب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجات جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں تو درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور اواکثر سے کیا مراد ہے؟ اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳، ۶، ۴ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے بمجرد ملاحظہ نیاز نامہ مرحمت ہو۔ نورالدین احمد عفی عنہ

الجواب:

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آدمی کی ام وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل یہ ان کی فرع ہوئی باقی زوجات اب وجد ام و

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

جدہ نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ، تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسرے کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجہ کی جدہ امیہ ہوئیں یعنی ام الام نانی یاام الام نانی کی ماں، نہ یہ کہ میت کی اپنی دو تین ماں۔ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالت تنازع قائم فرمائی ہے مثلاً چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادت شرعیہ قائم کردیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبورًا ان سب کی طرف اسے منتسب کردے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع وعدم ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہوجائیں گی۔اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اوران کے تعدد کی ایک صورت ولد جاریہ مشترکہ کی ہے جبکہ سب شرکاء دعوٰی کریں۔

غمزالعیون کتاب الاقرار میں ہے:

لایستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان اوثلثة الٰی خمسة کما فی الجاریة المشترکة اذا ادعاہ الشرکاء بل قدیثبت نسب الواحد الحر الاصیل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منهما من امرأة حرة کما فی التتارخانیة[1]۔	شرعی طورپر یہ محال نہیں کہ ایک شخص کے دو یا تین بلکہ پانچ باپ ہوں جیسا کہ مشترکہ لونڈی میں جبکہ شرکاء اس کا دعوٰی کریں بلکہ کبھی ایک اصلی حر کانسب دونوں طرفوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ گرے پڑے بچے کے بارے میں جب دوآزاد مرد دعوٰی کریں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی آزاد عورت سے اس کی ولادت کامدعی ہو، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

خانیہ کتاب الدعوٰی فصل فیما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریة بین رجلین اوثلثة اواکثر ولدت ولدافادعوہ جمیعاثبت النسب من الکل فی قول ابی حنفیة	ایک لونڈی نے بچہ جنا جو کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ مردوں کی مملوکہ تھی ان سب نے اس بچے کا دعوٰی کیا تو امام ابوحنیفہ، امام زفر

[1] غمزالعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

وزفر والحسن بن زیادہ رحمھم اللہ تعالٰی وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فی روایۃ یثبت من الخمسۃ لامن الزیادۃ[1] الخ **اقول**:فافادان التحدید المذکور فی الغمز مبتن علی روایۃ نادرۃ والمذھب الاطلاق۔	اور حسن بن زیادہ رحمھم اللہ تعالٰی کے قول میں سب سے نسب ثابت ہوگا۔اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ پانچ تک سے نسب ثابت ہوگا زیادہ سے نہیں اھ **میں کہتا ہوں** اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غمز میں مذکور حدبندی نادر روایت پر مبنی ہے جبکہ مذہب مطلق ہے(ت)

ہندیہ کتاب الدعوٰی میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ رجلان خارجان اقام کل واحد(منھما)البینۃ انہ ابنہ ولد علی فراشہ من امرأتہ ھذہ جعل ابن الرجلین والمرأتین[2] الخ۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ دو غیر قابض مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرا بیٹا ہے میرے فراش پر میری اس بیوی سے پیدا ہوا ہے تو اس کو ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا الخ(ت)

اور جدہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو،اصل دو۲ ہیں اَب واُم،اور ان میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں،تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو۲ مرد اور دو۲ عورتیں،یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے،چار مرد چار عورتیں،یہ چاروں عورات جدہ ہیں،دو۲ امیہ ام اب الام،ام ام الام اور دو۲ ابویہ ام اب الاب ام ام الاب ابو یہ دونوں صحیحہ ہیں اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔یونہی ہر درجہ میں جدات کا عدد دونا ہوتا جائے گا۔تیسرے درجہ میں آٹھ،چوتھے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوی فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۹۶

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الدعوی الباب الرابع عشر الفصل الخامس الخ نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۱۲۵

میں سولہ، پانچویں میں بتیس ۳۲ وعلٰی ھذاالقیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہوں گی، نصف امیہ نصف ابویہ، اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُمیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدہ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدہ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میت کے سلسلے میں سواام کے اَب اصلًا نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہوں گی باقی ساقط مثلًا پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ فاسدہ، اور دسویں میں دس صحیحہ پانچ سو دو ساقط وعلٰی ھذاالقیاس کہ جدہ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدہ صحیحہ ہے اور جہاں دو ام کے بیچ میں لفظ اَب آیا وہیں فاسدہ ہو جائے گی پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں اتنی ہی بار لفظ اَب. برابر. برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر اُم لکھ دیجئے، یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظ ام باقی اب ہے۔ سطر دوم میں اُم کے قریب جو پہلا اَب ہے اسے بھی اُم سے بدل دیجئے کہ دو ام ہوں اور باقی اَب اسی طرح، سطر سوم میں تین ام، چار میں چار یہاں تک کہ اخیر میں سب اُم ہو جائیں۔ یہ سب جدات صحیحات ہوں گی یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا احصر ہو نا ظاہر ہے کہ طریق اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب وام لکھنے ہوں گے اور یہاں ان کی ضعف سے بھی ایک کم مثلًا سو جدہ دکھانے کو اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہوں گے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے احصر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہو دونوں کے وسط پر اُم لکھ دیجئے آباء واُمہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملا دیجئے اور اُم اخیرہ سے اس کے قریب کے اَب واُم دونوں اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدیہ امیہ کو بنالے گا اور باقی خطوط ابویات صحیحہ کو یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہو جائیں گے دو نقشہ اول میں جہاں لفظ اُم بخط نسخ ہے وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقط۔
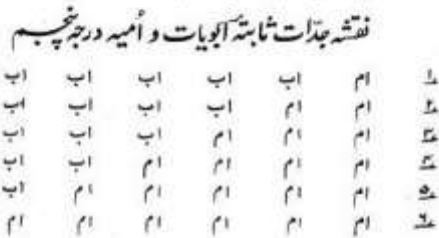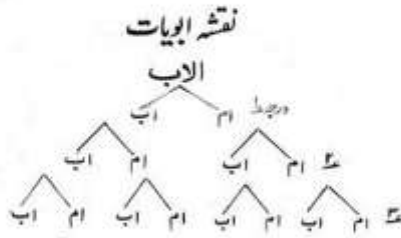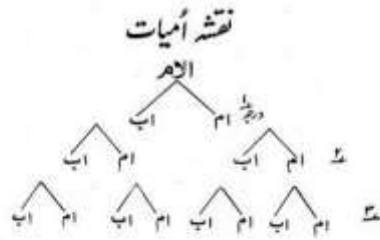
(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

۱	ام	اب	اب	اب	اب	اب
۲	ام	ام	اب	اب	اب	اب
۳	ام	ام	ام	اب	اب	اب
۴	ام	ام	ام	ام	اب	اب
۵	ام	ام	ام	ام	ام	اب
۶	ام	ام	ام	ام	ام	ام

اس تقریر سے فصاعدا اور اوا کثر اور ایک درجہ میں پندرہ جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجہ بست وچہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستر ہزار دوسو سولہ (۱۶۷۷۷۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس ایک اُمیہ اور چوبیس [۲۴] ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیان منیر فقیر حقیر نے عین وقت تحریر میں اپنے ذہن سے اسخراج کیا پھر دیکھا تو ہندیہ میں

اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل پنجم

مسئلہ ۹۷: از کلکتہ مولوی امداد علی لین نمبر ا مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ شخصے بحضوریک زوجہ وسہ بنت وسہ[۳] بنت الابن ودو ابن ابن الاخ اموال گزاشتہ پیک اجل رالبیک گت پس ترکہ اش درمیان ورثہ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد بینوا توجروا۔	اے علماء کرام اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے ایک بیوی، تین بیٹیوں، تین پوتیوں اور بھائی کے دو پوتوں کی موجودگی میں مال چھوڑ کر موت کے پیغام کو لبیک کہا۔ پس اس کا ترکہ مذکورہ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۵۰۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۳۰	۳۰

جناب من! حد ادب، پس از سلام سنت خیر الانام عرض بخدام برتر مقام میگزارم کہ بر صورت مرقوم بالا دریں صوبہ بنگلہ اختلافات شتّٰی رو دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ؟ از دلائل ردالمحتار وشریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ بابرادر عینی خود عصبہ شوند ہمبران نسق با ابن عم خود ہم عصبہ شوند وایشاں ھم بنی عم ایں زمان اند پس مستحق باقی مال زید تواند شد	میری سرکار! بے حد ادب، اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت کی سنت کے مطابق بارگاہ عالی میں سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرتا ہون کہ مزکورہ بالا صورت میں صوبہ بنگال میں متعدد اختلاف رونما ہوگیے کہ کہ میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ ہو سکتے ہیں یا کیا صورت ہے؟ رِدّالمحتار اور شریفیہ کے دلائل سے معلوم ہوا کہ پوتیاں اپنے عینی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، اسی طرح اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بھی عصبہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی اس وقت

یانہ. برہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ وجواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت فرمایند. بفحوائے آیہ کریمہ **وتعاونوا علی البر والتقوی،ولاتکتموالحق** زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام۔ عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ۔

چچا کے بیٹے ہیں، پس وہ زید کے باقی مال کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں معتبر کتابوں سے دلیل لاتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرما کر احسان مند فرمائیں اس آیت کریمہ کے تقاضے کی وجہ سے "اور نیکی کے کاموں اور تقوی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو" اور "حق کو مت چھپاؤ" تعظیم و تکریم کے ساتھ مزید سلام۔ درخواست گزار فدوی محمد عبدالعزیز اس سے در گزر فرمایا جائے۔ ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ (ت)

الجواب:

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ در صورت مستفسرہ تصحیح از یک صد وچہل وچارست وبنات الابن مجوبات بہ بنات و تقسیم چناں۔

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پوچھی گئی صورت میں مسئلہ کی تصحیح ایک سو چوالیس (۱۴۴) سے ہو گی۔ پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہوں گی۔ اور تقسیم اس طرح ہو گی:

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

م

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵	م

بنت الابن	بنت الابن
م	م

اگر دلائل بکارست **فاقول** وباللہ التوفیق:

اوّلاً: بنات الابن را عصبہ نتواں کرد مگر ابن الابن وان سفل پس چوں بادو یابیش

اگر دلائل درکار ہیں **تو میں کہتا ہوں** اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے:

پہلی دلیل: پوتیوں کو سوائے پوتے کے کوئی عصبہ نہیں بنا سکتا اگرچہ وہ پوتا ان سے نچلے

صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقًا مگر صورت واحدہ کہ باایشاں فافروتر ازیں شان مردے از اولاد پسر میت باشد۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی در تنویرالابصار متن الدرالمختار فرمود اذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن موازاونازل [1] علامہ ابراھیم حلبی در ملتقی الابحر کہ از متون معتمدہ فی المذہب ست فرماید اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن اواسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائه ومن فوقه من لیست بذات سھم وتسقط من دونه [2]۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملہ بحرائق فرماید ان کان للمیت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون	درجے میں ہو۔ پس جب دو۲ یا دو۲ سے زائد میت کی صلبی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں بالکل کچھ نہیں پاتیں سوائے ایک صورت کے کہ ان کے ساتھ یا ان کے نیچے کے درجے میں میت کے بیٹے کی اولاد سے کوئی مرد موجود ہو۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے درمختار کے متن تنویر الابصار میں فرمایا جب بیٹیاں اپنا فرضی حصہ مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان سے نیچے کے درجے کا کوئی پوتا انہیں عصبہ بنادے۔ علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر جو کہ مذہب کے قابل اعتماد متون میں سے ہے فرماتے ہیں جب صلبی بیٹیاں دوتہائی مال مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان کے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو جو کہ ذی فرض نہ ہوں عصبہ بنادیتا ہے، اور اس پوتے سے نیچے کے درجے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری بحرالرائق کے تکملہ میں فرماتے ہیں اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان پوتیوں

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

فی درجتھا اواسفل منھا ابن ابن فتصیر عصبۃ لہ[1] پیداست کہ ابن ابن الاخ ابن الابن نیست پس از صورت استثناء خارج باشد۔	کے درجے میں یا ان سے نیچے کے درمیں یان ان سے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا ہو تو وہ پوتیاں اس پوتے کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ظاہر ہے کہ میت کے کے بھائی کا پوتا میت کا پوتا نہیں ہے لہٰذا وہ استثناء والی صورت سے خارج ہوگا۔
ثانیًا: نص ہمیں در تعصب بنات بہ ابناء واخوات بہ اخوۃ آمدہ است وبس بنات وابنائے ابن در بنات وابنائے میت داخل اند بالاجماع پس تعصیب بنات ابن بہ ابنائے اخ بے دلیل شرعی ست۔علامہ شیخی زادہ رومی در مجمع الانہر فرماید ان النص الوارد فی صیرورۃ الاناث بالمذکور عصبۃ انما ھو فی موضعین البنات بالبنین والاخوات بالاخوۃ۔[2]	**دوسری دلیل:** نص تو فقط بیٹوں کے سبب سے بیٹیوں کے اور بھائیوں کے سبب سے بہنوں کے عصبہ بننے کے بارے میں آئی ہے میت کے پوتے اور پوتیاں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں میں بالاجماع داخل ہیں۔چنانچہ میت کی بھتیجیوں کا اس کے بھتیجوں کے سبب سے عصبہ بننا دلیل شرعی کے بغیر ہے۔علامہ شیخی زادہ رومی مجمع الانہر میں فرماتے ہیں مزکر کے سبب سے مؤنث کے عصبہ ہوجانے کے بارے میں نص دو جگہوں میں وارد ہے(۱) بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ (۲) بہنیں بھائیوں کے ساتھ۔
ثالثًا: علماء جائیکہ عصبات بغیرہن راشمارند بنت الابن رابقید تعصیب ابن الابن آرند در ہندیہ از حاوی القدسی آورد عصبۃ بغیرہ وھی کل انثی تصیر عصبۃ	**تیسری دلیل:** علماء کرام نے جس جگہ عصبہ بغیرہٖ کو شمار کیا ہے پوتی کے ساتھ یہ قید لائے ہیں کہ پوتا اس کو عصبہ بنائے۔ہندیہ میں حاوی القدسی سے نقل کیا ہے عصبہ بغیرہٖ ہر وہ مؤنث ہے جو اپنے برابر کے

---

[1] تکملہ بحرالرائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸ /۴۹۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۷۵۴

بذکر یوازیها وهی اربعة البنت بالابن وبنت الابن بابن الابن والاخت لاب وام باخیها والاخت لاب باخیها[1] در متن تنویر وشرح اودر مختار ست تصیر عصبة بغیره البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا[2]۔امام حسین بن محمد سمعانی درخزانۃ المفتین فرماید الثانی وهو العصبة بغیرہٖ ووهواربع من النساء یصرن عصبة باخوهن فالبنات یصرن عصبة بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات لاب وام باخیهن والاخوات لاب باخیهن[3]۔ **رابعًا:** غیرابن وابن الابن وان سفل واخ عینی یاعلاتی ہیچ ذکرراقوت تعصیب نیست تاآنکہ ابن الاخ یاعم وابن الاعم ہم خواھر عینیہ خودش راعصبہ نتواں نمود۔علامہ محمد بن علی دمشقی درہمیں درمختار فرمود	مذکر کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔اور وہ چار عورتیں ہیں (۱)بیٹی بیٹے کے ساتھ (۲)پوتی پوتے کے ساتھ (۳) حقیقی بہن اپنے بھائی کے ساتھ (۴)علاتی بہن اپنے بھائی کے ساتھ۔ متن تنویر اور اس کی شرح درمختار میں ہے: بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ اگرچہ وہ نیچے تک ہوں عصبہ بغیرہ بن جاتی ہیں۔امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین میں فرماتے ہیں: عصبہ کی دوسری قسم عصبہ بغیرہ ہے،وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، چنانچہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ،پوتیاں پوتے کے ساتھ، حقیقی بہنیں اپنے بھائی کے،اور علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں **چوتھی دلیل:** بیٹے،پوتے اگرچہ نیچے تک ہوں، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کے سوا کوئی مذکر کسی کو عصبہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا یہاں تک کہ بھتیجا یا چچا یا چچاکابیٹا بھی خود اپنی حقیقی بہنوں کو عصبہ نہیں بناسکتے۔علامہ محمد بن علی دمشقی نے اسی درمختار میں فرمایا

[1] الفتاوی الهندیہ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۱

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۷

[3] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲ /۲۵۲

قال فی السراجیۃ۔ ولیس ابن الاخ بالمعصب من مثلہ اوفوقہ فی النسب بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ او فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ[1]۔ امام سمعانی درخزانۃ المفتین متصل بہ عبارت مذکورہ بالا فرماید والباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون اخواتھم وھم اربعۃ ایضاً العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق۔[2] **خامسًا:** اگر مراد بوقوع غلام بمحاذات بنات یا بالا یافرود وقوع او درہمیں سلسلہ نسب ست کہ نوعیت انتساب متبدل نگردد وکما ھو الحق المبین بجزم ویقین پس آنگاہ ابناء اخ راخود مساغی نیست کہ ایں جاسخن درجزء میت ست واوجزء پدر میت و اگر مراد اعم گیرند تاابن ابن الاخ کہ بمحاذات درجہ بنت الابن ست	کہ سراجیہ میں کہاہے: بھتیجا عصبہ بنانے والانہیں ہے۔نہ اپنی مثل کونہ اس کوجونسب میں اس سے اوپر ہے۔بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ نیچے تک ہو وہ اپنی مثل اوراپنے سے اوپر والیوں کوعصبہ بنادیتاہے جبکہ وہ ذی فرض نہ ہوں اور اس سے نیچے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔امام سمعانی خزانۃ المفتین میں عبارت مذکورہ کے متصل فرماتے ہیں: باقی عصبات وہ ہیں جن کے مذکر تنہا میراث پاتے ہیں ان کی بہنیں میراث نہیں پاتیں، وہ بھی چار ہیں: (۱) چچا (۲) چچاکابیٹا (۳) بھتیجا (۴) آزاد کرنے والے کابیٹا۔ **پانچویں دلیل:** اگر بیٹیوں کے برابر یااوپر کے درجے میں یانیچے کے درمے میں لڑکے کے واقع ہونے سے مراد اسی سلسلہ نسب میں اس کاواقع ہوناہے کہ انتساب کی نوعیت میں تبدیلی نہ آئے جیساکہ یہی حق ہے، اور جزم ویقین کے ساتھ ظاہر ہے، تو اس صورت میں بھتیجوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ گفتگو یہاں میت کی جزء میں ہے جبکہ بھتیجا میت کے باپ کی جزء ہے۔اور اگراس سے مرادعام لی جائے تاکہ بھائی کاپوتا جو میت کی پوتی کے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲/ ۲۵۲

او را عصبہ کند واجب شد کہ ابن الاخ کہ بالاترازوست بنت الابن راازمیراث افگند اگرچہ درانجا صلبیہ ہیچ نبود کہ سقوط سفلیات بغلام عالی عام ومطلق ست از درمختار شنیدی ویسقط من دونہ وخوددرمسئلہ تشبیب کہ لاشیئ للسفلیات گفتہ اند فرض مسئلہ بے صلبیات ست و خودپیداست کہ چوں کار تعصیب کشد اقرب حاجب ابعد بود حالانکہ ایں معنی مخالف اجماع است حجب بنات الابن ہمیں بہ ابن ودوصلبیہ نوشتہ اند نہ باابن الاخ وعلامہ انقروی درحل المشکلات کہ خود اوتاریخ تالیفش قد حل المشکلات[964] فرمودہ است می نگارد اذا مات رجل وترك ابن اخ وزوجة وبنت ابن فالمسئلة من ثمانية لان فيها ثمنا ونصفا ومابقى فالثمن للزوجة والنصف لبنت الابن ومابقى

محاذی (برابر درجے میں) ہے اس کو عصبہ بنادے تو ضروری ہوگا کہ بھائی کا بیٹا جو پوتے سے اوپر درجے میں ہے پوتی کو میراث سے خارج کردے اگرچہ وہاں کوئی صلبی بیٹی موجود نہ ہو کیونکہ نچلے درجے والیوں کا اوپر کے درجے والے لڑکے کی وجہ سے ساقط ہوجانا عام اور مطلق ہے۔ درمختار سے تو سن چکا ہے کہ لڑکا اپنے سے نچلے درجے والی کو ساقط کردیتا ہے۔ خود مسئلہ تشبیب جس کو فرض ہی صلبی بیٹیوں سے خالی کیا گیا ہے میں کہا گیا ہے کہ نچلے درجے والیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ خود ظاہر ہے کہ جہاں عصبہ بنانے کی کاروائی ہوتی ہے وہاں قریب والا دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے حالانکہ یہ معنیٰ اجماع کے خلاف ہے۔ پوتیوں کا میراث سے محروم ہونا بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے ہی مشائخ نے تحریر فرمایا ہے نہ کہ بھتیجے کی وجہ سے۔ علامہ انقروی حل المشکلات میں لکھتے ہیں جس کی تاریخ تالیف خود انہوں نے قد حل المشکلات (تحقیق مشکلیں حل ہوگئیں) فرمائی ہے۔ جب کوئی مرد فوت ہو اور اس نے ایک بھتیجا، ایک بیوی اور ایک پوتی چھوڑی ہو تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں آٹھواں حصہ، نصف اور بقیہ ہے، چنانچہ آٹھواں حصہ بیوی کو، نصف پوتی کو

لابن الاخ [1] الخ وفیہ مسائل اخرٰی من ھٰذا النوع۔

سادسًا: اگرابن الاخ حاجب بود اخ کہ اقرب ازدست اولٰی باوست وایں ہم باطل ست باجماع وفی حل المشکلات اذامات رجل وترک اخاوبنت ابن **فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن ومابقی للاخ۔** [2]

سابعًا: ایں تعصیب اگربودے نبودے وشیئ چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود بیان ملازمت آنکہ درعصبات اصل مطرد آنست کہ جزء میت مقدم برجزء پدراوست پس ابن ابن الاخ اگربنت الابن راعصبہ نمودی بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب میشد تعصیب کہ میکرد، **فھٰذا شیئ لوکان لم یکن وای محال ابعد منه۔**

ثامنًا: تعصیب محاذیہ مختص بوجود

اوربقیہ بھتیجے کو ملے گا الخ حل المشکلات میں اس نوعیت کے دیگر مسائل بھی ہیں۔(ا حل المشکلات)

چھٹی دلیل: اگر بھتیجا حاجب ہوتا ہے اولٰی حاجب بنے گا۔اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔ حل المشکلات میں ہے جب کوئی مرد ایک بھائی اور ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہوجائے تو مسئلہ دو ۲ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اوربقیہ ہے، چنانچہ نصف پوتی کو اوربقیہ بھائی کو ملے گا۔

ساتویں دلیل: یہ عصبہ بنانا اگرچہ موجود ہوتا تو معدوم ہوتا۔ اور جس شیئ کا وجود اس کے عدم کو چاہے وہ شیئ محال ہوتی ہے۔ملازمہ کا بیان یہ ہے عصبوں کے اندر یہ قاعدہ کلیہ جاری ہے کہ میت کی جزئ اس کے باپ کی جزئ پر مقدم ہوتی ہے۔لہٰذا بھائی کا پوتا اگر میت کی پوتی کو عصبہ بناتا تو وہ پوتی اس کو میراث سے محروم کردیتی۔اورجب وہ خود محروم ہوجاتا تو عصبہ کیونکر بناتا؟ یہ ایک ایسی شیئ ہے کہ اگر موجود ہوتو معدوم ہوگی اور اس سے بڑھ کر کون سا محال ہوگا؟

آٹھویں دلیل: کسی پوتے کا اپنی برابر والی

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

دو صلبیہ نیست بلکہ بایک صلبیہ وبے صلبیہ نیز حکم ہمیں ست فی ردالمحتار للبنات ستة حوال ثلثة تتحقق فی بنات الصلب وبنات الابن وھی النصف للواحدة والثلثان لاکثر واذا کان معھن ذکر عصبھن [1]۔ در سراجیہ و شریفیہ فرماید العصبة بغیرہٖ اربع من النسوة البنت و بنت الابن والاخت لاب و ام والاخت لاب یصرن عصبة باخوتھن [2] اھ مختصرا۔ پس بر تقدیر تعصیب لازم آید کہ درمسئلہ زوج وبنت وبنت الابن وابن ابن الاخ مسئلہ از دوازدہ باشد سہ بشوہر وشش بدختر وسہ باقی در عصبتین للذکر مثل حظ الانثیین کما ھو مصرح بہ فی جمیع الکتب فی مسئلة تعصیب بنت الابن بغلام معھا او اسفل منھا۔ پس بنت الابن رایک باشد و	پوتیوں کو عصبہ بنانا دو[۲] صلبی بیٹیوں کے موجود ہونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ایک صلبی بیتی ہو یا کوئی صلبی بیٹی نہ ہو تب بھی حکم یہی ہے۔ ردالمحتار میں ہے: بیٹیوں کے چھ حال ہیں جن میں سے تین صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں متحقق ہوتے ہیں، اور وہ یہ ہیں اکیلی ہو تو نصف، ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی، اور اگر ان کے ساتھ کوئی مذکر ہو تو وہ ان کو عصبہ بنائے گا۔ سراجیہ اور شریفیہ میں فرماتے ہیں: عصبہ بغیرہٖ چار عوتیں ہیں: بیٹی، پوتی، عینی بہن اور علاتی بہن۔ یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اھ اختصارا۔ پس عصبہ بنانے کی تقدیر پر لازم آتا ہے کہ خاوند، بیٹی، پوتی اور بھائی کا پوتا چھوڑنے کی صورت میں مسئلہ بارہ سے ہو، جس میں سے تین خاوند کو، چھ بیٹی کو اور باقی تین دو عصبوں میں اس طرح تقسیم ہوں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہو، جیسا کہ برابر والے لڑکے یا نچلے درجے والے لڑکے کی وجہ سے پوتیوں کے عصبہ بن جانے والے مسئلہ میں تمام کتابوں میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے، چنانچہ

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۹۲

[2] الشریفة شرح السراجیة باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ ہر چہ فروتر رونده را دو لیکن دریں مسئلہ اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس میشود بنت الابن را دو باشد وبرادر حقیقی را یک۔فی حل المشکلات اذ ماتت امرأة وترکت اخا وزوجا وبنت صب وبنت ابن فالمسئلة من اثنی عشر لان فیھا سدسا وربعا ونصفا ومابقی فالسدس لبنت الابن و الربع للزوج والنصف لبنت اللب ومابقی للاخ[1]۔پس استحقاق اخ کمتر از استحقاق ابن ابن ابن خودش اگرچہ بصد درجہ پایان تر ازوست ایں خود شبیہہ بالمحال ست۔

تاسعًا: بلکہ لازم آید کہ اخ عینی محروم باشد واینکہ بصد واسطہ دور تر ازوست ارث یابد مسئلہ زوج وام وبنت وبنت الابن و

پوتی کو ایک حصہ ملے گا اور بھائی کے پوتے کو بلکہ بھائی کے پوتے کے پوتے کو جہاں تک نیچے چلاجائے دو حصے ملیں گے۔لیکن اس مسئلہ میں بھائی کے پوتے کے بجائے اگر حقیقی بھائی کو فرض کریں تو معاملہ الٹ جاتاہے۔اس صورت میں پوتی کو دو اور حقیقی بھائی کو ایک حصہ ملتاہے۔حل المشکلات میں ہے جب کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے ایک بھائی، خاوند، ایک صلبی بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی تو مسئلہ بارہ سے بنے گا۔کیونکہ اس مسئلہ میں ایک چھٹا حصہ، ایک چوتھا حصہ، نصف اور بقیہ ہے۔چنانچہ چھٹا حصہ پوی کے لئے، چوتھا حصہ خاوند کے لئے، نصف صلبی بیٹی کے لئے، اور بقیہ بھائی کے لئے ہوگا۔تو اس طرح بھائی کا استحقاق اپنے پوتے کے پوتے کے استحقاق سے کمتر ہوگا اگرچہ بھائی کے پوتے کا پوتا بھائی سے سَو درجے نیچے ہو۔یہ خود محال کے مشابہ ہے۔

نویں دلیل: بلکہ لازم آتاہے کہ حقیقی بھائی محروم ہوجائے اور جو اس سے سَو درجے دور ہے وہ میراث پائے۔خاوند، ماں، بیٹی، پوتی اور بھائی کے پوتے کے پوتے کا

[1] حل المشکلات

ابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دوازدہ شدہ بسی وشش تصحیح پذیرد نہ بشوھر وشش بمادر ہیجدہ بدختر ودو دو بابن پسر برادر ویک بدختر پسر واگرجائے اوخود برادر آید مسئلہ بسیزدہ عول کند و برادر عینی تہی دست رود، اذلاشیئ بعصبة مع العول، اگر زاعمے زعم فرماید کہ اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید خود نصوص صریحہ اسقاط اعلی السفلی راخلاف کردہ باشد۔

عاشراً: اگر ازیں ہمہ قطع نظر راکار فرمایم تابر تقدیر تعمیم غلام بایں ابنائے اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اند زینہار منطبق نباید وسخن بہ تناقض ونہافت گراید کلام سید قدس سرہ شنیدن دارد کہ می فرماید ان بنات الابن اذاکان بحذائھن غلام سواء کان اخاھن او ابن عمھن فانہ یعصبھن کما ان الابن الصلبی یعصب البنات الصلبیة و ذلك لان الذکر من اولاد الابن یعصب الاناث اللاتی

مسئلہ بارہ سے بنے گا جس کی تصحیح چھتیس سے ہوگی۔ نو حصے خاوند کو، چھ ماں کو، اٹھارہ بیٹی کو اور دو بھائی کے پوتے کو اور ایک پوتی کو ملے گا۔ اور اگر بھائی کے پوتے کی جگہ خود بھائی آتا تو مسئلہ تیرہ کی طرف عول کرتا اور حقیقی بھائی خالی ہاتھ جاتا، اس لئے کہ عول کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا، اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ بھائی بھی پوتی کو عصبہ بناتا ہے تو وہ خود ان صریح ان نصوص کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا جن میں اوپر والے وارث کے نیچے والے کو ساقط کرنے کا بیان ہے۔

دسویں دلیل: اگر اس تمام سے قطع نظر کا کروائی کریں تو غلام (لڑکے) کو عام مان کر چچا کے بیٹوں کو اس میں شامل کرنے کی صورت میں وہ دلیل جسے انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مسئلہ پر منطبق نہیں ہوگی اور کلام ٹکراؤ اور کمزوری کی طرف مائل ہو جائے گا۔ سید قدس سرہ، کا کلام سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ پوتیوں کے برابر جب کوئی لڑکا ہو چاہے وہ ان کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو تو وہ انہیں عصبہ بنادیتا ہے جیسا کہ صلبی بیٹا صلبی بیٹیوں کو عصبہ بنادیتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ میت کے بیٹے کی اولاد میں سے جو مذکر ہو وہ میت کی صلبی اولاد

فی درجته اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبها فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصبتین والیه ذھب عامة الصحابة وعلیه جمهور العلماء وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه لایعصبهن بل الباقی کله لابن الابن و لاشیئ لبناته، اذ الانثی انما تصیر عصبة بالذکر اذا کانت ذات فرض عند الانفراد عنه کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن کذلك فلاتصیر به عصبة کبنات الاخوة والاعمام مع بنیهم واجیب بان بنت الابن صاحبة فرض عند الانفراد عن ابن الابن لکنها محجوبة بالصلبیتین ھٰهنا الاتری انها تاخذ النصف عند عدم الصلبیات بخلاف بنات الاخ و العم اذ لافرض لها عند انفرادها عن ابنهما فلا تصیر عصبة به[1]	نہ ہونے کی صورت میں اپنے درجے کی لڑکیوں کو تمام مال کے استحقاق میں بالاتفاق عصبہ بنادیتاہے اوریونہی دو صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں دوتہائی سے بچ جانے والے مال کے استحقاق میں انہیں عصبہ بنادیتاہے۔عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اسی طرف گئے ہیں،اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ وہ پوتیوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ باقی تمام مال پوتے کے لئے ہوگا پوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ مذکر کے ساتھ مل کر مونث اسی صورت میں عصبی بنتی ہے جب وہ اس مذکر سے الگ ہوکر ذی فرض ہوتی ہو جیسے بیٹیاں اور بہنیں۔اور اگروہ اس طرح نہ ہوتو مذکرکے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی جیسے بھائیوں اور چچوں کی بیٹیاں ان کے بیٹوں کے ساتھ۔اور اس کاجواب یوں دیاگیاہے کہ پوتی پوتے سے الگ ہوکرذی فرض ہوتی ہے لیکن یہاں پروہ دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے محروم ہے۔کیاتونہیں دیکھتاکہ صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی نصف مال لیتی ہے۔بخلاف بھائی اور چچا کی

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲و۲۳

ایں کلام از سرتا پاشاہد عدل است کہ مراد بغلام ہمان ذکرے ازاولاد ابن ست کلام درہمان ست ودلیل ہم بران وخلاف ابن مسعود ھم دراں ورنہ ہیچکس قائل نیست کہ ابن ابن الاخ حاجب بنات ابن است وھم درنفس سخن تصریح ست کہ ابن عم مربنت عم خودش راتعصیب نتواں کرد۔لاجرم مراد بہ تعمیم **سواء کان اخاھن اوابن عمھن** ہمیں قدرست کہ خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد کہ ایں دختر دختر اوست یاپسر پسر دیگر کہ عم ایں دختر بودنہ ازبنی اعمام ایں زنان باشد معصب ایناں بود اگرچہ ازسلسلہ جزئیت میت بیرون بود ھذا مما لایقول بہ احد، بایں تقدیر بحمد اللہ حکم مسئلہ نیز نقش بکرسی نشست وھم بوضوح پیوست کہ کلام درمختار وشریفیہ صراحۃً راغم زعم زاعم ست نہ آنکہ بوفاقش حاکم ست بازاگر بایں ہمہ ہامتسلی نشوند تا تصریح ازعالم تنقیح بشنوند،علامہ

بیٹیوں کے کہ ان کے لئے ان دونوں کے بیٹوں سے الگ ہو کر کوئی فرضی حصہ نہیں ہوتالہٰذا بھائی اور چچا کی بیٹیاں ان کے بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنیں گی۔یہ کلام سر سے لے کر پاؤں تک عادل گواہ ہے کہ غلام (لڑکے) سے مراد وہی مذکر ہے جو میت کے بیٹے کی اولاد میں سے ہو۔گفتگو اسی میں ہے، دلیل بھی اسی پر ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اختلاف بھی اسی میں ہے، ورنہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ بھائی کا پوتا میت کی پوتیوں کے لئے حاجب ہوتا ہے، نیز نفس کلام میں تصریح موجود ہے کہ چچا کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی کو عصبہ نہیں بنا سکتا تو یقینا اس تعمیم سے کہ چاہے وہ ان پوتیوں کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو جس کی یہ بیٹی ہے یا کسی دوسرے بیٹے کا بیٹا ہو جو اسی بیٹی کا چچا ہو۔یہ مراد نہیں کہ ان عورتوں کے چچا کے بیٹے ان کو عصبہ بنانے والے ہوتے ہیں اگرچہ وہ میت کی جزء کے سلسلہ سے باہر ہوں۔یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔اس تقدیر پر اللہ تعالٰی کی حمد وثناء کے ساتھ مسئلہ کا حکم بھی کرسی پر منقش ہوگیا نیز خوب وضاحت کے ساتھ راسخ ہوگیا کہ درمختار اور شریفیہ کا کلام گمان کرنے والے کے گمان کے صراحۃً خلاف ہے نہ کہ اس کی موافقت کا حکم کرنے والا ہے۔پھر اگر اس تمام کے باوجود ان کی تسلی نہ ہو حتی کہ وہ کسی عالم کی واضح

شامی قدس سرہ السامی در عقود الدریہ فرماید **سئل** فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق وعن بنتی ابن و خلفت ترکۃ کیف تقسم **الجواب** للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لایعصبه اختہ ولامن ھی اعلی منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن۔ ولیس ابن الاخ بالمعصب من مثلہ اوفوقہ فی النسب نعم ابن الابن یعصب بنت الابن[1] ھ ملخصاً مسئلہ بکمال وضوح ش از ایضاح بے نیاز بودایں مابہ اطناب چہ شا لیست اماچہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیرے بایست ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی زلۃ ھٰھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد آفندی فاکدذلك عزمنا علی الاکثار۔لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیط عنھاکل غیم وعلۃ وبربّنا	تصریح صاف طور پر سن لیں۔علامہ شامی قدس سرہ السامی عقودالدریہ میں فرماتے ہیں۔اس عورت کے بارے میں سوال کیاگیا جو دو۲ بیٹیاں، حقیقی بھائی کاایک بیٹا اور دو پوتیاں چھوڑ کر فوت ہوئی اس نے کچھ ترکہ چھوڑا وہ کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ جواب: بیٹیوں کو دوتہائی ملے گا اور باقی حقیقی بھائی کے بیٹے کو ملے گا۔بھائی کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا اور نہ ہی اپنے سے اوپر کے درجے والی کو یا نچلے درجے والی کو چہ جائیکہ وہ میت کی پوتیوں کو عصبہ بنائے۔اور بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے نسب میں اپنی مثل کو اور نہ اپنے سے اوپر والی کو۔ہاں پوتا پوتی کو عصبہ بناتاہے الخ تلخیص۔مسئلہ کامل طور پر واضح ہونے کی وجہ سے وضاحت کرنے سے مستغنی تھا۔اس طویل بحث کی کیاضرورت تھی،مگر کیا کیاجاسکتاہے کہ وہم کے عارض ہونے کے بعد اس کاازالہ ضرور ہونا چاہئے۔جب ہم پانچویں دلیل تک پہنچے توہم اس لغزش پر آگاہ ہوئے جو یہاں علامہ حامد آفندی کے قلم سے سرزد ہوئی۔تو اس نے ہمارے عزم کو مزید وضاحت کرنے پر مضبوط کیا تاکہ حق اس طرح ہوجائے جس طرح بادل اور گردوغبار کے دور کئے جانے کے بعد چاند روشن ہوتے ہیں۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۴۷

نخص الحمد کلہ والصلوۃ والسلام علٰی صاحب الملۃ محمد واٰلہ وصحبہ والجلۃ آمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اورہم اپنے رب کے لئے ہی تمام تعریفوں کو مختص کرتے ہیں، درودوسلام ہو صاحب ملت پر جن کانام نامی اسم گرامی محمد ہے اور آپ کی آل پراور صحابہ پر اور سب پر، آمین! واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل ششم

مسئلہ ۹۸: از کلکتہ تال کمیدن باغ نمبر ۱۴ مسجد مانک دفتری مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۳رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس پیشکشی قدمبوسی وناصیہ فرسائی دست بستہ معروض میدارد کہ ازروئے کرم فرمائی ومرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بہ تحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسطور دست دہد ازروئے فیض رسانی برجملہ جہان بر قرطاس مرقوم دستخط نمودہ فیض المرام بخشند۔ مسئلہ اینست کہ چہ مے فرمایند علماء دین رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یانہ؟ **بینوا توجروا۔** **الجواب:** حق ارث بتقادم زمان ساقط نمی شود کما فی رد المختار، لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرۃ	قدموں کوچومنے اوران پرپیشانی رکھنے کی پیشکش کے بعد دست بستہ گزارش ہے کہ کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے اس ارسال کردہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ صادرفرمائیں، اگرجناب والا کافیصلہ اس تحریر کے موافق ہو توتمام جہان پرفیض رسانی کی رو سے تحریر کردہ کاغذ پردستخط کرکے حاجت برآری فرمائیں، مسئلہ یہ ہے، کیافرماتے ہیں اے علماء دین اللہ تعالٰی آپ پررحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ زیادہ عرصہ گزرجانے سے میراث کاحق ساقط ہوجاتاہے یا نہیں؟ بیان کرواجر دیئے جاؤگے۔(ت) **الجواب:** میراث کاحق زیادہ عرصہ گزرجانے سے ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار میں ہے، اگر بادشاہ پندرہ سال کاعرصہ گزرجانے کے بعد قاضی کو دعوی کی

سنة فسمعها لم ینفذ قلت فلاتسمع الاٰن بعدھا الابأمر الا فی الوقف والارث و وجود عذر شرعی وبه افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ[1]۔وفی ردالمحتار قال السید الحموی فی حاشیة الاشباہ ان السلاطین الآن یامرون قضاتھم فی جمیع الایاتھم ان الا یسمعوادعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنة سوی الوقف والارث[2] اھ وکما فی ردالمحتار عن الحامدیة انه کتب علٰی ثلثة اسئلة انه تسمع دعوی الارث ولا یمنعھا طول المدۃ[3] وفی ردالمحتار عن الاشباہ وغیرھا ان الحق لایسقط بتقادم الزمان اھ ولذا قال فی الاشباہ ایضا ویجب علیه سماعھا اھ ای یجب علی السلطان الذی نھٰی قضاته عن	سماعت نہ کرنے کا حکم دے۔پھر قاضی اس کی سماعت کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔میں کہتاہوں اب بادشاہ کی طرف سے ممانعت کے بعد اس کے حکم کے بغیر سماعت نہ کی جائے گی سوائے وقف، میراث اور کسی عذر شرعی کے پانے کی۔مفتی ابو السعود نے یہی فتوٰی دیاہے،اس کو یادرکھنا چاہئے۔ردالمحتار میں ہے سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں کہاکہ اب بادشاہ اپنی تمام ولایتوں میں پندرہ سال گزر جانے کے بعد وقف اور میراث کے علاوہ دعوی کی سماعت کرنے سے قاضیوں کو روک دیتے ہیں اھ جیساکہ ردالمحتار میں حامدیہ سے منقول ہے،انہوں نے تین مسئلوں کے جواب میں لکھاکہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور مدت کادراز ہونا اس سے مانع نہیں ہوگا۔ردالمحتار میں اشباہ وغیرہ سے منقول ہے کہ زیادہ عرصہ گزرجانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوا اھ۔اسی لئے اشباہ میں بھی کہاہے کہ اس پر دعوی کی سماعت واجب ہےاھ یعنی جس بادشاہ نے پندرہ سال کاعرصہ گزرنے کے بعد اپنے

[1] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

سماع الدعوی بعد هذه المدة ان یسمعها بنفسه او یأمر بسماعها کی لایضیع حق المدعی والظاهر ان هذا حیث لم یظهر عن المدعی امارة التزویر [1]۔ مخفی مبادہ روایات فقہیہ کہ درباب عدم سماع دعوی بعد از مرور پانزدہ سال یا سی سال یا سی وسہ سال یا سی وشش سال وارد مخصوص بصورتے ست کہ دعوی متضمن برعلامت تزویر یا حیلہ باشد چنانچہ از عبارات ردالمحتار وغیرہ مفہوم می شود وھذا حکم الکتاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	قاضیوں کو دعوی کی سماعت سے منع کیا ہے خود اس پر واجب ہے کہ وہ بذات کود دعوی کی سماعت کرے یا اس کی سماعت کا حکم دے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو۔ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مدعی کی طرف سے دھوکہ بازی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔پوشیدہ نہ رہے کہ پندرہ سال، تیس سال، تینتیس سال یا چھتیس سال گزرنے کے بعد دعوی کی سماعت نہ کرنے سے متعلق فقہی روایات اس صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ دعوی دھوکہ دہی اور حیلہ سازی کی علامات کو متضمن ہو جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔یہ کتاب کا حکم ہے،اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف کرآنا ہے۔(ت)

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب ایں جادومقام ست یکے نفس الامر وابانت حکمش ہمان ست کہ ہیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواہ غیر او مطلقًا اجماعًا بتقادم زمان زنہار ساقط نشود چنانکہ درجوھرہ واشباہ وغیرہما	اے اللہ حق اور درستگی کی ہدایت عطافرما،اس جگہ دو مقام ہیں،**مقام اول** نفس الامر،اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو چاہے میراث ہو یا کوئی اور مطلقًا بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہرگز ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ جوہرہ اور اشباہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

منصوص شد وخود در ثبوت او آیات و احادیث وعقیدہ اجماعیہ مجازات یوم الدین بر مظالم وتبعات بسندہ است اگر عند اللہ بمرور دہور حق ساقط شدے روزجزاجریان مجازات و مطالبہ تبعات مبادلہ حسنات ووضع سیئات بمیان نیامدے کہ بندہ رابربندہ حقے نماندہ گوازروئے تعدی حدودالٰہیہ ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد باطل اجماعًا بلکہ عنداللہ ہرچند ظالم بر ظلم متمادی رودظالم ترشود نہ آنکہ تمادی ایام ظلم برخیز دوحق بناحق آمیزد۔

دوم سماع دعوی بدارالقضاء۔اینجا نیز نفس مرورزمان فی حدود ذاتہ اصلًا جمع باثبات منع نیرزد نہ درارث ونہ درغیرآں کائنا ماکان بلکہ منع از دوجہت خیزدیکے سدباب تزویر وقمع اطماع فاسدہ ایں حکم حکم اجتہادی فقہائے کرام وائمہ اعلام ست ومتون وشروح وفتاوائے بدمذہب باوناطق وارث وغیرارث

وغیرہ میں منصوص ہے۔اس کے ثبوت کے لئے کود قرآنی آیات،احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے متعلق ظلم اورزیادتیوں کابدلہ دلوایاجائے گا،اگرمدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالٰی کے نزدیک حق ساقط ہوجاتا تو قیامت کے دن بدلہ دلوانے اور حقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اورگناہوں کے مٹانے کاقانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کادوسرے پر کوئی حق نہ رہتا اگرچہ حدودالٰہیہ تعدی کرنے سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے مواخذہ ہوتا،اوریہ بھی بالاتفاق باطل ہے،بلکہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ظالم جتناعرصہ ظلم پر قائم رہتاہے زیادہ ظالم ہوتا جاتاہے،ایسانہیں ہے کہ زیادہ دنوں کاگزرنا ظلم کواٹھا دےاور حق کو ناحق کے ساتھ ملادے،

مقام دوم قاضی کی کچہری میں دعوی کی سماعت۔اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس لائق نہیں کہ سماع دعوی کی ممانعت کاباعث بنے،چاہے میراث کادعوی ہو یااس کے علاوہ کسی بھی شیئ کا۔بلکہ ممانعت دووجہوں سے پیداہوتی ہے،وجہ اول دھوکہ دہی کا دروازہ بند کرنا اورفاسد لالچوں کاختمہ کرنا۔یہ حکم فقہاء کرام اور مشہورائمہ عظام کااجتہادی حکم ہے۔جیساکہ مذہب کے

ہمہ در ویکساں ومتوافق وعندالتحقیق متقید نیست بہیچ مدتے ممدودوعدتے معدود صورتش آنست کہ مثلاً زیدرادارے ست کہ شراءً یاارثاً یابہیچ وجہ ازوجوہ تملک نزد اوست واو زمانے درو تصرفات مالکانہ مے کرد وعمروعاقل وبالغ ہمدراں شہرساکن وبرآں تصرفات آگاہ بودوموانع ارجاع دعوے یکسر مفقود حالاخود او یاوارث او برمی خیزد ونزاع مے انگیزد وگردن دعوی رمی فرازد کہ ای خانہ (خانہ) ازاں منست زینہار نشنوند گودعوی ازجہت ارث گاش زیراکہ سکوت تامدتے صالحہ باوصف انعدام موانع ووجود مقتضی اعنی اطلاع برتصرفات مالکانہ زید قرینہ واضحہ است برانکہ دار دارزیدست ودعوی عمروازراہ کیدلاجرم آں سکوت رادررنگ اقراراوبملک زید فراگرفتہ مانع دعوی دانند آنچنانکہ اگرصراحۃً مقرشدے کہ دارازاں زیدست وبازبے توفیق معقول وقابل قبول بدعوی برخاستے تناقض گریبانش گرفتے ودعوی پیش نہ رفتے کذاھذا وپیداست کہ دراں باب

متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں۔ میراث اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رو سے یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید ومشروط نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کاایک گھر ہے جو اس نے خریدا یا میراث میں پایا یا ملکیت کی وجوہ میں سے کسی اور وجہ سے اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا۔ عمرو جو کہ عاقل وبالغ اور اسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے تصرفات پر آگاہ تھا۔ دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ رہا) اب عمرو خود یا اس کا کوئی وارث اٹھ کر جھگڑا پیدا کرتا ہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو یہ دعوی ہر گز قابل سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے دعوی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے والی مدت میں چپ رہنا جبکہ دعوی میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کا مقتضٰی بھی موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کا ہے اور عمرو کا دعوی بطور مکر ہے۔ یقینا اس کی خاموشی کو زید کی ملکیت کا اقرار اقرار دیتے ہوئے مشائخ کرام دعوی سے مانع سمجھتے ہیں، جس طرح کہ اگر وہ صراحۃً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کا ہے پھر کسی معقول اور قابل قبول توجیہ کے بغیر اس

ادعائے ارث وغیرارث ہمہ یکساں ست اللّٰھمّ مگرآنجا کہ زید مقرباشد بآنکہ دراملک مورث عمرو بودہ است ومن ازوشراءً یاہبۃً گرفتہ ام آنگاہ امر دعوی باز گونہ گرد و زید مدعی شود وعمرو مدعاعلی وتصرفات زیدتا زمانے مدید سودش نکند کہ دعوی رابینہ باید نہ مجرد تصرفات۔ کمالایخفی علی اھل التصرف۔ دوم نہی سلطان اسلام، این ست آنچہ درارث وغیر ارث متخالف شود کاربر تحدید مدت ازپیشگاہ سلطنت قرار گیرد بے نظر بصدور تصرف واطلاق مدعی وعدم موانع وظہور تزویروغیرذلک، سرایں کارآنست کہ ولایت قضاۃ مستفاد از جہت سلطان وقضابزمان ومکان واشخاص واشیاء ہرچہ سلطان مولی بآں تخصیص فرماید تخصیص پزیرد پس اگر سلطان اسلام اعزاللہ نصرہ قضاۃ خود رابعد مدتے معینہ مثلاً پانزدہ سال یاماہ یا فرضادو سہ روز ازسماع دعوی نہی کند قاضیان بعدآں زمان درحق آں دعاوی معزول باشند سماع نامقبول دریں اختلاف استثنائے

گھر پر دعوی کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤ اس کا گریبان پکڑلیتا اور اس کے دعوی میں پیشرفت نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوی سب برابر ہیں۔ اے اللہ! مگراس صورت میں کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ یہ گھر عمرو کے مورث کی ملکیت میں تھا میں نے اس سے خرید لیا یا بطور ہبہ حاصل کیا ہے تو اس وقت دعوی کا معاملہ الٹ ہو جائے گا کہ زید مدعی اور عمرو مدعاعلیہ بن جائے گا، اور عرصہ درازتک زید کا اس میں تصرفات کرنا اس کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ دعوی کے لئے گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات۔ جیساکہ اہل تصرف پر پوشیدہ نہیں ہے۔ وجہ دوم بادشاہ اسلام کا منع کرنا۔ یہ ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیر میراث مختلف ہوتے ہیں۔ اسی میں کاروائی مدت کی حدبندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی ہے۔ اس میں تصرف کا صادر ہونا، مدعی کا آگاہ ہونا، رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور دھوکہ دہی کا ظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں ہوتے۔ اس کاروائی کا راز یہ ہے کہ قاضیوں کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ ہے اور قضاء زمانے، مکان، اشخاص اور دیگر جن اشیاء کے ساتھ بادشاہ خاص کردے

وقف وارث ومال یتیم وغائب وغیر ذلک ہمہ یا بعض یامطلقًا عدم استثناء از ہمیں جہت داشتہ است اسلطان ہر زمان آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند وآنکہ استثنا کرد استثناء فرمودند کہ اینجا کار برزبان شہریارست وبس وازیں بیان بوضوح پیوست کہ دریں وادی نیزارث وغیر اوہمہ متساوی الاقدام ست تاآنکہ اگر سلطانے قضاۃ خود رابعد یک سال مثلًا خاص از سماع دعوی ارث منع فرماید بالخصوص ہمیں دعوی ارث نامسموع باشد وغیر او مسموع والعکس بالعکس ایں ست ریں مقام تحقیق انیق وباللہ التوفیق سخن دریں باب درکتاب القضاء والدعاوی از فتاوٰی خودم قدرے درازرانده ام اینجا بر تلخیص عباراتے چند قناعت ورزیدن برازراہ اسہاب و اطناب گزیدن درفتاوٰی علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار ست سئل عن رجل له بیت فی دارلیسکنه مدة تزید علی ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور بناء وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفه فی المدۃ المذکورۃ فهل اذا ادعی البیت بعد	خاص ہوجاتی ہے، لہٰذا، اگر بادشہ اسلام اللہ تعالٰی اس کی نصرت کو غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک خاص مدت جیسے پندرہ سال یاپندرہ مہینے یا بالفرض دوتین دن کے بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی صاحبان اس مدت کے بعد ان دعووں کے حق میں معزول ہوجاتے ہیں اور ان کی طرف سے دعوی کی سماعت نامقبول ہوتی ہے۔اس مسئلہ میں میراث، وقف، مال یتیم اور مال غائب وغیرہ میں کل یا بعض کے استثناء یامطلقًا عدم استثناء کااختلاف اسی وجہ سے ہے کہ ہر دور کے بادشاہ نے جس کو مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھااور بادشاہ نے جسے مستثنٰی کردیا علماء نے بھی اسے مستثنٰی کردیا کیونکہ یہاں کاروائی فقط بادشاہ کی زبان پر ہے، اس بیان سے خوب وضاحت ہوگئی کہ اس وادی میں میرا اور غیر میراث برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے طورپر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو خاص دعوی میراث کی سماعت سے منع کردے تو خاص اسی دعوی میراث کی ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی

ماذکر تسمع دعواہ امر لا۔اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوٰی [1]۔درفتاوی علامہ خیرالدین رملی استاذ صاحب درمختار است سئل فی رجل اشتری من اخر ستة اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکور ان لہ ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ والحال ان امہ تنظر یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلك امر لا۔اجاب لاتسمع دعواہ لان علمائنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاواھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحوالبناء والغرس والذرع یمنعہ من	سماعت ہوسکے گی اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔اس مسئلے سے متعلق میں نے اپنے فتاوٰی کی کتاب القضاء اور کتاب الدعاوی میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اور یہاں پر بطور خلاصہ چند عبارتوں پر قناعت اختیار کرنا طوالت کاراستہ اپنانے سے بہتر ہے۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویرالابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیاگیاجس کے پاس کسی گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں رہتے ہوئے اس کو تین سال سے زائد عرصہ ہوچکاہے۔اس گھر کی ایک جانب شخص مذکور کا ایک پڑوسی رہتاہے اور شخص مذکوراس کمرے میں جس کا ذکر گزرچکاہے عمارت وتعمیر وغیرہ کاتصرف تین سالہ مدت میں کرتارہا جس پراس کاپڑوسی آگاہ تھا۔کیا مدت مذکورہ کے بعد اگروہ پڑوسی اس کمرے پر دعوی کرے تو اس کادعوی سنا جائے گا یانہیں؟آپ نے جواب دیامفتٰی بہ قول کے مطابق اس کادعوی نہیں سناجائے گا۔صاحب درمختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی کے

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی الامام الغزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لاتسمع دعواه ویجعل سکوته رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل و التلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع[1]۔	فتاوٰی میں ہے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیاگیا جس نے بائع کے زیر قبضہ زمین میں سے چھ ہاتھ زمین خرید کر اس کو تعمیر کیا اور اس میں تصرف کیا، پھر بعدازاں ایک شخص نے تعمیر کرنے والے شخص مذکور پر دعوی کردیا کہ اس فروخت شدہ زمین میں ساڑھے تین قیراط میرے ہیں جو مجھے ماں کی میراث سے ملے ہیں، حالانکہ اس کی ماں عمارت بنانے اور انتفاع مذکور کے تصرف کو دیکھتی رہی۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ توآپ نے جواب دیا اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ خصم کے مطلع ہوتے ہوئے مبیع میں مشتری کا تصرف اگرچہ وہ اجنبی ہو جیسے عمارت بنانا، درخت لگانا اور کھیتی باڑی کرنا اس کے دعوی کی سماعت سے مانع ہوتا ہے۔ صاحب منظومہ نے کہا ہمارے اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا اور دھوکہ دہی، لالچ، حیلے اور فریب کے خاتمہ کے لئے اس کی خاموشی کو بیع کے ساتھ رضامندی قرار دیا جائے گا۔ اس کی بوقت بیع وہاں موجودگی اور منازعت کے ترک کرنے کو
ہمدران ست سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدود انه مبلکه ورثه عن والده فاجابه المدعی علیه انی اشتریته من والدك وعمّك وانی ذوید علیه من مدة تزید علٰی اربعین سنة وانت مقیم معی فی بلدة ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوٰی هل یکون ذٰلك	

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲ /۸۷و۸۸

من باب الاقرار بالتلقی من مورثیه اجاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علی الی بیّنة وصار المدعی علیه مداعیًا وکل مدعٍ یحتاج الی بیّنة ینوّربها دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیره اخذ باقراره ولو کان فی یده احقابا کثیرة لاتعد وهذا مالا یتوقف فیه[1]۔	اس بات کااقرار قرار دیا جائے گا کہ وہ بائع کی ملک ہے۔اسی میں ہے اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا جب زید نے عمرو پر ایک احاطہ سے متعلق دعوی کیاکہ یہ اس کاہے جو اسے اپنے والد سے بطور میراث ملاہے۔مدعی علیہ (عمرو) نے جواب دیا کہ میں نے یہ احاطہ تمہارے والد اور چچا سے خریدا تھا اور چالیس سال سے زائد عرصہ ہوا کہ میں اس پر قابض ہوں جبکہ تم میرے ساتھ اسی شہر میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اب تک دعوی سے خاموش رہے ہو حالانکہ کوئی عذر موجود نہ تھا جو تجھے دعوی سے روکتا۔کیا یہ عمرو کی طرف سے اس احاطہ کو زید کے مورثوں (باپ اور چچے) سے حاصل کرنے کا اقرار ہوگا؟ توآپ نے جواب دیا کہ ہاں مورث سے مِلک حاصل کرنے کادعوی، مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے مقر کی طرف ملکیت کے منتقل ہونے کادعوی ہے۔چنانچہ مدعی علیہ گواہ پیش کرنے کامحتاج ہوگا اس صورت میں مدعی علیہ مدعی بن جائے گا۔اور ہر مدعی ایسے گواہ پیش کرنے کامحتاج ہوتا ہے جس سے اس کادعوی ثابت ہو۔مذکورہ بالااقرار کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک عمرو کا قابض رہنا اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔یہ ترک دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کے باب سے ہے۔جو شخص دوسرے کے لئے کسی شیئ کے بارے میں اقرار کرلے

[1] فتاوی الخیریة کتاب الدعوی دار المعرفة بیروت ۲ /۸۰و۸۱

در عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ست رجل تصرف زمانًا فی ارض ورجل اٰخر رأی الار والتصرف ولم یدّع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ [1] اھ ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری لان مایمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث ثم البیع غیر قید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتھادی نص علی الفقھاء [2] کما رأیت ملقطًا۔ ہمدرانست سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ المدۃ من بلوغہ	تو وہ اپنے اقرار کے سبب سے پکڑا جائے گا اگرچہ وہ شیئ سالہا سال سے اس کے قبضہ میں ہو۔ اس مسئلہ میں توقف نہیں کیا جائے گا۔(ت) عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ تک ایک زمین میں تصرف کی اور ایک دوسرا شخص اس کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور دعوی نہیں کیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کی اولاد کا دعوی نہیں سنا جائے گا اھ مشائخ نے اس حکم کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ اور جو شیئ مورث کے دعوی کی صحت سے مانع ہو وہ وارث کے دعوی کی صحت سے بھی مانع ہوتی ہے۔ پھر بیع کی کوئی قید نہیں بلکہ محض تصرف پر مطلع ہونا دعوی سے مانع ہے اور یہ حکم بادشاہ کی طرف سے ممانعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے ملتقطا۔ اسی میں ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو زید پر اپنی ماں کی میراث کا دعوی کرنا چاہتا ہے جس کو فوت ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے۔ یہ عرصہ اس شخص کے عاقل بالغ ہونے کے

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

رشید اولم یدع بذٰلك ولامنعه مانع شرعی وھما مقیمان فی بلدة واحدة فھل تکون دعواہ بذٰلك غیرمسموعة للمنع السلطانی۔**الجواب** نعم والقضاء یجوز تخصیصه وتقییدہ بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة،اشباہ وفیھا الحق لایسقط بتقادم الزمان کذا فی الجوھرة قال الحموی السلاطین الاٰن یامرون قضاتھم ان لایسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث،ومقتضی ماافتی به الخیر الرملی ان الارث غیرمستثنی،وقد کتب احمد آفندی المھنداری علی ثلثة اسئلة بانه تسمع دعوی الارث ولایمنعھا طول المدة وکتب علی سؤال اٰخر انھا لاتسمع وصرح العلائی قبیل باب التحکیم باستثناء الوقف و الارث،ونقل المنلاعلی عن فتاوٰی علی اٰفندی مفتی الروم عدم سماعھا،ونقل مثله السائحانی عن فتاوی عبداللّٰه	بعد گزراہے اور اس نے دعوٰی نہیں کیاحالانکہ کسی شرعی مانع نے اس کو دعوٰی سے نہیں روکااور وہ دونوں ایک ہی شہر میں رہائش پذیر ہیں۔کیا بادشاہ کی طرف سے ممانعت کی وجہ سے اس کایہ دعوٰی نہیں سناجائے گا،جواب : ہاں،اور قضاء کو کسی خاص زمان ومکان کے ساتھ مختص اور مقید کرنا اور بعض تنازعات کواس سے مستثنٰی کردیناجائز ہے جیساکہ خلاصہ میں ہے(اشباہ)۔اسی میں ہے کہ زیادہ زمانہ کے گزرنے سے حق ساقط نہیں ہوتا جیساکہ جوہرہ میں ہے۔امام حموی نے کہا کہ اب بادشاہ اپنے قاضیوں کوحکم دیتے ہیں کہ وہ پندرہ سال کاعرصہ گزرجانے کے بعد کسی دعوٰی کی سماعت نہ کریں سوائے میراث اور وقف کے،اور خیرالدین رملی کے فتوے کا تقاضا یہ ہے کہ میراث مستثنٰی نہیں ہے۔احمد آفندی مہنداری نے تین سوالوں پرلکھاکہ میراث کے دعوٰی کی سماعت کی جائے گی اور طوالت مدت اس سے مانع نہ ہوگی جبکہ ایک اور سوال تحریر فرمایاکہ میراث کے دعوٰی کی سماعت نہیں کی جائے گی۔علائی نے باب التحکیم سے تھوڑا ساپہلے وقف اور میراث کے مستثنٰی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔منلاعلی نے مفتی روم علی آفندی کے فتاوٰی سے اس کاقابل سماعت نہ ہونا نقل کیا ہے۔اسی کی مثل سائحانی نے عبداللہ آفندی کے

آفندی فقد اضطرب کلامھم کما تری فی مسألة الارث والظاھر انه تارة ورد امر مع استثنائھا وتارة بدونه[1] اھ ملخصًا۔	فتاوٰی سے نقل کیا ہے، ان کے کلام میں جیسا تو دیکھ رہا ہے میراث کے بارے میں اضطراب پایا گیا ہے بظاہر کبھی تو اس کے استثناء کے ساتھ امر وارد ہوا اور کبھی بغیر استثناء کے۔ اھ ملخصًا۔ (ت)
دررد المحتار است لیس لھذا (یعنی منع الدعوی للسکوت مع الاطلاع علی التصرفات) مدة محدودة واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة اذا ترکت بلاعذر فذاك فی غیر ھٰذہ الصورة[2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ اس کے لئے (یعنی تصرفات پر مطلع ہو کر چپ رہنے کی سے دعوٰی کی ممانعت کے لئے) کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ رہا پندرہ سال کے گزر جانے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ ہونے کا معاملہ جبکہ بغیر عذر کے اس کو چھوڑا ہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۹: از شہر چاٹگام موضع نیاپارہ مرسلہ مولوی قدرت اللہ صاحب آخر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخصے وفات یافت یک زوجہ و والدہ ویک خواہر حقیقی ویک اُخت علاتی ویک برادر اخیافی ویک ابن العم گزاشت وجمیع مال وصیت برائے ابن العم کردہ بود، پس حکم وصیت چیست وتقسیم ترکہ چسان۔ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور وارثوں میں ایک بیوی، ماں، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچا کا بیٹا چھوڑا ہے جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچا کے بیٹے کے لئے کر دی تھی، اس وصیت کا حکم کیا ہے اور ترکہ کی رقم تقسیم کیسے ہوگی؟ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ (ت)

[1] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۶

الجواب:

برتقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر بعدادائے مہرزوجہ وغیرہ ہرچہ دین ذمہ متوفی باشد از باقی ماندہ ایک ثلث بے اجازت ورثہ وبیشتر ازاں بشرط اجازت وارثان بالغین نافذالتصرف بابن العم وصیۃً دہند ودو ثلث مابقے یاکم ترازاں ہرچہ ماند برپانزدہ بخش قسمت کردہ سہ سہم بزوجہ ودوبوالدہ وشش بخواہر عینیہ ودوباخت علاتیہ ودوبہ برادر اخیافی رسانند ایں درصورتیست کہ ہمہ ورثہ اصحاء بالغین زیادت برثلث تاحد معین کم از کل مال روا داشتہ باشند۔ واگرہیچ وارث اجازت نداد آنگاہ بعدادائے دیون بیش از ثلث بابن العم ندہند ودو ثلث باقی تمام وکمال برہمہ حساب بورثہ بخشش نمایند واگرہمہ اجازت وصیت درجمیع مال دادند پس بعداخراج دیون ہرچہ ماند جملہ بابن العم رسانند واگربعض اجازت تمام وصیت دادند وبعض نے یابعض نابالغ باشند آنگاہ حصہ اجازت دہندگان ہم بابن العم دہند واگراجازت بعض در زیادہ برثلث بہر تمام وصیت نبود مثلاً دردو ثلث تنفیذ

میراث سے کسی مانع اور مذکورہ وارثوں کے علاوہ کسی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مہر وغیرہ جو بھی فرض متوفی کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ترکہ کا ایک تہائی وارثوں کی اجازت کے بغیر اور اس سے زیادہ بالغ ورثاء جن کا تصرف نافذ ہوتا ہے کی اجازت سے چچا کے بیٹے کو بطور وصیت دیں گے جبکہ باقی دو تہائی یا اس سے کمتر جتنا بھی بچا ہے اس کو پندرہ حصوں پر تقسیم کرکے تین حصے بیوی کو، دوماں کو، چھ حقیقی بہن کو، دوعلاتی بہن کو اور دو اخیافی بھائی کو دیں گے، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام عاقل بالغ وارثوں نے ایک تہائی سے زائد کل مال سے کم معین حد تک کو جائز قرار دیا ہو۔ اگر کسی وارث نے اجازت نہ دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی سے زائد چچا کے بیٹے کو نہیں دیں گے اور باقی دو تہائی مکمل طور پر تمام وارثوں پر ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم کریں گے، اگر تمام وارثوں نے کل مال میں وصیت کی اجازت دے دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ باقی بچا وہ سارا چچا کے بیٹے کو دیں گے، اگر بعض وارثوں نے تمام وصیت کی اجازت دی اور بعض نے نہ دی یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو اجازت دینے والوں کا حصہ بھی

نمایند آنگاہ حصہ رسد از سہام مجیزان کم کنند۔ ابن العم اینجا اگرچہ اہل میراث ست ووارث راوصیت بے اجازت دیگرورثہ روانبود فاما ازانجاکہ اہل فرض چیزے برائے عصبہ نگزاشتند بلکہ مال برایشاں نیز تنگ آمد کہ حاجت بعول افتاد ابن العم وارث بالفعل نماند وصیت کہ ممنوع ست برائے وارث بالفعل ست نہ برائے ہرآنکہ مجرد اہلیت ارث دارد کما یرشد الیہ صدر الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لاوصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ[1] یا نہ بنی کہ وصیت برائے محجوب نیز از اہلیت واستحقاق ارث برکران نیست ہمیں تقدم دیگرے برو او را محجوب نمودہ است در تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہما است اوصی الاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ[2] الخ۔

چچا کے بیٹے کو دے دیں گے اور اگر بعض وارثوں کی ایک تہائی سے زائد کی اجازت تمام وصیت کے لئے نہیں مثلاً وہ دو تہائی تک وصیت کو نافذ کریں تو اس صورت میں اتنی مقدار تک اجازت دینے والوں کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ چچا کا بیٹا یہاں پر اگرچہ وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہے اور وارث کے لئے وصیت دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر یہاں چونکہ ذوی الفروض نے عصبہ کے لئے کوئی شیئ نہیں چھوڑی بلکہ خود ان پر مال کے سہام تن پڑ گئے جس کی وجہ سے عول کی ضرورت پیش آئی للذا چچا کا بیٹا بالفعل وارث نہ رہا اور وصیت کی ممانعت اس کے لئے ہے جو بالفعل وارث ہو نہ کہ محض وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہو، جیسا کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ تیری رہنمائی کرتا ہے کہ "بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ خبردار کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء کی مرضی سے ہو"۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محجوب کے لئے بالاجماع وصیت جائز ہے حالانکہ وہ بھی وارث بننے کی اہلیت واستحقاق سے خالی نہیں ہے بلکہ محض کسی دوسرے وارث کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے یہ میراث سے محروم ہوگیا ہے۔ تبیین الحقائق اور ردالمحتار

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹۹، کنزالعمال حدیث ۴۶۰۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

	وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی درا نحالیکہ وہ وارث تھا پھر میت کا بیٹا پیدا ہوگیا تو بھائی کے لئے وصیت صحیح ہوگئی۔(ت)
درشریفیہ فرمود الاخوۃ مع الاب لایجعلون کالموتٰی وان کانوا لایرثون معه لان اھلیۃ الارث ثابتۃ لھم وانما لم یرثوا فی ھذہ الحالۃ لفقدان الشرط وھو عدم الاب[1]۔	شریفیہ میں فرمایا کہ باپ کی موجودگی میں میت کے بھائیوں کو مردوں کی طرح نہیں بنایا جائے گا اگرچہ باپ کے ہوتے ہوئے وہ وارث نہیں بنتے کیونکہ ان کے لئے وارث بننے کی اہلیت ثابت ہے مگر اس حالت میں وہ اس لئے وارث نہیں بنتے کہ ان کے وارث بننے کی شرط مفقود ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی۔(ت)
بلکہ حجب بجہۃ آں کہ اصحاب فرائض ہیچ نگزاشتند ودخل دراخراج او از زمرہ ورثہ است بہ نسبت حجب وارث اقرب زیراکہ آنجا فقد شرط است وانیجا فقدان محل کہ عصبہ را محل وراثت نیست مگرمالیکہ ازذوی الفرائض باقی ماند، درسراجیہ فرمود العصبۃ کل من یاخذ من الترکۃ ما ابقتہ اصحاب الفرائض[2] الخ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	بلکہ عصبہ کا محجوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ اصحاب فرائض نے اس کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، اس کا دخل عصبہ کو وارثوں کے زمرہ سے خارج کرنے میں زیادہ ہے بنسبت وارث اقرب کے وارث ابعد کو محجوب کرنے کے، کیونکہ وارث اقرب کے سبب سے ابعد کے محجوب ہونے میں شرط مفقود ہے جبکہ صورت مذکورہ میں عصبہ کے محجوب ہونے میں محل مفقود ہے۔ اس لئے کہ عصبہ کے لئے وراثت کا محل نہیں سوائے اس مال کے جو اصحاب فرائض سے باقی بچ جائے۔ سراجیہ میں فرمایا کہ عصبہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصحاب فرائض سے بچا ہوا ترکہ لے لے الخ، یہ وہ ہے جو میرے پاس تھا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۰

[2] السراجی فی المیراث مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۴ و ۵

مسئلہ ۱۰۰: از لکھنؤ محلّہ باغ قاضی مکان داروغہ منشی مظفر علی مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بریلوی ثم اللکنوی رجب ۱۳۲۱ھ

بعد آرزوئے قدمبوسی معروض خدمت یہاں دربارہ ترکہ جھگڑا ہے، فرنگی محل کے علماء نے ترکہ زوجہ اور ہمشیر اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کی لڑکیوں کو مجوب کیا ہے مقصود صرف اس قدر ہے کہ ان بھتیجوں کو کسی وجہ سے ترکہ پہنچتا ہے جبکہ متوفی کے روبرو ان کے والد فوت ہو چکے ہیں فقط۔

الجواب:

فی الواقع جب تک دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد باقی ہے اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتے کا ہو اس کے سامنے سگی بھتیجیاں کچھ نہیں پاسکتیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اصحاب فرائض کو ان کے مقررہ حصے دو جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اس کو امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از شہر کہنہ ۲۵ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک باپ اور دوماں سے تین بیٹے ہیں، پہلی بیوی سے سید محرم علی اور دوسری بیوی سے سید وزیر علی سید منیر علی پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سید محرم علی صحبت شیعہ میں شیعہ ہوگئے اب ان کا انتقال ہوا موافق وصیت کے تجہیز و تکفین ان کی شیعوں نے کی اسباب ان کا مالیت تخمیناً ۔ کا ہے یہ اسباب بموجب شرع شریف سید وزیر علی و منیر علی اور ہمشیران پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲ /۳۴ و جامع الترمذی ابواب الفرائض ۲ /۳۱، مسند احمد بن حنبل ۱ /۳۲۵

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ سید محرم علی کے عقائد مثل عقائد اکثر روافض زمانہ حد کفر تک پہنچنا معلوم نہیں، نہ کبھی ان سے کوئی بات ایسی سنی۔ اور سید وزیر علی وسید منیر علی اور دونوں سیدانیاں غنی نہیں۔ پس صورت مذکورہ میں وہ مال انہیں چاروں بہن بھائیوں کو چھ حصے کرکے دیا جائے کہ دو حصے ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو کہ اگر محرم علی کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ یہ بہن بھائی وارث ہیں اور اگر پہنچ گئے ہوں تو اس میں سے جتنا مال محرم علی کے زمانہ اسلام کا کمایا ہوا ہو اس کے بھی وارث یہی بہن بھائی ہیں۔

فان کسب المرتد فی الاسلام لورثة المسلمین کما نص علی فی الدر[1] وغیرھا عامة الکتب۔	مرتد نے جو حالت اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لئے ہے جیسا کہ درو غیرہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

اور جتنا مال زمانہ کفر کا کمایا ہوا ہو وہ حق فقرائے مسلمین ہے اور یہ بہن بھائی بھی فقراء ہیں اغنیاء نہیں، تو ہر حال میں انہیں اس مال کا استحقاق ہے،

وفی قسمته علیهم اثلاثا خروج عن العهد بیقین کما عرفت۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ان پر مال تین حصے بناکر تقسیم کرنے میں یقینی طور پر ذمہ داری سے فراغت ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی محلّہ کہنہ منشی شرافت علی بتاریخ ۷ ۲ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید قرضدار تھا اور اسی عرصہ میں فوت ہوگیا تو فرمایئے کہ اس کا ترکہ قرضداروں کو ملنا چاہیئے یا کہ بی بی کا مہر ملنا چاہیئے یا عزیزوں کو ملنا چاہیئے اور بعد وفات اپنے شوہر کے بی بی نے کچھ قرضہ اپنا زیور فروخت کرکے قرضداروں کو دیا تھا مگر وارثوں نے قرض ادا کرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا، تو فرمایئے کہ وقت تقسیم ترکہ کے پہلے قرضداروں کو ملنا چاہیئے یا کہ مہر بی بی کا ملنا چاہیئے یا اور وارثوں کو، اور ترکہ اس قدر نہیں ہے جو کہ سب کو کافی ہوسکے اور مہر بی بی کا بھی ویسا ہی قرضہ ہے جیسا کہ دوسرے قرضداروں کا یا نہیں، اور مہر کا

---

[1] الدالمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

دعوی اگر عورت تین سال یا کچھ زائد تک نہ کرے وہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مہر ویساہی دین ہے جیسا کہ دیون۔ اور مہر اور تمام دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہیں جب تک مہر وغیرہ سب دیون ادا نہ ہولیں وارثوں پر تقسیم نہ ہوگی۔ مہر اور دیگر دیون کو جب کہ جائداد کافی نہ ہوگی تو مع مہر سب حصہ رسد ادا ہوں گے۔ مہر کا دعوی تین برس تک عائد نہ کرنے سے مہر شرعًا ہرگز ساقط نہیں ہوتا یہ محض جھوٹ ہے۔ شوہر کا جو قرضہ عورت نے بطور خود اپنا زیور بیچ کر ادا کیا ہے وہ اب عورت کا دین ترکہ پر ہوگیا مہر کے ساتھ اس کا بھی حصہ اس کے لئے لگایا جائے گا اگر اس نے باقی وارثوں سے ترکہ میں واپس لینے کی شرط نہ کرلی ہو ہاں اگر عدم واپسی کی شرط کرلے کہ یہ میں اپنی طرف سے ادا کرتی ہوں اور واپس نہ لوں گی تو البتہ اس قدر کی واپسی کا استحقاق نہ ہوگا، جامع الفصولین میں ہے:

ولو استغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه اواداہ وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لو ادی من مال نفسه مطلقا بلاشرط تبرع او رجوع یجب له دین علی المیت فتصیرالترکة مشغولة بدینه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو کوئی وارث بطور میراث اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری قرار دے دے یا کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کردے اور ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط لگادے لیکن اگر وارث نے مطلقًا یعنی تبرع یا رجوع کی شرط کے بغیر اپنے مال سے قرض ادا کردیا تو میت پر اس وارث کا قرض لازم ہو جائے گا اور ترکہ اس کے قرض میں مشغول ہوجائے گا۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از بیرم نگر ڈاک خانہ شیر گڑھ ضلع بریلی مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک زوجہ، چار بھانجیاں اور چار چچازاد بہنیں

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۲

چھوڑیں۔ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پاؤ گے۔)

الجواب:

مسئلہ ۱۶

زوجہ	ابن الاخت	ابن الاخت	ابن الاخت	ابن الاخت	بنت العم	بنت العم	بنت العم	بنت العم
۴	۳	۳	۳	۳	م	م	م	م
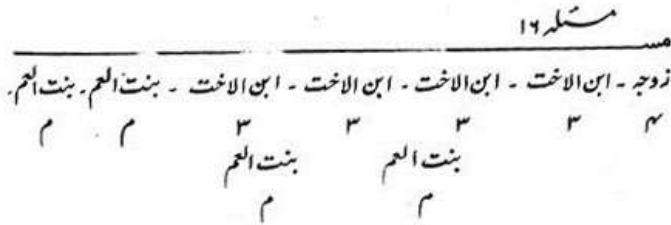
برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید کا سولہ سہام ہو کر چار سہم زوجہ اور تین تین ہر بھانجی کو ملیں گے اور چچازاد بہنیں کچھ نہ پائیں گی۔

من الصنف الثالث جزء ابوی المیت مقدم علی الصنف الرابع جزء جدیه۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تیسری قسم سے میت کے والدین کی جزء چوتھی قسم سے اس کے دادا کی جزء پر مقدم ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴: ازلاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی ایک منکوحہ ہے اور منکوحہ سے جو فوت ہو گئی ہے ایک لڑکا ہے۔یہ ایسی صورت ہے کہ متوفی کی منکوحہ کو آٹھواں حصہ متوفی کے متروکہ مال سے پہنچے اس شخص متوفی پر دَین بھی ہے کہ متوفی کے اس متروکہ سے دلوایا جاسکتا ہے۔پس اگر منکوحہ مذکورہ اپنے آٹھویں حصہ کو دین کے ادا سے بچالے اور یہ چاہے کہ اولاد متوفی کے دَین کے بارکے متکفل ہوں اور میرا حصہ خالص رہے،پس ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ قاضی شرع دین کا حساب اس آٹھویں میں بخوبی دے گا یا اس پر جبر نہیں کرسکتا؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عورت کا مہر اگر باقی ہے تو وہ بھی مثل سائر دیون ایک دَین ہے اس کے ذریعہ سے حصہ رسد ثمن سدس نصف ثلث کم زائد جو کچھ پڑے اپنے لئے بچاسکتی ہے مگر یہ خواہش کہ ترکہ سے اپنا ثمن حق زوجیت بذریعہ وراثت جدا کرے اور دیون صرف ورثہ کے سہام پر ڈالے

یہ محض باطل تغییر حکم شرع ہے۔

قال تعالٰی "فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ"[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان (بیویوں) کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کو نکالنے کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از قصبہ چاندپور ضلع بجنور متصل تھانہ مرسلہ مولوی حکیم سید مشتاق حسین صاحب

کیافرماتے ہیں مفتیان شرع متین وعلمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ترکہ میں کچھ جائداد موروثی چھوڑی تھی اور نو (۹) وارث چھوڑے تھے تین فرزند چھ دختران، اور ہر کوئی اپنے حصے کا شرعًا مالک قرار دیا گیا مگر قبضہ اور تصرف فرزندوں کا رہا اور ہنوز ہے لیکن منجملہ دختران کے ایک دختر کے دوفرزندوں میں سے ایک فرزند جو عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے فی الحال انتقال کیا اس عورت کے حصہ کا جو اپنے خاوند مفقود الخبر کے حصہ کی مالک متصور تھی اب کون قرار دیا جائے اور کس کا نام کتاب میں درج ہو، آیا مفقود الخبر کا بھائی ہوگا یا اس عورت کا بھائی ہوگا یا حقیقت عود کرکے حصہ داران مذکوران تین فرزندان کو جواب تک مالک وقابض ہیں پہنچیں گے؟ **بیّنوا توجروا**۔ فقط

الجواب:

سائل نے کچھ نہ بتایا کہ یہ مفقود الخبر اپنی ماں کے انتقال سے پہلے مفقود ہوا تھا یا بعد، اگر زندگی مادر میں مفقود الخبر ہوچکا تھا تو ہنوز اس کا استحقاق حصہ مادر میں ثابت ہیں، جتنے ورثہ مادر بحال موت وحیات مفقود الخبر ہر حال میں جس قدر یقینی پائیں گے اتنا ان کو دے کر باقی موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ مفقود الخبر کی موت وحیات کا حال معلوم ہو یا اس کی عمر ستر سال گزر جائیں اور کچھ حال نہ کھلے پس اگر وہ زندہ ثابت ہو تو حصہ خود اس کا ہے اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت نہیں اور اس مدت تک کچھ حال نہ ظاہر ہو یا ثابت ہو کہ وہ اپنی ماں سے پہلے مرچکا تھا تو خود اس کے لئے وراثت نہیں اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت کیسے ثابت ہوگی، اور اگر ثابت ہو کہ ماں کے بعد مرا تو اگر موت زوجہ بھی اس کی موت سے پہلے ہے زوجہ کے لئے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وراثت نہیں جو حصہ اسے ماں سے پہنچا اسی کے بھائی وغیرہ ان وارثوں کا ہے جو موت مفقود کے بعد زندہ تھے اور اگر معلوم ہو کہ زوجہ سے پہلے مراتو زوجہ بھی وارثہ ہے اور مفقود کے بھائی بھی وارث ہیں، جو حصہ حصہ مفقود میں زوجہ کو پہنچے اس کا وارث زوجہ کا بھائی ہے یا اور جو وارث زوجہ ہو، دیگر وارثان مفقود کا اس میں حق نہیں، اوا گر وہ شخص اپنی ماں کی موت کے بعد مفقود الخبر ہوا تو متروکہ مادر میں اس کا حصہ ثابت ہو لیا اب وہ حصہ تقسیم نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی موت وحیات ظاہر ہو یا اس کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں، اگر ستر سال گزریں اور کچھ حال موت وحیات مفقود الخبر معلوم نہ ہو تو زوجہ مفقود اور نیز وہ تمام اشخاص جو اس ستر سال گزرنے سے پہلے مر چکے ہوں گے کچھ نہ پائیں گے، اس ستر سال گزرنے کے وقت جو وارثان شرعی مفود کے لئے ہوں وہی مستحق ہوں گے اور اگر عمر کے ستر سال گزرنے سے پہلے ظاہر ہو جائے کو مفقود زندہ ہے تو مال اس کا ہے زوجہ وغیرہا کوئی وارث نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ موت زوجہ کے بعد مرا تو زوجہ وارث نہیں مفقود کے بھائی وغیرہ جو ورثہ موت مفقود پر رہے ہوں وہ پائیں گے، اور اگر ظاہر ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو جو حصہ زوجہ کو پہنچے اس کے وارث زوجہ کے بھائی وغیرہ ہیں نہ کہ دیگر وارثان مفقود۔ اگر مفقود اپنی ماں کے بعد مفقود ہوا تو اس کے حصہ میں اسی کی مالکیت مندرج رہے گی یہاں تک کہ حال کھلے یا ستر ۷۰ سال گزریں اور حسب تفصیل بالا ورثہ کی طرف انتقال ہو، اور اگر موت مادر سے پہلے مفقود ہو تو جس قدر موقوف رکھا جائے گا اس میں ہنوز کسی کا نام درج نہیں ہو سکتا بلکہ حصہ موقوفہ از ترکہ فلاں بانتظار فلاں مفقود تامدت بست ۲۰ سال ازیں تاریخ حاضر اور پچاس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو بجائے بست ۲۰ سال دہ ۱۰ سال لکھیں وعلٰی ھذا القیاس۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۶: شہر بریلی محلّہ بھوڑون نوازی میاں ۱۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ساتھ تعین مہر بدون گواہوں کے ایجاب قبول کرلیا۔ اور زید کا ہندہ کو حمل رہ گیا اور زید مر گیا، اب ہندہ داد خواہ ہے ترکہ زید سے اپنے اور اپنے لڑکے کے حصہ کی۔ وارثان زید کہتے ہیں کہ تیرا حصہ نہیں چاہئے ہم تجھ کو نہیں دیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر جس وقت زید نے ہندہ سے ایجاب وقبول کیا تھا دو مرد مسلمان یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان وہاں موجود تھے اور ان کا ایجاب وقبول سن رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے جب تو نکاح ہوگیا، ہندہ اور اس کا لڑکا دونوں ترکہ زید میں اپنے اپنے حصے کے مستحق ہیں کچھ اس کی ضرورت نہیں کہ خاص کرکے دو۲ شخصوں کو گواہی کے ساتھ نامزد کیا جائے جبھی تو نکاح ہوا اور اگر واقع میں اس وقت زید وہندہ تنہا تھے یا فقط ایک مرد یا صرف چند عورتیں یا کچھ غیر مسلمان کفار موجود تھے اور زید وہندہ نے ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح نہ ہوا ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں مگر بیٹا حصہ پائے گا۔

لان النکاح بغیر شھود فاسد لاباطل والصواب التفرقة بین فاسد النکاح وباطله کما تشھد به فروع جمة وماشاع علی السنة من ان النکاح لاینعقد الا بشھود فالمراد الصحة بقول الدر یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ھوالذی فقد شرطاً من شرائط الصحة کشھود [1] الخ۔ وفی ردالمحتار عن النھر ،ان النکاح له فی قولھم فرق۔ [2] فسخ طلاق وھٰذا الدر یحکیھا تبائن الدار مع نقصان مھر کذا فساد عقد وفقد الکفؤ ینعیھا الٰی قوله وتلك الفسخ یحصیھا [3]	کیونکہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہے باطل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ فاسد اور باطل نکاح میں فرق کیا جائے گا جیسا کہ تمام فروع اس پر گواہ ہیں، اور عام لوگوں کی زبانوں پر جو مشہور ہو گیا ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اس سے مراد نکاح کا صحیح ہونا ہے۔ در کے قول کے مطابق کہ نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے گواہوں کی موجودگی الخ۔ رد المحتار میں نہر سے منقول ہے کہ مشائخ کے قول میں نکاح کی جدائیاں کئی قسم پر ہیں فسخ اور طلاق۔ اور موتی جیسی یہ نظم ان کو بیان کرتی ہے۔ پہلی جدائی اختلاف دار، دوسری مہر کی کمی کے ساتھ نکاح کرنا، اسی طرح تیسری عقد کا فاسد ہونا

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[3] الدالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

قال فی ردالمحتار بعد ماابدل الشطر الاول الیٰ ما ذکرنا لتصحیح الوزن،قوله فساد عقد کان تزوج بغیر شهود[1] اھ فهذا ایضاً نص انه اذا نکح بغیر شهودتکون الفرقة فیه فسخاً ومعلوم ان لافسخ الا بانعقادثم المرأة لاترث بالنکاح الفاسد بل الولد فی الدر المختار یستحق الارث بنکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولاباطل اجماعاً[2] قال الشامی قوله،بفاسد هو ما فقد شرط صحته کشهود ولاباطل کالمتعة[3] اھ و فیه اٰخر باب ثبوت النسب انه نکاح باطل،فالوطء فیه زنا لایثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فیثبت	اور چوتھی کفو کا مفقود ہونا عورت کو موت کی خبر سناتا ہے اس قول تک کہ ان سب جدائیوں کو فسخ جمع کرتا ہے۔ردالمحتار میں قسم اول کو جہاں تک ہم نے بیان کیا وزن کی تصحیح کے لئے کچھ تبدیل کرنے کے بعد فرمایا کہ ماتن کا قول "فساد عقد" جیسے کسی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیا ہو اھ۔تو یہ بھی اس پر نص ہے کہ اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیا تو جدائی بطور فسخ ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ فسخ بغیر انعقاد کے نہیں ہوتا پھر نکاح فاسد کے ساتھ عورت وارث نہیں ہوتی بلکہ اولاد وارث ہوتی ہے۔در مختار میں ہے کہ میراث کا استحقاق نکاح صحیح کے ساتھ ہوتا ہے نکاح فاسد اور نکاح باطل کے ساتھ بالاتفاق میراث جاری نہیں ہوتی۔شامی نے کہا کہ ماتن کے قول "نکاح فاسد میں میراث جاری نہیں ہوتی" میں نکاح فاسد سے مراد وہ نکاح ہے جس میں کوئی شرط صحت مفقود ہو جیسے گواہوں کا موجود ہونا اور "نہ نکاح باطل میں میراث جاری ہوتی ہے" نکاح باطل کی مثال جیسے نکاح متعہ اھ۔اور اسی میں باب ثبوت نسب کے آخر میں ہے کہ نکاح متعہ باطل ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۶

به النسب ولذا تکون بالفاسد فراشا لابالباطل، رحمتی[1]۔	اس میں وطی کرنا زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا بخلاف نکاح فاسد کے۔ کیونکہ وہ وطی ہے شبہہ کے ساتھ جس سے نسب ثابت ہوجاتا ہے۔اسی لئے عورت نکاح فاسد کے ساتھ فراش ہوجاتی ہے نہ کہ نکاح باطل کے ساتھ، رحمتی۔ (ت)

ہاں عورت اپنا مہر بہرحال پائے گی لحصول الوطء کما تقدم، واللہ تعالٰی اعلم (وطی کے حاصل ہوجانے کی وجہ سے، جیسا کہ گزرچکا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۷: ہدایت علی شہر کہنہ بریلی ۱۴ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور اس کے دولڑکیاں تھیں، ایک لڑکی جو زید کی حین حیات میں فوت ہوگئی اس کا ایک لڑکا فی الحال موجود ہے اور ایک لڑکی اور تین چچازاد بھائی عمر، بکر، خالد بعد فوت ہونے اپنے وارث چھوڑے، عمر بڑے چچا کا لڑکا اپنی شریف خاندانی منکوحہ ماں سے ہے اور دوسرے چچا کا لڑکا ایک چمارن غیر منکوحہ عورت سے ہے جس کا ختنہ بھی نہیں ہوا ہے، اور تیسرے چچا کا لڑکا ایک رنڈی سے ہے جس کے نکاح کی تصدیق نہیں، اس صورت میں ترکہ کی تقسیم کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

مکرر یہ ہے کہ زید مذکور کی تین بہنیں تھیں اور دس بسوہ اراضی زید کو اور اس کی تینوں بہنوں کو موروثی باپ کے ترکہ سے ملی تھی۔ایک بہن زید کی لاولد فوت ہوگئی اور دو بہنیں وہ بھی زید کے سامنے فوت ہوگئیں مگر ان دوکے اولاد ہے ایک بہن کے ایک لڑکا، دوسری کے تین پسر اور ایک دختر، تو اب زید کے ان بھانجی بھانجوں کو ترکہ زید کا جو کہ اراضی تعدادی دس بسوہ ہے اور زید حین حیات میں اپنے بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا اور بعد فوت اپنی تینوں بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا کسی طرح تقسیم ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے ظاہر کیا کہ چماری کا نکاح نہ ہوا تھا، نہ یہ لڑکا زید کے چچا کا تھا بلکہ چماری کے ساتھ آیا اور اس رنڈی کو پردہ نہ کرایا تھا بلکہ اخیر تک ویسی ہی بے پردہ پھرتی رہی اور اس کے

---
[1] ردالمحتار باب ثبت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۳

نکاح کا کوئی ثبوت نہیں اگر یہ بیان واقعی ہیں تو زید کا ترکہ حسب شرائط معلومہ دو حصے ہوں کر نصف دختر موجودہ زید اور نصف بڑے چچا کے لڑکے کو ملے گا جو منکوحہ سے ہے اور باقی دونوں لڑکے اور بھانجے اور بھانجیاں سب محروم ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۸: از قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ڈیوڑھی کلاں ۲۲ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادھم اللہ شرفاکہ زید اور بکر دو بھائی حقیقی تھے، زید کا لڑکا عمرو اور عمرو کالڑکا حامد اور حامد کی لڑکی ہندہ یہ لاولد فوت ہوئے زید کے لڑکے عمرو نے حامد کو بایں شرط اس مضمون کی وصیت تحریر کی "ہماری موروثی جائداد خاندان دیگر ونسل وغیرہ میں منتقل نہ ہوگی" بعد فوت عمرو کے حامد قابض جائداد ہوئے حامد نے بھی ایک وصیت سعیدہ یعنی زوجہ خود ونیز دختر ہندہ کو حسب شرائط تحریر کی "یعنی زوجہ منکوحہ سعیدہ اپنی حیات تک منتظم ومنصرم رہے گی، بعد وفات اس کے ہندہ نسلاً بعد نسل مالک و وارث کل جائداد کی ہوگی" چونکہ ہندہ بموجودگی مسماۃ سعیدہ اپنی والدہ کے فوت ہوئی اور بعد چندسال کے سعیدہ بھی فوت ہوگئی جوکہ خاندان غیر سے تھی اور بکر کے دو دختر یعنی زاہدہ اور عابدہ۔ زاہدہ منسوب چچازاد بھائی عمرو کو جس کالڑکا حامد اور حامد کی ہندہ جولاولد فوت ہوئی بلکہ شاخ بھی ختم ہوگئی باقی رہی عابدہ جو منسوب ہوئی محمود کو جن سے ہوئے خالد اور ان سے ہوئے ولید حی القائم، پس بموجب شرع شریف حنفی المذہب کے تقسیم حصص کیاہے اور وارث جائز کون ہے جبکہ عصبہ وذوی کوئی نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پاؤگے۔ت) شجرہ مندرجہ ذیل ہے:
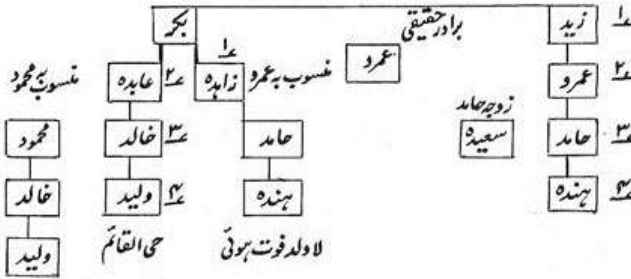
الجواب:

یہ سوال مجمل ہے معلوم نہیں کہ بکر کے بعد زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا یا نہیں، نہ معلوم کہ عابدہ کا شوہر محمود عابدہ سے پہلے مرا یا بعد، اگر بعد کو مرا تو اس کے ماں یا باپ یا دوسری زوجہ اور اولاد سوائے ولید تھی یا نہیں، بہر حال حکم یہ ہے کہ عمرو حامد کی وصایائے مذکورہ باطل وبے اثر ہیں، وہ تغییر حکم شرع جس پر کسی کو قدرت نہیں، پس صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض ایک بھائی زید کا جو کچھ متروکہ ہے تمام وکمال وارثان سعیدہ کو پہنچے گا سعیدہ کا جو کوئی وارث وقت موت سعیدہ موجود تھا اس تمام حصہ کا مالک ہے،

لان مالزید وصل لابنه حامد ومنه لعرسه سعیدة و بنته هندة ومن هندة لامها سعیدة لان ذوی الارحام لاارث لهم مع اصحاب الفرائض فجمعت سعیدة کل مالزید۔	اس لئے کہ جو کچھ زید کا ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملا پھر حامد سے اس کی بیوی سعیدہ اور بیٹی ہندہ کو ملا پھر ہندہ سے اس کی ماں سعیدہ کو ملا کیونکہ اصحاب فرائض کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں بنتے تو اس طرح جو کچھ زید کا تھا وہ تمام سعیدہ کو پہنچ گیا (ت)

رہا دوسرے بھائی بکر کا حصہ، اس میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ انتقال بکر کے وقت زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا اس تقدیر پر حصہ بکر سے دو تہائی وارثان سعیدہ کا ہے۔

لانه یصیرا ثلاثا بین بنته والعصبة فماکان للعصبة یصل سعیدة کما قدمنا وماکان لزاهدة تصیر لابنها حامد ومنه الی سعیدة۔	اس لئے کہ وہ بکر کی بیٹی اور اس کے عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے لئے ہے وہ سعیدہ کو پہنچے گا جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اور جو کچھ زاہدہ کے لئے ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملے گا اور اس سے سعیدہ کو پہنچے گا۔ (ت)

دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی وقت انتقال بکر زندہ نہ تھا اس صورت میں حصہ بکر کا نصف وارثان سعیدہ کا ہے،

لانه ینتصف بین بنتیه فماکان لزاهدة یصل	کیونکہ وہ اس کی دو بیٹیوں کے درمیان نصف نصف ہوگا پھر جو کچھ زاہدہ کو ملا وہ سعیدہ

لھم کما تقدم۔	کے وارثوں کو پہنچے گا، جیسا کہ گزر چکا۔(ت)

باقی حصہ بکر کا ایک ثلث یانصف وہ خاص ولید کے لئے ہے، اگر محمود عابدہ سے پہلے مر گیا ہو یا بعد کو مرا اور سوا ولید کے محمود کا بھی کوئی وارث مثل مادر یا پدر یا زوجہ ثانیہ یا اولاد محمود از زوجہ دیگر نہ تھا ورنہ اس تہائی یا نسف کے تین ربع ولید کے لئے بلا شرکت ہیں اور ایک رع میں کہ عابدہ سے محمود کو پہنچا باقی وارثان محمود کے ساتھ ولید کا ہے جب تک بقیہ ورثہ محمود کی تعیین نہ ہو یا بتانا ناممکن ہے کہ اس ربع سے ولید کو کیا پہنچے گا۔

بالجملہ مجموع جائداد زید وبکر کے اڑتالیس حصے کریں، پھر اگر انتقال بکر کے وقت حامد زندہ تھا تو چالیس حصے وارثان سعیدہ کو دے دیں اور باقی آٹھ ولید کو اگر محمود کے اور وارث کا استحقاق نہ ہو، ورنہ آٹھ میں سے چھ ولید کو اور دو مع ولید جمیع ورثہ محمود پر تقسیم ہوں اور اگر حامد بکر سے پہلے مرا ہو تو اڑتالیس سے چھتیس حصے وارثان سعیدہ کو دیں باقی بارہ ولید کو اگر وارث محمود مستحق نہ ہو ورنہ بارہ سے نو ولید کو اور تین ولید وغیرہ دیگر ورثہ محمود پر منقسم ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑا، ترکہ زید میں سے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

پوتے کو کچھ نہ ملے گا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا ولی رجل ذکر[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔ت) بیٹے کے ساتھ پوتے کو حصہ دلانا کفار ہند کا مسئلہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ حاجی احمد اللہ خاں صاحب از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ بیوہ اپنی ایک حمیدہ اور ایک فہمیدہ اور دو دختر ایک جمیلہ اور ایک سعیدہ اور ایک پوتی کلثوم چھوڑ کر فوت ہوگئی اور بعد وفات

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

ہندہ اس کی دختر سعیدہ بھی فوت ہو گئی بعد چار یوم کے اور ہندہ کے دونوں فرزند اس کی حیات میں اس کی روبرو مر چکے تھے جن زوجہ حمیدہ اور فہمیدہ ہیں یعنی ان کے شوہر اور فہمیدہ کے بطن سے کلثوم ہے اور فہمیدہ حاملہ بھی اپنے شوہر سے ہے جو اپنی ماں کے روبرو فوت ہوئی تو ایسی صورت میں جمیلہ اور کلثوم دونوں وراثت ہندہ پائیں گی یا صرف جمیلہ دختر ہندہ اور حمل فہمیدہ قابل ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخیر وصحت ترتیب اموات وتقدیم ماتقدم اگر موت ہندہ کو چھ مہینے ابھی نہ گزرے یا گزر گئے ہیں تو جمیلہ کو تسلیم ہے کہ فہمیدہ اپنے شوہر سے حاملہ ہے تو ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر تقسیم کرکے نو سہم فی الحال جمیلہ کو دے دیں اور باقی کو سہم موقوف رکھیں اگر فہمیدہ کے لڑکا پیدا ہو تو ان میں سے سات سہم اسے اور دو کلثوم کو دیں اور اگر لڑکی ہو یا کچھ نہ ہو تو وہ نو سہم بھی جمیلہ کو دے دیں کلثوم وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از محلّہ پیچ ناتھ پاڑا مرزا عادل بیگ شہر رائے پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کے بعد اس کی بیوی اور دو۲ بھائی ہیں عورت حاملہ ہے۔ پس عند الشرع تقسیم مال کیسے ہوگا؟

زید
زوجہ — اخ — اخ

الجواب:

عورت کے حمل تک انتظار ہو تو بہتر ہے ورنہ ترکہ خالصہ (یعنی ادائے دیون ومہر ووصایا کے بعد جو بچے) اس کے بعد سولہ حصہ کرکے دو حصہ عورت کو بالفعل دے دیں باقی کسی کو کچھ نہ ملے یہاں تک کہ وضع حمل ہو اگر لڑکا پیدا ہو باقی چودہ حصے سب اس لڑکے کو دے دیئے جائیں اور بھائیوں کو کچھ نہ ملے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو باقی چودہ میں سے آٹھ حصے اس دختر کو دیں اور تین تین دونوں بھائیوں کو اور اگر بچہ زندہ نہ پیدا ہو یا موت مورث کو دو سال کامل گزر جائیں اور کچھ پیدا نہ ہو تو باقی چودہ میں سے دو حصہ زوجہ کو اور دے دیئے جائیں اور چھ چھ دونوں بھائیوں کو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲ تا ۱۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہائے ذیل میں کہ سائل بحوالہ کتب فقہ حنفی جواب چاہتا ہے **بیّنوا توجروا۔**

(١) عورت نے وقت وفات ایک زوج، ایک پسر، ایک دختر وارث چھوڑے۔ پسر نے بہ نظر ثواب یابغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دوہزار سات سو بلامشورت دیگر ورثاء تجہیز و تکفین وفاتحہ، چہلم وغیرہ مورث کاکیا، ورثاء کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں؟

الجواب:

بقدرسنت غسل وکفن ودفن میں جس قدرصرف ہوتاہے بقیہ ورثاء صرف اسی قدرکے حصہ رسد ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔ فاتحہ و صدقات وسوم وچہلم میں جو صرف ہوا یاقبر کوپختہ کیایااور مصارف قدرسنت سے زائد کئے وہ سب ذمہ پسرپڑیں گے باقی وارثوں کواس سے سروکار نہیں۔ طحطاوی کے حاشیہ میں ہے:

(تتمہ)التجهیز لایدخل فیه السبح والصمدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور الازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثة یحسب علی من نصیبه ویکون متبرعًا وکذا ان کان اجنبیا[1] الخ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	(تتمہ) میت کی تجہیز میں دعاوفاتحہ (سوم، چہلم وغیرہ) لوگوں کوجمع کرنا اوردعوت طعام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امورسے نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تواس کے حصے میں سے شمار ہوگا اور وہ متبرع ٹھہرے گا۔ یونہی اگر اجنبی نے ایسا کیا تو وہ بھی متبرع قرار پائے گاالخ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

(٢) صرف تجہیز و تکفین وفاتحہ وسوم وچہلم وعرس وغیرہ شرعًا کس قدر تبلیغ وراثت پرمقدم رکھاگیاہے؟

الجواب:

اس کاجواب جواب سوال اوّل میں ہوگیا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

(٣) شرعًا زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز و تکفین وفاتحہ وعرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہوسکتا ہے؟

الجواب:

تجہیز و تکفین میں اسی قدر جو عام مسلمانوں کے لئے صرف ہوسکتا ہے فاتحہ وعرس کے لئے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴ /٣٦٧

شرع سے کوئی مطالبہ نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

(۴) شرعًا لباس قیمتی اہل اللہ کا مریدان ومتعقدین کو تبرکًا ومساکین کو ثوابًا ایک وارث بلااستر ضا دیگر ورثا تقسیم کرسکتا ہے؟

الجواب:

قیمتی ہو یا کم قیمت، بلاوصیت مورث وبلارضائے دیگر ورثاء نہیں دے سکتا، جو کچھ دے گا وہ خاص دینے والے کے حصہ میں محسوب ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم

(۵) شرعًا صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے؟

الجواب:

سجادہ نشین وہ صاحب ہدایت عـــہ ہے کہ پہلے صاحب ہدایت کی وصیت یا مسلمانان ذی رائے کی تجویز سے اس کا جانشین بغرض ہدایت ہوا ہو در بارہ وراثت اس کو کسی وارث پر کوئی حق فائق نہیں یہ محض بے اصل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

(۶) شرعًا عرس سالانہ مورث ونذرونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ امور اگر بطور شرع شریف ہوں تو صرف مستحبات ہیں اور مستحب پر جبر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر مورث کوئی جائداد کسی مصرف خیر کے لئے وقف کردیتا تو اس کا اتباع ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم

(۷) شرعًا خانقاہ کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

یہ کوئی اصطلاح شرعًا مطہر نہیں عرف میں مکان مسند افاضۂ اولیاء کو خانقاہ کہتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

عـــہ: **اقول:** شرط اجازت ضروری ہے آج کل بہت لوگ صاحب سجادہ بطور وراثت بنادیئے جاتے ہیں اور وہ بیعت کرنے لگتے ہیں یہ حرام ہے۔ ۱۲

(۸) جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ مکانات مملوکہ مورث تھے تو ضرور تقسیم کئے جائیں گے جب تک کہ مورث نے ان میں کسی کو وقف صحیح شرعی نہ کر دیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۹) جس مکان کے گوشہ صحن میں قبور اہل اللہ یا قبور مورث واقع ہوں وہ مکان مع صحن بعد مستثنٰی کرنے اراضی قبور کے شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جبکہ وقف نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۰) جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح و مرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلاشرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اہنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضرورت میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مورث اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرچکا تھا تو اس کے فعل سے صراحۃً اس کا وقف نہ ہونا ثابت ہے اور جب وہ مملوک مورث ہے تو تقسیم بر ورثا سے محفوظی کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۱) فرش و شیشہ آلات و دیگر اسباب، منقولہ جو عرس اہل اللہ کے کار آمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مال اگر ملک خاص مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر وقف ہے یا مریدوں نے اس کام کے لئے لاکر دیا اور مورث کو مالک نہ کر دیا تھا تو تقسیم نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۲) جس مکان کو متعلق خانقاہ، مہمان خانہ یا لنگر خانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکر الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ملک مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر اس کا وقف ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہو تو منقسم نہ ہوسکے گا صرف اتنی بات سے کہ اس کا نام مہمان خانہ یا لنگر خانہ ہے یا اس میں سجادہ نشین رہتے یا اشخاص مذکورین قیام کرتے تھے وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۳) اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعًا اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

نہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۴) قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔

الجواب:

یہ محض جھوٹ ہے اور بددینوں کا مذہب ہے، اہل اسلام کے نزدیک جو طریقت شریعت کے خلاف ہو مردود ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ اکابر اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

"كل حقيقة ردته الشريعة فهي زندقة"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	"جس حقیقت کو شریعت رَد فرمائے وہ بے دینی ودہریت ہے"۔ اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

(۱۵) ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے؟

الجواب:

وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ ۱وارث غلام ہو یا ۲مورث کا قاتل یا ۳کافر ہو یا ۴دارالحرب میں رہتا ہو باقی کوئی ناقابلیت اسے اس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الرسالہ القشیریۃ ومن ذلك الشریعۃ والحقیقۃ مصطفی البابی مصر ص ۴۳، الحدیقۃ الندیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۶۹

(۱۶) کیا عورت بوجہ ناقابلیت فطرتی کے کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے؟

الجواب:

در بارہ حرمان وراثت مرد وعورت کا ایک ہی حکم ہے، عورت فطرتی طور پر صرف اس وجہ سے کہ عورت ہے ہر گز قابل محرومی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاص اس کا روپیہ تھا اس کے سوا کسی کا ایک حبہ نہیں تھا اس کے خاوند (زید) نے اس روپیہ سے ایک مکان اپنے نام خرید کیا اور وہ فوت ہوگیا اور اس کا گور وکفن اس کی بیوی نے سب اپنے پاس سے کیا اور مبلغ ۵۰ روپیہ اس کے خاوند نے مکان پر قرض لئے تھے وہ قرض ادا نہیں ہوئے وہ کس کس کو ادا کرنا چاہئے اور اس کے خاوند نے اپنی بیوی کو چھوڑا ہے اور دو بیٹی ہیں اور ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے ہیں اب کس کس کو پہنچتا ہے؟

الجواب:

شوہر نے جو قرض لیا تھا وہ زید کے مال سے ادا ہوگا اس کے بعد وارثوں پر تقسیم ہوگا، اور مکان کہ زید نے اپنی بیوی کے روپے سے اپنے لئے خریدا اس کا مالک زید ہوا پھر اگر وہ روپیہ بے اجازت عورت سے لے کر دیا تھا یا عورت نے قرضًا دیا تھا تو اتنا روپیہ عورت کا ذمہ شوہر قرض رہا اور اگر گواہان شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے وہ روپیہ شوہر کو ہبہ کر دیا تھا تو ہبہ ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں اور گور وکفن جو بیوی نے بقدر سنت کیا اس قدر ترکہ میں سے مجرا پائے گی اس سے زائد جو فاتحہ ودرود وغیرہ میں اٹھایا وہ کسی سے مجرا نہ ملے گا، بالجملہ جو کچھ اس مکان وغیرہ تمام ترکہ شوہر پر دَین ثابت ہو مثلًا عورت کا مہر اور وہ پچاس روپیہ اور بقدر سنت گور وکفن کا صرف اور مکان کی قیمت کا روپیہ جب کہ عورت کا شوہر کو ہبہ کر دینا نہ ہو اور ان کے سوا اور جو کچھ شوہر پر دین ہو سب ترکہ سے ادا کرکے اگر کچھ بچے تو باقی کے تہائی میں شوہر نے اگر کوئی وصیت کی ہو نافذ کریں اس کے بعد جو باقی بچے اس کے چوبیس حصہ حسب شرائط فرائض ہو کر تین حصے زوجہ اور آٹھ آٹھ ہر بیٹی اور پانچ بہن کو پہنچیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹: ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نیاز احمد کے دو زوجہ زینب، ننھی، دونوں کا مہر ۵۰۰ /۵۰۰، جائداد ۲۰۰ روپے کی۔ پہلی بیوی شوھر سے پہلے مروی جس کے وارث زوج نیاز احمد، باپ جیون بخش، چار دختر آمنہ، فضلو، نورالنساء، بیگما۔ ان میں بیگما نے انتقال کیا۔ زوج عبدالرزاق، باپ نیاز احمد، دختر شہر بانو وارث چھوڑے، عبدالرزاق کی وارث یہی دختر ہی۔ نیاز احمد نے وفات پائی تو زوجہ ثانیہ اور اس کے بطن سے ایک پسر نقو، ایک دختر متین، اور تین دختر زوجہ اولٰی سے وارث رہے۔ ورثہ سب بالغ ہیں اور مہروں میں مکان دینے پر راضی ہیں اور ان مہروں کے سوا نیاز احمد پر کوئی قرض نہیں۔ اس صورت میں ہر وارث کتنا پائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکان کے پینتالیس حصے کئے جائیں، ازاں جملہ چھبیس حصہ زوجہ ثانیہ ننھی کو اس کے مہر میں دے دیں اور انیس حصوں سے چار چار جیون بخش، آمنہ، فضلو، نورالنساء کو اور تین شہر بانو کو اس لئے کہ جب دونوں زوجہ کو مکان نصف نصف ملنا چاہئے تھا مگر زوجہ اولٰی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا تو اس کے مہر سے ۱۳ /۳ خود نیاز احمد کو پہنچے یعنی اس پر سے ساقط ہو گئے اور ۱۳ /۲ جیون بخش اور ہر چہار دختر زینب کو ملے۔ ان میں سے بیگما مر گئی اور اسے جو پہنچتا تھا اس کا چہارم پھر نیاز احمد کو پہنچا یعنی اس پر سے ساقط ہوگیا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ مہر زینب سے ۲۶ /۷ نیاز احمد سے ساقط ہوگیا ۲۶ /۱۹ باقی رہا اور مہر ننھی پورا باقی ہے بوجہ مساوات سابقہ اسے بھی ۲۶ سہم فرض کیجئے تو مکان دونوں زوجہ پر اسی ۲۶ و ۱۹ کی نسبت سے بٹنا چاہئے کہ دیون جب ترکہ سے زائد ہوں تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے لہذا مکان کے ۴۵ حصہ کرکے ۲۶ حصے ننھی کو دیئے جائیں اور ۱۹ بحساب مذکور وارثان زینب پر تقسیم ہوں۔

فی القنیۃ قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج و بنتین واخ لاب و ام ولا مال لھاسوی مھر علٰی زوجھا	قنیہ میں ہے ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے

مائة دينار ثم مات الزوج ولم يترك الاخمسين دينارا فقلت يقسم بين البنتين والاخ اتساعا بقدر سهامهم لانه ذكر فى كتاب العين والدين اذا كان على بعض الورثة دين من جنس التركة يحسب ماعليه من الدين كانه عين وبقى الخمسون دينارا فى نصيب البنتين والاخ فتكون بينهم على سهامهم من اصل المسئلة وقد افتى كثير من مفتى زماننا انه يقسم الخمسون بينهم اثلاثا وانه غلط فاحش[1] اھ اقول و نظيره الغلط الواقع فى مسئلة زوج وام وعم وقد تخارج الزوج على مافى ذمته من المهر فقسموا البقية اثلاثا للام سهم وللعم سهمان والصواب العكس للعم سهم وللام سهمان كما حرره فى الدر المختار[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا شوہر صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین ہے اب چونکہ دونوں بیٹیوں اور بھائی کے حصے میں پچاس دینار باقی بچے ہیں لہٰذا وہ ان پر اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق تقسیم ہوں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوٰی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بنا کر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس کی نظیر وہ غلطی ہے جو خاوند، ماں اور چچا کے مسئلے میں واقع ہوئی جبکہ خاوند اپنے مہر کے بدلے میں ترکہ سے دستبردار ہوگیا تو علماء نے باقی کو تین حصے بنا کر ایک ماں اور دو چچا کو دینے کا فتوٰی دیا حالانکہ صحیح اس کے برعکس ہے یعنی ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ درمختار میں اس کو تحریر فرمایا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

[1] القنية المنية لتتميم الغنية كتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

[2] الدر المختار كتاب الفرائض باب المخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷۰

قیمت مکان ماٰر ۲۰۰

ننھی	شہربانو	جیون بخش	آمنہ	فضلو	نورالنساء
ماعہ	عہ	معہ	معہ	معہ	معہ
۱/ ۲/۳ پائی	۱/ پائی	۱۲/ ۲ ۱/۳ پائی	۱۲/ ۲ ۱/۳ پائی	۱۲/ ۲ ۱/۳ پائی	۱۲/ ۲ ۱/۳ پائی

مسئلہ ۱۳۰: از دیورہ ڈاکخانہ مئو ضلع گیا مرسلہ شیخ ولایت حسین صاحب ۲۰ جمادی الاآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ورثاء کو محروم الارث کرکے اپنی جائداد موروثی ومتروکی ومحصولی کو اپنے بعض ورثاء کو دے دینا چاہتا ہے۔آیا بموجب حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی زید کا یہ فعل ظلم ہوگا اور وہ شخص ظالم اور گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور حق تلفی اس شخص نے بعض ورثاء کے مقابل میں کیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا بالکتاب والسنۃ۔

الجواب:

جس وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے اگر وہ فاسق معاذاللہ بدمذہب ہو تو اسے محروم کرنا ہی بہتر وافضل ہے۔خلاصہ ولسان الحکام و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا وارادا ن یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ [1]۔	اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں پر خرچ کرکے فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے تو ایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔(ت)

بدمذہب بدترین فساق ہے، فاسق میں یہ خوف تھا کہ مال اعمال بد میں خرچ کرے گا، بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانت گمراہی و ضلالت میں اٹھائے گا یہ اس سے لاکھ درجے بدتر ہے۔غنیہ میں ہے:

الفسق من حیث العقیدۃ اشد من الفسق من حیث العمل [2]۔	عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہونا عمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے(ت)

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس فی الھبۃ للصغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اور اگر ایسا نہیں بعض ورثاء کو محروم کرنا ضرور ظلم ہے جس کے لئے حدیث صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما لاتشھدنی علی جور[1] (مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ت) کافی۔ ابن ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة[2]۔ وھو عند الدیلمی عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ من زوی میراثا عن وارثه زوی الله عنه میراثه من الجنة[3]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے۔ (یہ حدیث دیلمی کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے وارث سے میراث کو سمیت دیا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث کو سمیٹ دے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ عبدالحق برادر حاجی عبدالرزاق از پیلی بھیت محلّہ عنایت گنج ۷ اذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

زید نے بعد وفات تین بیٹے عبدالقدیر، عبدالحفیظ، عبدالبصیر اور والدہ مسماۃ فاطمہ بی کو وارث چھوڑا، زید اپنی حیات میں بہ شراکت عمرو تجارت کرتا تھا زید نے بحالت مرض الموت اپنی وفات سے ایک یا دو روز قبل اپنے شریک عمرو سے کہا تینوں پسر اپنے تمہارے سپرد کرتا ہوں اور زید نے اپنی حیات میں بڑے بیٹے کی شادی کردی تھی عمرو نے بعد وفات زید کے تجارت کو بجنسہٖ جاری رکھا اس خیال سے کہ پسران زید خورد سال کی پرورش وشادی تجارت سے ہوجائے گی جو بچے گا وہ کام آئے گا۔ چنانچہ بڑے لڑکے کو بجائے زید دکان پر بٹھایا ہر سہ پسران کو تجارت مشترکہ سے تنخواہ ماہانہ دیتا رہا وفات زید کے تخمیناً چھ سات سال بعد متروکہ زید سے عمرو نے دو۲ پسران کی شادی کردی ایک ہزار کے قریب صَرف ہوا اور تیرہ سو کے قریب مصارف خورد ونوش میں صَرف ہوا پھر اکیس سو روپیہ کے

[1] صحیح مسلم کتاب الھبات باب کراھیة تفضیل بعض الاولاد فی الھبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷

[2] سنن ابن ماجه ابواب الفرائض باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۷۱۳ دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۴۸

قریب اور چار قطعہ مکانات تخمیناً اکیس سو روپے کے جملہ چارہزار روپے کی مالیت بچی جس کو ہر سہ پسران زید نے باہم متساوی تقسیم کرلیا اور مسماۃ فاطمہ بی کو ترکہ زید سے کچھ نہ دیا پسران زید متروکہ سے تجارت کرتے رہے، بعد تقسیم متروکہ تین چار سال بعد مسماۃ فاطمہ بی فوت ہوئی اس نے دو وارث ایک لڑکا عبداللہ ایک دختر سعیدہ کو چھوڑا، آج تک زید کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً بارہ چودہ سال گزرا ہوگا پسران زید وقت تقسیم کرلینے متروکہ سے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ تجارت کرتے رہے ہیں اور اس وقت ہر سہ پسران زید کے پاس تخمیناً بیس ہزار روپے کے ہوگا۔اب سوال یہ ہے کہ ورثاء فاطمہ بی، عبداللہ و سعیدہ متروکہ زید سے جو کہ ذمہ پسران زید واجب الادا ہے پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ آیا اس وقت جس قدر تعداد مالیت نزد پسران زید جو قریب بیس ہزار کے ہے اس جملہ مالیت سے کیونکہ ترکہ فاطمہ بی کا جو کچھ تھا کچھ نہ دیا گیا تو متروکہ فاطمہ بی بھی اس وقت تک شامل ہے ہر سہ پسران کے حصول میں اور ترقی پارہا ہے یا اس تعداد میں جو بیالیس سو روپے کی مالیت بعد پرورش و شادی بچی اور باہم پسران زید نے تقسیم کیا ہے اس میں سے پانے کی مستحق ہوگی یا ایک ہزار مصارف شادی اور تیرہ سو مصارف خورد ونوش جملہ بیالیس سو تقسیم شدہ شامل کرکے کل چھ ہزار پانچ سو روپے ہوئے اس سے پانے کی مستحق ہے۔ جواب مع عبارات چاہئے۔

الجواب:

اگر پسران زید مقر ہوں کہ یہ تجارت مملوکہ زید تھی اور وقت وفات زید اس کی والدہ فاطمہ زندہ تھی اور اس کو حصہ نہ دیا گیا تو وارثان فاطمہ پسران زید سے اس کل مال کا چھٹا حصہ حسب شرائط فرائض پانے کے مستحق ہیں جو وقت وفات زید موجود تھا خواہ مکانات موجود ہوں یا مال تجارت یا زر نقد یا اسباب وغیرہ۔ خورد ونوش پسران میں جو صرف ہوا وہ انہیں کے حصوں پر پڑے گا حصہ فاطمہ کو اس سے تعلق نہیں دو۲ پسران کی شادی میں جو اٹھا وہ انہیں دو پر پڑے گا حصہ فاطمہ سے مجرا نہ ہوگا بعد وفات زید تا زمان تقسیم وبعد تقسیم تاحال جو کچھ مال میں تجارت کے ترقیاں ہوئیں ان میں بھی فاطمہ کی ملک نہیں جبکہ وہ تجارت عمرو وصی زید وپسران زید بطور خود کرتے رہے اور فاطمہ اس میں شریک نہ ہوئی ہاں جبکہ حصہ فاطمہ اس میں شامل تھا تو اس کے حصہ سے جو ترقی ہوئی پسران زید کے لئے ملک خبیث ہے ان کو حلال نہیں کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائیں بلکہ واجب ہے کہ اس قدر مال تصدیق کردیں یا وارثان فاطمہ کو دے دیں اور یہی بہتر وافضل ہے جو مکان متروکہ زید نہ تھا بلکہ مال تجارت سے وصی زید یا پسران زید نے خود خریدا اس مکان میں حصہ فاطمہ نہیں بلکہ اس کا حصہ صرف اس قدر کا

چھٹا حصہ ہے جو بوقت وفات زید متروکہ زید تھا۔

والمسائل مبینة فی الفتاوی العالمگیریة والفتاوی الخیریة والعقود الدریة وغیرھا وقد اوضحناھا فی فتاوانا غیر مرة۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	ان مسائل کو فتاوٰی عالمگیریہ، فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں کئی بار ان کو واضح کیا ہے۔ (ت) واﷲ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از شہر مسئولہ جناب سلطان احمد خان صاحب زید مجدہ، ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آفتاب بیگم کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں ایک حقیقی چچا زاد بہن مسماۃ عمدہ بیگم کا پوتا وصی احمد اور ایک علاتی خالہ بنو بیگم اور چار اخیافی بھتیجے جن کے باپ کا انتقال آفتاب بیگم کے سامنے ہو گیا موجود ہیں وصی احمد نے تجہیز و تکفین اپنے صرف سے کی اور اس وصی احمد کو متوفیہ نے اس شرط سے اپنا وصی بھی کیا کہ بعد اخراجات تجہیز و تکفین وفاتحہ و درود بعد جس قدر روپیہ بچے وہ سب تیرا ہے اب تقسیم ترکہ ان وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر ہوگا اور اخراجات تجہیز و تکفین متروکہ سے نکلے گا یا نہیں؟ شجرہ ذیل میں درج ہے۔
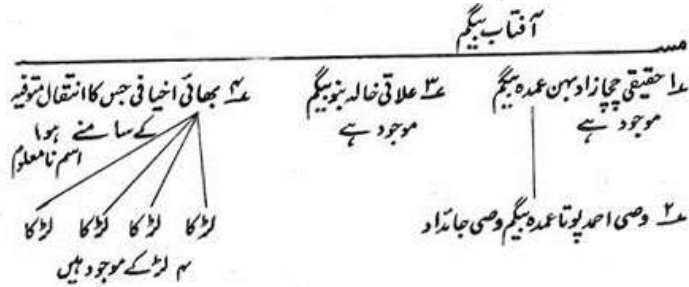
الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم دیون و وصایا آفتاب بیگم کا ترکہ چار سہم ہو کر ہر اخیافی بھتیجے کو ایک ایک ملے گا اور چچازاد اور خالہ کچھ نہ پائیں گی آفتاب بیگم کی تجہیز و تکفین کہ وصی احمد غیر وارث نے اپنے مال سے کی وہ بطور احسان و سلوک نیک واقع ہوئی اس کا معاوضہ نہ پائے گا کہ وہ نہ وارث ہے نہ وصی ہے اس کہنے سے کہ بعد از ان

مصارف کے جو بچے وہ تیرا ہے وہ موصی لہ ہوا نہ کہ وصی، ہاں اگر آفتاب بیگم نے یوں کہا ہو کہ میرے بعد میرے مصارف سے یہ یہ صرف کرنا اور جو بچے تیرا ہے تو اس صورت میں وہ وصی بھ ہو جائے گا اور اب جو تجہیز و تکفین میں اپنے مال سے صرف کیا مجرا پائے گا جس قدر کہ اس کے کفن و جہاز مثل بقدر سنت میں اٹھایا ہو اس سے زیادہ وصی کو بھی مجرانہ ملے گا۔ درالمختار میں ہے:

الوصی کفنہ من مال نفسہ او کفن الوارث المیت من مال نفسہ فانہ یرجع ولایکون متطوعا[1]۔	وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا یا میت کے وارث نے اپنے مال سے میت کو کفن دیا تو وہ ترکہ میں سے رجوع کرے گا اور متبرع قرار نہیں پائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: ای کفن المثل[2] (یعنی کفن مثلی دیا۔ ت) بلکہ اگر کفن مثل پر قیمت میں زیادت فاحشہ کی مثلاً ۸ آنے گز کا کپڑا اس کا کفن مثل تھا اس نے بلاوصیت میت روپے گز کا لگا یا تو کچھ مجرانہ پائے گا۔ در مختار میں ہے:

لوزاد الوصی علٰی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ وفی القیمۃ وقع الشراء لہ وحینئذ ضمن مادفعہ من مال الیتیم ولوالجیۃ[3]۔	اگر وصی نے میت کے کفن مثلی پر شمار میں زیادتی کی تو وہ زیادتی کا تاوان دے گا اور اگر قیمت میں زیادتی کی تو خریداری وصی کی طرف سے واقع ہوگی اور اس وقت وصی پر ان ثمنوں کا تاوان لازم آئے گا جو اس نے یتیم کے مال سے دیئے، والولجیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ضمن الزیادۃ الا اذا اوصی بھا وکانت تخرج من الثلث ط۔ قولہ وقع الشراء لہ لانہ متعد فی الزیادۃ وھی	وہ زیادتی کا تاوان دے گا مگر جب میت نے اس کی وصیت کی ہو اور وہ ایک تہائی ترکہ سے نکل سکتا ہو (تو تاوان لازم نہیں ہوگا) (ط) ماتن کا قول کہ خریداری وصی کی طرف سے واقع

[1] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی شھادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی شھادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۸

[3] الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۷

غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی[1]۔	ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی قیمت میں زیادتی کرکے تعدی کرنے والا ہو اس حال میں کہ وہ زیادتی ممتاز اورجدا نہیں ہے تو وہ میت کو زیادہ قیمتی کفن پہنانے میں متبرع ٹھہرا، رحمتی۔(ت)

رہی وصیت وہ بعد ادائے دیون بلااجازت ورثہ تہائی مال میں سے نافذ ہوگی اس ثلث سے جس قدر فاتحہ ودرود بطور جائز ومحمود معروف ومعہود میں صرف ہو وہ چاہیں ابھی مساکین پر خرچ کردیا جائے سال بھر کا انتظار ضرور نہیں پھر کچھ باقی بچے تو وہ وصی احمد کا ہے ورنہ کچھ نہیں۔ہندیہ میں ہے:

فی النوازل اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز کذا فی الاخلاصۃ۔[2]	نوازل میں ہے میت نے وصیت کی کہ دس دن صدقہ کیا جائے اور وصی نے ایک ہی دن صدقہ دے دیا تو جائز ہے۔ خلاصہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی الجامع مع قال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنۃ بمائۃ درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنۃ الاولٰی ولایوزع علی السنۃ کذا فی فتاوٰی خانیۃ[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع میں ہے کہ موصی نے کہا میں نے اپنے تہائی مال سے ہر سال دو درھم صدقہ کرنے کی وصیت کی تو وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے گا اور اس کو کئی سالوں پر متفرق نہیں کرے گا، فتاوٰی خانیہ میں یونہی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: ازآرہ محلّہ تری مطب حکیم عبدالوہاب صاحب مسئولہ مولوی ظفرالدین صاحب زید مجدہ مدرس اول مدرسہ حنفیّہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پرنور متع اللہ المسلمین بطول بقائہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بدعائے والا مع الخیر رہ کر خواہان عافیت سرکار کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۴

[2] الفتاوٰی الهندیۃ الباب الثامن (مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۴

[3] الفتاوٰی الهندیۃ الباب الثامن (مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۵

جملہ خدام ہوں ایک بات دریافت طلب ہے وہ یہ کہ سراجی بیان مناسخہ میں تصحیح مسئلہ اورمافی الید کہ چار نسبتوں میں تین کو بیان کیااور تداخل کو بالکل چھوڑ دیا اگرچہ اس کی وجہ اس کی اظہریت معلوم ہوتی ہے اور صورت اس کی یہی ہوگی کہ اس کی دو[2] صورتیں ہیں یا تصحیح زائد ہو اورمافی الید کم یابرعکس، اگراولیٰ ہے توجزء تداخل کواوپر کی تصحیح میں ضرب دیں اورورثائے پیشین کے حصوں کو اسی حساب سے زیادہ کردیں اس میت کے ورثاء کے انصباء میں زیادتی کی ضرورت نہیں، اور اگر تصحیح کم اورمافی الید زائد ہے توجزتداخل کے انصباء وارثین اس میت کو ضرب دیں اوپر والوں کے حصوں میں زیادتی نہ ہوگی یااس کی اور کوئی صورت ہے فرضًا اس کی تقدیر عربی زبان میں تحریر فرمائی جائے تو بعید شان بندہ نوازی سے نہیں۔

الجواب:

اعلم ان التداخل لیس الا قسما من التوافق وانما یجعل قسما عندالتفصیل بل التحقیق ان لیس ھٰھنا الاقسمان ولھما حکمان وذٰلك لان العددین ان عدھما ثالث ای عدد ولو مثلا لھما او لاحد ھما و الواحد لیس بعدد فمتوافقان والا فمتبائنان و لیسمی ذٰلك الثالث مابه التوافق وحاصل قسمة کل من التوافقین علیه وفقه فمن صور التوافق اربعة و اربعة یعدھما اربعة وفق کل واحد،وھذا یخص باسم التماثل،ومنھا اربعة	توجان لے کہ تداخل تو محض ایک قسم ہے توافق کی صرف تفصیل کے وقت اس کو الگ قسم بنادیا جاتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں اور ان کے دو حکم ہیں، یہ اس لئے ہے کہ دوعدد دوحال سے خالی نہیں ہوں گے کہ ان دونوں کو اگر کوئی تیسرا یعنی تیسرا عدد فنا کردے اگرچہ وہ ان دونوں یا ان میں سے ایک کی مثل ہو اور ایک (کاہندسہ) عدد نہیں ہوتا، تو اس صورت میں وہ دونوں عدد متوافقان کہلاتے ہیں ورنہ (یعنی اگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنانہ کرے تو) تو وہ متبائنان ہوں گے۔اس تیسرے عدد کو مابہ التوافق (جس کے ذریعے سے باھم موافقت حاصل ہوئی) کہا جاتا ہے اور متوافقین میں سے ہر ایک کی مابہ التوافق پر تقسیم سے جو حاصل ہو وہ اس عدد کا وفق ہے۔توافق

وثمانية يعدهما اربعة وفق الاول واحد والثانی اثنان ويخص باسم التداخل، و منها اربعة وستة يعدهما اثنان وفق الاول اثنان والثانی ثلثة وهو التوافق بالمعنى الاخص وحيث ان الوفق فی التماثل ليس الا واحدا ولا اثر لضرب شيئ فی واحد فاذا كان فی التصحيح و ما فی اليد تماثل لايحتاج الى الضرب اصلا ولما كان فی التداخل وفق الاصغر واحدا لانه حاصل قسمة الشيئ علٰى نفسه ابدا فان كان التصحيح اصغر لم يحتج فی التصحيح العالی و الانصباء السابقة الى الضرب و ضرب فی انصباء هذا البطن بوفق مافی اليد الاكبر وان كان مافی اليد الاصغر انعكس الحكم وفی صورة التوافق الاخص	کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چار ہوں تو ان کو چار فنا کرتا ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وفق ایک ہوا اور یہ تماثل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور آٹھ ہوں، ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے۔ پہلے کا وفق ایک اور دوسرے کا دو ہے اور یہ تداخل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چھ ہوں، ان کو دو فنا کر دیتا ہے۔ پہلے کا وفق دو اور دوسرے کا تین ہے۔ اور یہی توافق بالمعنی الاخص ہے۔ چونکہ تماثل میں وفق سوائے ایک کے نہیں ہوتا اور ایک میں کسی شے کو ضرب دینے کا کوئی اثر نہیں ہوتا لہٰذا جب تصحیح اور مافی الید (جو کچھ قبضہ میں ہے) میں تماثل ہو تو ضرب کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور جبکہ تداخل میں چھوٹے عدد کا وفق ایک ہوتا ہے کیونکہ کسی شیئ کو اپنے آپ پر تقسیم کرنے سے ہمیشہ ایک ہی حاصل ہوتا ہے لہٰذا اگر تصحیح کا عدد (مافی الید سے) چھوٹا ہے تو اس کو اوپر والی تصحیح اور پہلے والے وارثوں کے حصوں میں ضرب دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اس بطن کے وارثوں کے حصوں کو بڑے مافی الید کے وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ اور اگر مافی الید (تصحیح سے) چھوٹا ہوا تو حکم اُلٹ جائے گا۔ توافق اخص کی صورت میں چونکہ متوافقین میں سے

لماکان لکل من المتوافقین وفق فوق الواحد احتیج الی ضربین وھذا ھو التحقیق لان الاقسام انما تعتبر للاحکام وماثم الا حکمان الضرب بکل العدد فی التباین وبوفقه فی التوافق وان استغنی عنه عند کون الوفق واحدا کما فی التماثل فی الجانبین و فی التداخل فی جهة الاصغر وان شئت ثلثت فقلت العددان ان تساویان فتماثل وان اختلفا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب و الثانی الضرب بالوفق والثالث بالکل،وان شئت ربعت وقلت العددان ان تساویا فتماثل والافان عد الاصغر الاکبر فتداخل والا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب اصلا و الثانی عدم الضرب فی جهة الاصغر والضرب بالوفق فی جهة الاکبر	ہر ایک کا وفق ایک سے اوپر ہوتا ہے لہٰذا دو ضربوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی تحقیق ہے کیونکہ اقسام کا اعتبار احکام کے لئے کیا جاتا ہے اور یہاں صرف دو ہی حکم ہیں (۱) تباین کی صورت میں کل عدد کے ساتھ ضرب دینا (۲) توافق کی صورت میں عدد کے وفق کے ساتھ ضرب دینا، اگرچہ وفق ایک ہونے کی صورت میں دونوں جانبوں میں ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ تماثل میں ہوتا ہے اور تداخل کی صورت میں چھوٹے عدد کی جانب ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو تین قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل اور اگر مختلف ہیں پھر تیسرا عدد ان کو فنا کر دیتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہیں ہوگی، دوسری کا حکم وفق میں ضرب اور تیسری کا حکم کل میں ضرب ہے۔ اگر تو چار قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر چھوٹا عدد بڑے کو فنا کرتا ہے تو تداخل ہے اور اگر نہیں کرتا تو پھر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کرتا ہے یا نہیں، اگر کرتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہ ہوگی۔ دوسری کا حکم یہ ہے کہ چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوگی اور بڑے کے جانب وفق میں ضرب دی جائے گی۔

والثالث الضرب بالوفق فی الجھتین والرابع الضرب بالکل فیھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تیسری کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور چوتھی کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از محل مذکور مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور پرنور آقائے نعمت دریائے رحمت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خادم بارگاہ مع الخیرہ کر خواہان عوافی مزاج اقدس ہیں مع متعلقین کرام ہے تقریر پر تنویر نے شرف ورود فرماکر معزز ومشرف فرمایا قول مبارک بل التحقیق ان لیس ھناك الاقسمان پر ایک بات سمجھ میں آئی گزارش کرتاہوں:

قولہ مدظلہ بل التحقیق ان لیس ھناك الاقسمان، **اقول** بل فی ظنی ان لاتعددھنا اصلالافی التقسم ولافی الحکم بل شیئ واحد ولہ حکم واحد لان العددین لابد ان یعدھما ثالث والواحد عدد لانہ نصف مجموع حاشیتیہ فان فی اعلاہ اثنین وفی تحتہ صفر مجموعھما اثنان فقط اذلا اثر لحط الصفر من عدد ولالزیادتہ فیہ ونصفھما واحد فامّا ان یعدھما واحد فھما متبائنان اوعدد مثلھما فمتماثلان اومثل الاصغر فمتداخلان	مصنف مدظلہ، کاقول "تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں" **میں کہتاہوں** بلکہ میرے گمان کے مطابق یہاں بالکل تعدد نہیں ہے۔ نہ تقسیم میں اور نہ ہی حکم میں بلکہ یہاں ایک ہی چیز ہے اور اس کاایک ہی حکم ہے کیونکہ دو عددوں کے لئے کسی ایسے تیسرے عدد کاہونا ضروری ہے جو ان کو فنا کرے اور ایک بھی عدد ہے کیونکہ وہ اپنی دونوں طرفوں کے مجموعے کانصف ہے اس لئے کہ اس کے اوپر دو اور نیچے صفر ہے جن کا مجموعہ فقط دو ہے کیونکہ صفر کو کسی عدد سے گھٹانے یا اسے کسی عدد میں جمع کرنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا، اور دو کانصف ایک ہے، چنانچہ دوعددوں کو فنا کرنے والا یاتو ایک ہوگا اس صورت میں وہ متبائنان ہوں گے یا ایساعدد ہوگا جوان دونوں عددوں کی مثل ہے۔ اس صورت میں وہ متماثلان ہوں گے یا چھوٹے عدد کی مثل ہوگا،

اولامثل احد فمتوافقان ویسمی ذٰلك العاد مابه التوافق والحکم فی الکل الضرب فی الوفق لکن لماکان وفق المتباینین هما العدد ان بانفسهما فانهما حاصل قسمتها علی مابه التوافق ای الواحد لان کل عدد یقسم علٰی واحد یحصل ذٰلك العدد بعینهٖ یضرب کل التصحیح فی کل التصحیح وکل مافی الید فی کل السهم لکل من الورثة ولان الوفق فی التماثل من الجانبین وفی التداخل من الاصغر لیس الا واحدا او لایظهر اثر الضرب فی واحد لان کل عدد اذا ضرب فی واحد یحصل ذٰلك العدد بنفسهٖ اشتهر عند الناس انه لایضرب فی التماثل وفی جانب الاصغر من التداخل وفی المتوافقین وفی جهة الاکبر من التداخل الضرب بالوفق کما هو المشهور والعلم بالحق عند العلیم الغفور۔	اس صورت میں وہ متداخلان ہوں گے یا ان دونوں میں سے کسی کی مثل نہ ہوگا تو اس صورت میں وہ متوافقان ہوں گے۔ اس فنا کرنے والے عدد کو مابہ التوافق کہا جاتا ہے ان سب صورتوں کا حکم وفق میں ضرب دینا ہے لیکن جب متبائنین کا وفق بذات خود وہی دونوں عدد ہیں کیونکہ انہیں جب مابہ التوافق یعنی ایک پر تقسیم کیا جائے تو خود وہی حاصل ہوتے ہیں لہٰذا کل تصحیح کو کل تصحیح کو میں اور کل مافی الید کو ہر وارث کے کل حصے میں ضرب دی جائے گی۔اور اس لئے کہ بصورت تماثل دونوں جانبوں میں اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب میں وفق صرف ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ضرب کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ کسی بھی عدد کو جب ایک میں ضرب دی جائے تو حاصل ضرب خود وہی عدد ہوتا ہے لہٰذا لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ بصورت تماثل بالکل ضرب نہیں ہوتی اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوتی جبکہ بصورت توافق دونوں جانب اور بصورت تداخل بڑے عدد کی جانب وفق میں ضرب دی جاتی ہے جیسا کہ مشہور ہے اور حق کا علم اس ذات کے پاس ہے جو علم والی اور مغفرت فرمانے والی ہے(ت)

اور یہیں سے صورت تربیع کی ایک اور تقریر بھی ظاہر ہوئی،

لان العددین ان عدهما اواحد	اس لئے کہ دو عددوں کو یا تو ایک فنا کرے گا

فتباین اوعدد مثلهما فتماثل او مثل الاصغر فتداخل والا فتوافق، والله تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ان کے درمیان تباین ہوگا یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو یہ تماثل ہوا یا وہ چھوٹے عدد کی مثل ہوگا تو یہ تداخل ہوا، اور اگر مذکورہ تینوں صورتیں نہ ہوئیں تو توافق ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس کی صحت وسقم سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام بالوف التعظیم ولا کرام (آپ پر ہزاروں تعظیم وتکریم کے ساتھ سلام ہو۔ ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته یاولدی حفظك الله الٰی یوم الدین وادام بك ظفرالدین اتیت التدقیق واعملته وابیت التحقیق واهملته **اما اولًا** فلان الواحد لیس بعدد عندالمحققین وماقرره اصحابنا رحمهم الله تعالٰی فی انت طالق کم شئت کما فی الفتح وغیره فمبنی علی العرف **اقول** والدلیل القاطع علیه ان العدد کم والکم عرض یقبل القسمة لذاته والواحد لیستحیل ان یفرض فیه شیئ دون شیئ والالتعدد فلم یکن واحدا، وبعبارة اخری انما التحلیل الٰی مامنه	اور تم پر بھی سلام، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں اے میرے بیٹے اللہ تعالٰی آپ کو روز قیامت تک محفوظ رکھے اور آپ کے ذریعے دین کی کامیابی کو ہمیشہ رکھے، آپ نے تدقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر عملدآمد کیا اور تحقیق سے منہ موڑتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہے **وجہ اول** اس لئے کہ محققین کے نزدیک ایک عدد نہیں ہے اور ہمارے اصحاب علیہم الرحمہ نے "انت طالق کم شئت" میں جو تقریر کی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے وہ عرف پر مبنی ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ عدد کم ہے اور کم ایسا عرض ہوتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تقسیم کو قبول کرتا ہے جبکہ واحد میں ایک شیئ کو فرض کرنا سوائے دوسری شیئ کے محال ہے ورنہ وہ متعدد ہوجائے گا اور واحد نہیں رہے گا۔ دوسری عبارت کے ساتھ یوں کہ شیئ کی تحلیل اس کی طرف ہوتی ہے

التر کیب فلوا نفسھم لکان شیئین لاواحدا وبعبارۃ اظھر ودفع للمقال لا انقسام ھنا الا الی الوحدات والوحدۃ لیستحیل ان تصیروحدتین والا لم تکن وحدۃ بل کثرۃ فیلزم الانقلاب فان صارت فماکانت الاوحدتین اخذنا واحدۃ بالاعتبار فکان اثنین لا واحد،وبعبارۃ اخصرما ثم الاوحدات محضۃ فالواحد وحدۃ والاثنان وحدتان وھکذا ولایعقل للوحدۃ بعض اصلا اما الکسورفلیس معنی ۲ /۱ مثلا جزء من جزئ واحد حقیقی بل اعتباری ای واحد من اثنین فرض واحدا کما حققناہ فی رسالۃ الارثما طیقی،**وامّا ثانیًا** فلان الصفر لایمکن ان یکون حاشیۃ عدد فانہ محض سلب اذھو عبارۃ عن خلو المرتبۃ فلیس معناہ ان	جس سے وہ شیئ مرکب ہے،اگرواحد منقسم ہوجائے تو وہ دو چیزیں بن جائے گا اور واحد نہیں رہے گا،زیادہ ظاہر اور گفتگو کا زیادہ دفاع کرنے والی عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں منقسم ہونا نہیں ہے مگر وحدتوں کی طرف اورایک وحدت کادو وحدتیں ہوجانا محال ہے ورنہ وہ وحدۃ نہیں رہے گی بلکہ کثرۃ بن جائے گی تو اس طرح حقیقتوں میں انقلاب لازم آئے گا،اگروہ وحدت ہو بھی تو حقیقت میں دو وحدتیں ہی ہوں گی جن کو ایک وحدت اعتبار کرلیاگیاہے تو وہ دو ہوئیں نہ کہ ایک۔زیادہ مختصر عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں تو محض وحدتیں ہیں،چنانچہ واحد ایک وحدت اور اثنان دووحدتیں ہوں گی،اوراسی طرح باقی میں ہوگا۔اور وحدت کے لئے بعض بالکل متصور نہیں۔لیکن کسریں توان میں مثال کے طورپر ۲ /۱کا معنی یہ نہیں ہے کہ واحد حقیقی کی دوجزؤں میں سے ایک بلکہ واحد اعتباری کی دوجزؤں میں سے ایک یعنی ایسے دومیں سے ایک جن کوایک فرض کیا گیا ہے جیساکہ ہم نے اس کی تحقیق رسالہ ارثماطیقی میں کر دی ہے۔وجہ دوم اس لئے کہ صفر کا کسی عدد کیلئے حاشیہ (طرف) بنناممکن نہیں کیونکہ صفرتو محض نفی ہے اس لئے کہ وہ مرتبہ کے خالی ہونے کانام ہے تواس کا یہ معنی نہ ہوگا کہ

ھناك شیئا یسمی صفرا بل معناہ ان لاشیئ ھناك اصلا ولھذا لا اثر لحطه من عدد ولاضمه الیه کما ذکرت ولوکان شیئا لاستحال ان یکون شیئ دون شیئ اوشیئ مع شیئ مساویا لشیئ نفسه فیتساوی الکل والجزء بل کل الکل وجزء الجز کما لایخفی وبه تبین **وجه ثالث** وھو ان الصفر مع اثنین مثلا لیس مجموع شیئین بل الشیئ وحدہ ومعنی جمع الصفر مع عدد ان لم یجمع معه شیئ فلیس الواحد نصف مجموع حاشیتیه بل نصف حاشیة واحدۃ **وامّا رابعًا** فلانه لوسوغ کون العدم حاشیة لکان العدم المضاف الٰی شیئ معین مثل ا و ۲ وغیرھما اولی بذٰلك فکان الصفر ایضا عدد الان احدی حاشیتیه واحد والاخری۔اومجموعھما صفر نصفه صفر وکونه مثل المجموع لاینفی کونه نصفه لانه معتبر فی الحساب قطعا الاتری ان نصف	وہاں کوئی ایسی شیئ موجود ہے جس کا نام صفر ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں بالکل کوئی شیئ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ صفر کو کسی عدد سے گھٹائیں یا اس کے ساتھ ملائیں کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ تونے ذکر کیا ہے۔اگر وہ شیئ ہو تو اس کا ایک شیئ ہونا سوائے دوسری شیئ کے اور کسی شیئ کے ساتھ اس طرح شیئ ہونا کہ وہ شیئ خود اس کے مساوی ہوجائے محال ہوگا کیونکہ اس طرح تو کل جزء کے بلکہ کل کا کل جزء کے جزء کے برابر ہوجائے گا جیسا کہ پوشیدہ نہیں،اور اسی سے **وجہ سوم** واضح ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ صفر کا دو کے ساتھ اکٹھا ہونا دو چیزوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔صفر کے عدد کے ساتھ جمع ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس عدد کے ساتھ کوئی شیئ جمع نہیں ہوئی تو اس طرح واحد اپنی دونوں طرفوں کا نصف نہ ہوا بلکہ ایک طرف کا نصف ہوا۔**وجہ چہارم** اس لئے کہ اگر عدد کو عدد کا حاشیہ (طرف) قرار دے دیا جائے تو کسی معین شیئ کی طرف مضاف ہونے والا عدم بدرجہ اولٰی طرف قرار پائے گا جیسے ا اور ۲ وغیرہ تو اس طرح صفر بھی عدد بن جائے گی کیونکہ اس کے ایک طرف واحد اور دوسری طرف ا (ایک) ہے جن کا مجموعہ صفر ہے اور اس کا نصف بھی صفر ہے۔اس کا مجموعے کی مثل ہونا اس کے نصف ہونے کی نفی نہیں کرتا کیونکہ حساب میں یہ قطعی طور پر معتبر ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ ۲۰ کا

۲۰ = ۱۰ ویکفی لصدق المحدود صدق الحد وان صدق علیه ماسواہ ایضا وعددیة الصفر باطلة ببداھة العقل لان العددشیئ والصفر لاشیئ، **واما خامسا** لوتنزلنا عن ھذا کله وسلمنا ان الصفر ایضا عدد لعاد التدقیق علٰی مقصودہ بالنقض فان المراد نفی القسمة وارجاع الکل الی التوافق والآن یستحیل ذٰلك لان الصفر کلما قیس مع واحد اوشیئ من الاعداد لم یمکن ان یعدھما ثالث فان الصفرلا یعدہ الا الصفروالصفرلایعدالاالصفرفالصفر وکل عدد سواہ متباینان وکل باقیین فیما بینھما متوافقان فوجب التقسم وذھب الانکار ولزم الوقوع فیما عنه الفرار ھذا، وقولك اما ان یعدھما واحد فمتبائنان اوعدد مثلھما فمتماثلان ماتقول فی واحد مع واحد أھمامتبائنان ومتماثلان معا بل قل ان عدھما	نصف ۱۰ ہے، محدود کے صدق کے لئے حد کاصادق آناکافی ہے اگرچہ اس پر حد کاغیر بھی صادق آتاہو اور صفرکاعدد ہونا بداہت عقل کے ساتھ باطل ہے کیونکہ عدد شیئ ہے اور صفر کوئی شیئ نہیں ہے۔**وجہ پنجم** اگرہم اس سب کچھ سے نیچے اتر کرمان لیں کہ صفر بھی عدد ہے توتدقیق اپنے مقصود پر بطور نقض وارد ہوگی کیونکہ تدقیق سے مقصود توتقسیم کی نفی اور سب کوتوافق کی طرف لوٹاناتھا جواس صورت میں محال ہوجائے گا اس لئے کہ صفر کوجب واحد یا کسی عدد کے ساتھ ملایاجائے توممکن نہیں کہ کوئی تیسرا ان دونوں کوفنا کر دے، کیونکہ صفر کوصرف صفر ہی فنا کرتی ہے اور صفر صرف صفر کوہی فنا کرتی ہے لہٰذا صفراورہر وہ عدد جوصفرکے ماسواہے متبائنین ہوں گے۔ان کے علاوہ ہر دوعدد آپس میں متوافقین ہوں گے تواس طرح تقسیم کا انکار گیااور تقسیم ضروری ہوگئی اور اسی میں گرنالازم آیا جس سے فرار اختیار کیاتھا۔اس کویاد کرلو۔اور تمہارا یہ کہناکہ ان دونوں عددوں کویا تو واحد فنا کرے گا تو وہ متبائنین ہوں گے یاایساعدد فنا کرے گا جودونوں کی مثل ہے تو وہ متماثلین ہوں گے تو واحد اور واحد جمع ہونے کی صورت میں توکیاکہے گا، کیاوہ دونوں بیک وقت متبائنین اورمتماثلین ہوں گے؟

مثلهما فتماثل او مثل احدهما فتداخل اولاولا فان كان العادفوق الواحد فتوافق اوواحد فتبائن وهذا هو معنى التربيع الذى ذكرت سابقا واما ماذكرت انت قبل هذا فى كتاب منك وسألت عن صحته ان العددين ان كان احدهما هو الآخر بعينه فتماثل والا فينقص الاصغر من الاكبر مرة اومرارا من جانب او جانبين فان انتهى الى التماثل فتداخل او الى واحد فتبائن والا فتوافق ففيه ان النهاية فى التداخل الى النفاد لاالى بقاء مثل الاصغر فليس ان اربعة تسقط من عشرين اربع مرات فتبقى اربعة مماثلة للاصغر بل تسقط خمس مرات فلايبقى شيئ وذلك لانه يتعرف بالتقسيم واذا قسمنا عشرين على اربعة حصل خمسة ومابقى شيئ لاانه يحصل اربعة وتبقى اربعة بل النهاية فى الكل	بلکہ یوں کہو کہ اگر دوعددوں کو وہ عدد فنا کرے جوان دونوں کی مثل ہے تو تماثل ہے اور اگر ان میں سے ایک کی مثل ہے تو تداخل، اور اگر ایسا نہیں یعنی نہ تو وہ دونوں کی مثل ہے اور نہ ان میں سے ایک کی مثل ہے تو پھر اگر فنا کرنے والا عدد ایک سے اوپر ہے تو توافق، اور اگر ایک تو تباین ہوگا۔ یہ معنی ہے چار قسمیں بنانے کا جس کا آپ پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ رہا وہ جس کا ذکر آپ نے اس سے پہلے اپنے خط میں کیا اور اس کے صحیح ہونے کے بارے میں سوال کیا کہ دوعددوں میں سے ایک اگر بعینہٖ دوسرا ہو تو تماثل، ورنہ اگر چھوٹے عدد کو بڑے سے ایک یا کئی بار کم کرنے سے وہ تماثل تک پہنچ جائے تو تداخل، اور اگر ایک تک پہنچ جائے تو تباین، ورنہ توافق ہے۔ اس میں یہ اعتراض ہے کہ تداخل میں انتہا ختم ہونے پر ہے نہ کہ چھوٹے عدد کی مثل باقی رہنے پر۔ ایسا نہیں ہے کہ چار کو بیس میں سے چار مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو چار باقی بچے جو چھوٹے عدد کی مثل ہے بلکہ چار کو بیس میں سے پانچ مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو اس طرح کچھ بھی باقی نہیں بچے گا کیونکہ یہی تقسیم کی پہچان ہے۔ جب ہم بیس کو چار پر تقسیم کریں تو پانچ حاصل ہوگا اور باقی کچھ نہیں بچے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ چار حاصل ہو اور چار باقی بچے بلکہ کل میں

الی النفاد الاتری انك ذکرت فی الکل العد وما العد الا الانفاد فنسقط ثلثة من خمسة یبقی اثنان فنسقطهما من ثلثة یبقی واحد نسقطه من اثنین لا یبقی شیئ وهنالك یتحقق العدوان ترك العمل بعد خروج الواحد للعلم بانه یعد کل شیئ بل قل ان تساویا فتماثل والا فینقص الاصغر من الاکبر فان افناه فتداخل والا یسقط الباقی من الاصغر فان بقی فالباقی من الباقی وهکذا الی ان یحصل النفاد فان کان بواحد فتباین او بعدد فتوافق ثم لیس حاصله الا ماقدمت فی التربیع اما ذکر الاسقاطات فبطریق استخراج النسبة الصق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	انتہا اس کے ختم ہونے پر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ آپ نے کل میں عدّ کو ذکر کیا ہے اور عدّ نہیں ہے مگر ختم کرنا۔ چنانچہ ہم تین کو پانچ سے ساقط کریں گے باقی دو بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے باقی ایک بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے تو باقی کچھ نہیں بچے گا تو وہاں پر عدّ (ختم کرنا) متحقق ہوگا۔ اگرچہ ایک کے نکلنے کے بعد عمل کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک ہر شیئ کو ختم کردیتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عدد باہم مساوی ہیں تو تماثل ہے ورنہ چھوٹے کو بڑے سے کم کیا جائے گا اگر چھوٹا بڑے کو فنا کردے تو تداخل اور اگر فنا نہ کرے تو باقی کو چھوٹے عدد سے کم کیا جائے گا پھر اگر کچھ باقی بچا تو اس کو باقی سے کم کریں گے اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک ختم ہونا حاصل ہوجائے۔ اگر ختم ہونا واحد سے حاصل ہوا تو تباین اور اگر کسی عدد سے حاصل ہوا تو افق ہے۔ پھر اس کا حاصل نہیں مگر وہی جو میں چار قسمیں بناتے ہوئے ذکر کرچکا ہوں۔ رہا اسقاطات کا ذکر تو اس کو نسبت کے استخراج کے طور پر ملحق کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

جب زید کی بی بی کا انتقال ہوا تو اس کے زیور یعنی جہیز میں سے اس کی تجہیز و تکفین کی اس واسطے کہ زید خود دست نگر دوسرے کا ہے صرفہ میت اور فاتحہ وغیرہ کا اس کے جہیز سے کیا گیا، اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس کے جہیز واپس کرنے میں یہ صرفہ مجرا ہو یا نہیں؟

الجواب:

فاتحہ کا صرف اصلاً مجرا نہ ہوگا وہ ایک ثواب کی بات ہے جو کرے گا اس کے ذمہ ہوگا

اور عورت کا کفن دفن شوہر پر واجب ہے اسے عورت کے ترکہ سے نہیں کر سکتا، درمختار میں ہے:

الفتوی علٰی وجوب کفنہا علیہ وان ترکت مالا[1]۔	فتوٰی اس پر ہے کہ عورت کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ مال چھوڑ کر فوت ہوئی ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواجب علیہ تکفینہا وتجہیزہا الشرعیان من کفن السنۃ اوالکفایۃ وحنوط واجرۃ غسل وحمل و دفن[2] الخ۔	شوہر پر بیوی کی شرعی تجہیز و تکفین واجب ہے چاہے کفن سنت ہو یا کفن کفایت۔ خوشبو، غسل کی اجرت، جنازہ اٹھانے کی اجرت اور دفن کی اجرت بھی شوہر پر واجب ہے الخ (ت)

تو یہ جس قدر شوہر نے صرف کیا ہے سب شوہر پر پڑے گا، نصف جہیز تمام و کمال اسے واپس کر دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: ۱۰/ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں، زید نے عمرو کے پاس انتقال کیا اور عمرو ہی زید کا کھاتا یا زید کو کھلاتا رہا، اب زید نے انتقال کیا تو زید کے مال کو زید کے وارث پائیں گے یا عمرو کو دلایا جائے گا؟

الجواب:

عمرو کے پاس رہنے یا انتقال کرنے یا زید کا کھانے یا زید کو کھلانے سے نہ عمرو زید کا وارث ہوگیا نہ زید کے وارث اس کے مال سے محروم ہوگئے،

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[3]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔(ت)

ہاں اگر زید عمرو کا کھایا کرتا ہو اور حسب قرارداد وہ کھانا اسے بطور قرض دیتا ہو تو زید اس مقدار

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[3] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

میں عمرو کامدیون ہوگا اورادائے دین تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پہلے وہ اور جو اور دین ہو ادا کرکے باقی میں میراث جاری ہوگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بلاوجہ شرعی زید کی جائداد پر قابض ہو جائے اسے اپنے دین کا مطالبہ پہنچتا ہے اگر واقع میں دین ہو اور اگر عمرو اس کے پاس یابطور مہمان غرض قرضًا کھلانے کا قرار دادنہ تھا تو عمرو ایک حبہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور جائداد سے وارثان شرعی کو محروم کرنا ظلم وغصب ہے **والظلم ظلمات یوم القیٰمة**[1] (اور ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث بنے گا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از کانپور چوک صرافہ بردکان محمد عمر محمد قمر سوداگر مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۹ صفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خاندان طوائف میں جولڑکے کے نکاح پر بیوی اس کو اس کی والدہ اور والد اور ماموں وغیرہ کا حق متروکہ میں ملے گا یا خالد کی لڑکی کے لڑکے کو بوجہ کمائی پیشہ طوائفی کے حق ملے گا خلاصہ یہ کہ خاندان طوائف میں نکاح کرنے سے حق زائل ہوجاتا ہے یا شرع شریف کے مطابق حق ملتا ہے **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

نکاح کرنے سے حق زائل نہیں ہوتا ہے خصوصًا اس فرقہ کا نکاح کہ وہ توگناہ عظیم سے توبہ ہے مگر طوائف کے لئے بے نکاحی اولاد صرف اپنی ماں اور مادری رشتہ والوں کا حصہ پائیں گے شرعًا اس کے لئے کوئی باپ نہیں کہ اس سے یا پدری رشتہ والوں سے حصہ پائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸: از احمد آباد گجرات مرسلہ مولوی علاؤالدین صاحب زیدمجدہ ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

اس ملک گجرات میں ایک قوم ہے جو میمن وبورے کرکے مشہور ہیں ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال متروکہ سے اپنی لڑکی کو محروم رکھتے ہیں اور جس قدر مال واسباب ہوتا ہے وہ کل لڑکوں کا حصہ مقرر کرکے جاتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہوں کہتے ہیں، اور سرکاری دفتروں میں دستخط

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب الظلم ظلمات یوم القیٰمة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۱

کرچکے ہیں کہ ہم ہنودلوگوں کے طریق میراث تقسیم کرنے میں راضی ہیں اسلام وشریعت کے موافق راضی نہیں ہیں وہ لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے ہیں کل مال لڑکے کو دیتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں حج وزکوۃ ونماز وروزہ ودیگر کل احکام کو حق جانتے ہیں اور مانتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرمن میراثہ وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[2]۔	جواپنے وارث کو میراث پہنچنے سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

اور جنہوں نے یہ لفظ کہے یا لکھے ہیں کہ وہ رسم ہنود پر راضی ہیں اور حکم شریعت پر راضی نہیں ہوہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ غمزالعیون والبصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا قرار دیا اسکی تکفیر پر مشائخ کا اتفاق ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹: مسئولہ محمد عبدالحلیم خان صاحب مدرس ومہتمم مدرسہ انجمن ظفرالاسلام ضلع بھنڈارہ ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی نے اپنی دختر کا نکاح مع کل لوازمات شادی کے کرادیا، بعد چند عرصہ کے داماد شخص مذکور کا فوت

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن ابن ماجۃ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

ہوگیا دختر نے اپنا نکاح ثانی کاارادہ غیر کفو سے کرنے کاکیا، باپ نے دختر مذکور کو کہاکہ میں تمہارا نکاح ثانی کسی عمدہ جگہ کفو میں کرادیتاہوں مگر دختر مذکور نے نہیں سنااور نکاح ثانی غیر کفو میں کرلیا۔ باپ نے ناراض ہو کرلڑکی کو عاق کردیااو کہا کہ اب تجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا، کیونکہ تم نے غیر کفو میں اپنا نکاح بغیر میری اجازت کے کیااور تحریر کردیا کہ بعد میرے مرنے کے لڑکی کو میرے مال سے کوئی حق نہ دیا جائے اس کاجو حق تھاوہ میں نے شادی کرکے اداکردیا ہے، اب بعد مرنے کے شخص مذکور کی دختر مذکور کو مع دیگر ورثاء کے حق ملے گا یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اولاد کاعاق ہونا یہ ہے کہ ماں باپ کی ناحق نافرمانی کریں یا انہیں ایذادیں ماں باپ کے عاق کرنے سے کوئی اثر نہیں پیداہوتا عوام کے خیال میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کوطلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے یونہی اولاد عاق کئے سے اولاد ہونے سے خارج ہوجاتی ہے یہ محض غلط ہے، نہ اس کے سبب اولاد ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں لڑکی نے باپ کی نافرمانی کی اس سے وہ گنہگار ہوئی، پھر اگر غیر کفو کے معنی یہ ہیں کہ جس سے نکاح ہوا وہ مذہب یانسب یاچال چلن یا پیشہ میں ایساکم ہے کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں محض باطل ہے اگر قربت ہوگی زنا ہوگی ان دونوں مرد وعورت پر فوراً جدا ہوجانالازم ہے بایں ہمہ لڑکی ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔

قال اللہ تعالٰی "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ"[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کاحصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۵/ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ مسئولہ حکیم ضمیر احمد صاحب از شاہجہانپور محلّہ متالی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کی اور کچھ جائداد چھوڑی، زید کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، زید نے اپنی زوجہ کامہر بھی نہیں اداکیااور

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۱

نہ اس بارہ میں کوئی وصیت کی، بعد انتقال زید کے اس کی زوجہ ۳۶ سال سے اس کی ملکیت پر قابض ہے، تو اب یہ اس ملک میں بیع وہبہ وغیرہ کا پورا تصرف اپنی مرضی کے موافق کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد انتقال اس زوجہ زید کے اس کی ملکیت کے وارث اور مالک زید کے رشتہ دار ہوں گے یا زوجہ کے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مسئلہ بہت کثیر الشقوق والمباحث ہے بقیہ ورثہ کی رضا سے کل متروکہ پر بعوض مہر قابض ہوئی، اور وہ سب عاقل بالغ تھے جب تو بالاتفاق وہ کل متروکہ کی مالک ہوگئی اور اگر بے ان کی اجازت کے ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ مہر مقدار جائداد سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے تو بے ان کی رضا کے زر مہر کے عوض جائداد بطور خود لے لینا اصل مذہب میں جائز نہ ہوگا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا، اور اگر ان میں بعض نابالغ ہیں تو ان کی اجازت بھی کافی نہ ہوگی، اور اگر مہر برابر یا زائد ہے تو اگرچہ ورثہ کے لئے جائداد میں ملک نہیں مگر ان کو حق استخلاص حاصل ہے **کما نص علیہ فی جامع الفصولین والاصباح وغیرھا** (جیسا کہ جامع الفصولین اور اصباح وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور اب وہ مسئلہ وارد ہوگا کہ غیر جنس سے استیفائے حق مثلاً روپے کے عوض اور مال کہ اس سے زائد کی حیثیت کا نہ ہو لے لینا جائز ہے یا نہیں، ہمارا مذہب عدم جواز ہے اور اب بوجہ فساد زمان متاخرین نے جواز پر فتوٰی دیا **کما ذکرہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت) پھر یہ بحث پیش آئے گی کہ جائداد سے استیفائے مہر عورت کو مطلقاً جائز ہے اگرچہ وہ میت کی وصی ہو **کما فی الخانیۃ** (جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ت) مگر ان سب مباحث سے قطع نظر کرکے جب چھتیس سال گزر گئے اور کوئی مدعی نہ ہوا اور وہ تصرفات مالکانہ رکھتی ہے اور ورثاء دیکھا کئے اور معترض نہ ہوئے تو اسی پر حمل کیا جائے گا کہ عورت بروجہ صحیح مالک کل جائداد ہے **کما بینہ فی مواضع کثیرۃ من عقود الدریۃ وفصلناہ فی فتاوانا** (جیسا کہ عقود الدریۃ کے متعدد مقامات پر اس کو ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) لہٰذا بعد موت زن وراثت صرف ورثہ زن کو پہنچے گی نہ کہ ورثہ زید کو۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: مرسلہ احمد خان صاحب صابری قادری از تلونڈی رائے ڈاک خانہ خاص ضلع لدھیانہ ملک پنجاب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
ایک شخص ایک متوفی کو چھٹی پشت پر ملتا ہے اور متوفی اولاد نرینہ نہیں رکھتا ہے صرف اولاد دختری ہے اور وہ شخص جو کہ متوفی کو چھٹی پشت پر ملتا ہے اپنے حق کو حق دختری پر فائق بیان کرتا ہے، آیا وہ شخص غاصب ہے یا کہ نہیں اور امامت کے لائق ہے؟ دوسرے اس کے گھر کا خورد ونوش کیسا ہے؟ یہ شخص رشید احمد گنگوہی کا مرید اور ہمارے گاؤں میں گروہ وہابیہ کذابیہ کا سرغنہ ہے یوں تو نام کو مولوی کہلاتا ہے لیکن مولوی تو درکنار اس میں جاہلوں سے بھی بڑھ کر برے اوصاف ظہور میں آتے ہیں جو کہ ایک کافر وفاسق میں بھی نہیں پائے جاتے۔

الجواب:

جو صرف اولاد دختری رکھتا ہو اس کے بعد اس کی اولاد ذکور میں جو مرد کتنے ہی فاصلہ پر جاکے ملتا ہو وہ اس کا عصبہ ہے کہ اصحاب فرائض سے جو باقی بچے اس کا مستحق ہے جبکہ اس سے قریب تر دوسرا عصبہ موجود نہ ہو تو یہ شخص کہ مورث سے چھٹی پشت میں ملتا ہے ضرور اس کا وارث اور باقی بعد الفروض کا مستحق ہوتا ہے جبکہ صالح وراثت ہوتا اور اس سے اقرب اور عصبہ نہ ہوتا اس حالت میں اس کا دعوی استحقاق باطل نہ ہوتا اگرچہ اپنا حق حق بنات پر فائق کہنا بہر حال غلط تھا کہ عصبہ کا حق اہل فرائض کے برابر بھی نہیں بلکہ متأخر ہے۔

لانه لیس له الاما ابقته اصحاب الفرائض حتی لولم یبق شیئًا لم یکن له شیئ۔	کیونکہ عصبہ کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا جو اصحاب فرائض سے باقی بچا ہو یہاں تک کہ اگر کچھ باقی نہ بچا تو اس کے لئے کوئی شیئ نہیں ہوگی۔(ت)

یہ غلطی ایسی نہ تھی جس کے سبب وہ قابل امامت نہ رہتا یا غاصب ٹھہرتا یا اس کے گھر کا خورد ونوش ممنوع ہوتا لیکن یہ سب اس صورت میں تھا کہ وہ مسلمان ہوتا، طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کا فتوی ہے کہ وہ کفار مرتدین ہیں اور اسی میں شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ کے حوالہ سے فرمایا ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا کافر ہوگیا۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

جو شخص گنگوہی اور اس کے مثال کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے نہ کہ جو اس کا مرید اور اس کے گروہ کا سرغنہ ہو ایسے مرید کے پیچھے کے نطفے ضرور اوپر ہو جائیں گے اور مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا اور اس کی امامت کے کیا معنی، جو اس کی اس حالت پر آگاہ ہو کر اسے قابل امامت جانے گا اس کی نماز درکنا ایمان بھی نہ رہے گا **لان من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر**[1] (اس لئے کہ جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ت) اور ایسے سے میل جول اور اختلاط بلاشبہہ حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی " وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت)
وقال اللہ تعالٰی " وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دادا کے سامنے سب بہن بھائی بالکل محروم ہیں اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما سگے سوتیلے بہن بھائیوں کو دادا کے ساتھ ترکہ دلاتے ہیں، شریفیہ میں فرمایا: مفتی کو اختیار ہے جیسا موقع دیکھے فتوٰی دے۔ اس "موقع" کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مفتٰی بہ امام ہی کا قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتی اسی پر فتوٰی دے، متون نے قول امام ہی اخذ کیا اور عامہ ائمہ فتوٰی نے اسی پر فتوٰی دیا صرف مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے قول صاحبین پر فتوٰی منقول ہوا اور زاہدی نے مجتبٰی میں کہ تصنیف و مصنف دونوں نامعتبر ہیں اور مصنف سراجیہ نے اپنی شرح میں اس کا اتباع کیا تو فتوٰی احق واقعی قول امام ہی پر ہے۔ صاحب شریفیہ نے بیان لحاظ موقع نہ لکھا نہ اور کسی معتمد کے کلام سے یہاں ایسا خیال میں ہے کہ مفتی جیسا موقع دیکھے

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳، الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

فتوٰی دے بلکہ صاحب شریفیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اس پر بنائے کار کی ہے کہ جب امام ایک طرف اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے جس طرف چاہے فتوٰی دے مگر تحقیق یہ کہ یہ صرف اس مفتی کے لئے ہے کہ منصب اجتہاد رکھتا ہو، مفتی مقلد پر لازم ہے کہ ہمیشہ قول امام پر فتوٰی دے مگر یہ کہ ائمہ فتوٰی نے اس کے خلاف پر اختلاف کیا ہو،

کما فی البحر الرائق [1] وتنویر الابصار والفتاوی الخیریۃ و الدر المختار وغیرھا من معتمدات الاسفار۔	جیسا کہ البحر الرائق، تنویر الابصار، فتاوٰی خیریہ اور در مختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔(ت)

تو یہاں موقع کی بحث ہی فضول ہے نہ یہاں اختلاف موقع کی کوئی وجہ چنداں معقول ہے ہاں کہہ سکتے ہیں **اوّلاً** اگر دادا مفلس اور بھائی غنی ہوں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثانیاً: بھائیوں میں کوئی فاسق و مسرف ہو کہ اسے مال دینا فسق پر اعانت کرنا ہے اور دادا صالح تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس تو مقاسمہ۔

ثالثاً: اگر دادا اپنا حصہ لے کر امور خیر واشاعت علم دین میں وقف کر دینا چاہتا ہے نہ بھائی تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع دین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

رابعاً: جد جواد و سخی ہے اور اس کا مال اکثر امور خیر میں صرف ہوتا ہے اور بھائی ایسے نہیں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع مساکین مسلمین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ مگر ان میں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ مذہب مفتٰی بہ سے عدول چاہے عمل ہمیشہ اسی پر ہے جو مفتٰی بہ ہو۔ واللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کسی وارث کے کان لم یکن (کالعدم) کرنے کی مثالیں ارشاد ہوں جن سے اس کے مواقع پر روشنی پڑے۔ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] البحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹-۲۷۰، الفتاوی الخیریۃ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳، الدر المختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

الجواب:

پہلی مثال: زید تین بھائی حقیقی یا تینوں علاتی چھوڑ کر مر گیا پھر ان میں ایک بھائی نے قبل تقسیم ترکہ یہ ہی دو بھائی اپنے وارث چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں اس میت دوم کو کان لم یکن (کالعدم) کرکے مسئلہ صرف دو سے تقسیم کردیں گے اس شکل پر:

مسئلہ ۲ زید

اخ	اخ	اخ
عمرو	بکر	خالد
کان لم یکن (کالعدم)	۱	۱

دوسری مثال: ایک شخص مرا اور ماں اور زوجہ اور بیٹا چھوڑے اور تقسیم ترکہ سے پہلے زوجہ مرجائے پھر اس کا وارث یہی بیٹا رہے تو زوجہ کو کان لم تکن (کالعدم) کردیں گے اس طرح:

مسئلہ ۶

زوجہ	ام	ابن
کان لم تکن (کالعدم)	۱	۵

تیسری مثال: اسی صورت میں اگر ماں قبل تقسیم ترکہ مرجائے تو وہ کان لم تکن (کالعدم) ہوگی اس طرح:

مسئلہ ۸

زوجہ	ام	ابن
۱	کان لم تکن (کالعدم)	۷

چوتھی مثال: مسئلہ ۴

زوجہ	ام	اخ متوفی
۱	۳	

اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک زوجہ اور ماں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کیا پھر قبل تقسیم ترکہ اس بھائی نے انتقال کیا اور اس کے وارث یہی ماں رہی تو از انجا کہ اس کی موت وحیات سے صورت تقسیم نہیں بدلتی کہ حی مان کر دوسرا بطن قائم کریں جب بھی حاصل وہی ہوگا

کہ زوجہ کو ربع اور باقی ماں کو، سدس پہلی میت سے اور باقی دوسری میت سے، اور دوسرے سے کان لم یکن (کالعدم) مانیں جب بھی حاصل یہی ہوگا اس لئے کہ زوجہ اہل رَد سے نہیں اس کا حصہ ربع سے نہ بڑھے گا اور باقی ماں ہی کو ملے گا للہذا کان لم یکن (کالعدم) ہی کرنا اولٰی ہوا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ اول ہندہ نے شوہر زید اور ماں لیلٰی اور ایک بھائی حقیقی عمرو اور دو بہنیں حقیقی سلمٰی، سعاد چھوڑ کر وفات پائی پھر عمرو مرا اور اس کے ورثہ یہی ماں اور دونوں بہنیں رہیں پھر سلمٰی مری اور اس کے وارث یہی ماں اور بہن ہوئی پھر سعاد مری اور اس کی وارث صرف ماں رہی، اب اگر اس طریقہ پر مناسخہ کرتے جو لوگوں میں رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی:

اس میں کس قدر تطویل ہوئی اور وہ ہی ہوا کہ نصف زوج نصف ماں کا، لہٰذا اول ہی سے بھائی بہنوں تینوں کو کان لم یکن (کالعدم) کر دینا چاہئے، ہمارے اس بیان سے واضح ہوا کہ عام کتابوں میں جو کان لم یکن (کالعدم) کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ جو وارث مرا اس کے سب ماورا اس کے وارث ہوں یہ قید ہرگز لازم نہیں اور بعض کتابوں میں جو یہ شرط کی کہ وہ ورثہ سب ایک جنس کے ہوں یہ بھی غلط ہے اس کی بھی حاجت نہیں صرف دو باتیں درکار ہیں ایک یہ کہ وارث کا وارث وارثان مورث کے سوا اور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تقسیم بدلے نہیں بلکہ حقیقۃً صرف یہی شرط ہے پہلی شرط بھی ہر جگہ لازم نہیں مثلاً مثال ثالث میں ام مری اور اپنی ایک بنت اور وارث چھوڑے کہ وہ ورثہ مورث اول کے سوا ہیں لیکن پھر یہ بنت مری اور ابن الاخ مذکور کے سوا وارث نہ چھوڑا تو حاصل وہی ہوا کہ ثمن زوجہ کے بعد باقی سب ابن کا۔ مناسخہ یوں ہوگا:

مسئلہ ۲۴ — زید

زوجہ	ام	ابن
سعیدہ	حمیدہ	عمرو
۳	(۴)	۱۷

مسئلہ ۲ — حمیدہ — مص ۴

بنت	ابن الابن
رشیدہ	عمرو
(۱/۲)	(۱/۲)

مسئلہ ۱ — رشیدہ — مص ۲

ابن الاخ
عمرو
۱/۲

مبلغ ۲۴ الاحیاء (زندے)

سعیدہ	عمرو
۳	۲۱

مبلغ ۸ الاختصار

سعیدہ	عمرو
۱	۷

مآل وہی رہا یہاں اُم کو کان لم یکن (کالعدم) یوں لکھا جائے گا:

مسئلہ ۸ — زید

زوجہ سعیدہ	ام حمیدہ	ابن عمرو
۱	کان لم تکن لانہا خلفت ابن ابنہا عمر او بنتا ماتت فلم تخلف الا ابن اخیہا عمر (وہ کالعدم ہے کیونکہ اس نے ایک پوتا عمر چھوڑا اور ایک بیٹی چھوڑی جو مرگئی اور سوائے ایک بھتیجے عمرو کے کوئی وارث نہیں چھوڑا)	۷

یہ تمام بیان ہمارے فتاوٰی میں مشرح ہے اور اس میں صور کان لم یکن (کالعدم کی صورتوں) میں عجیب عجیب تصرفات بدیعہ ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گے از انجملہ ایک صورت تشحیذ اذہان فرائض دانان کے لئے لکھتے ہیں ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ کو سوال آیا تھا کہ محمد یار نے ایک زوجہ حافظ جان اور پانچ بیٹے نیاز علی، محمد علی، کلن، محمد حسین، امیر علی اور چار بیٹیاں احمدی، بی جان، بنی جان، حسین وارث چھوڑے، پھر حافظ جان مری اور یہی بیٹے بیٹیاں وارث رہے، پھر نیاز علی مرا اور یہی بہن بھائی وارث ہوئے۔ پھر محمد علی نے ایک زوجہ محبوبن اور دو بیٹے وزیر علی، احمد علی چھوڑ کر انتقال کیا جن میں محبوبن مری اور یہی دو بیٹے چھوڑے۔ پھر وزیر علی مرا اور یہی بھائی وارث رہا۔ پھر امیر علی مرا اور باقی دو بھائی اور چاروں بہنیں وارث ہوئیں۔ پھر حسین پھر بنی جان نے انتقال کیا اور یہی بقیہ بہن بھائی وارث چھوڑے۔ پھر احمدی نے شوہر و پسر و دختر محمدی چھوڑ کر انتقال کیا پھر شوہر کے وارث یہی بیٹا بیٹی ہوئے۔ پھر پسر کی وارثہ یہی ہمشیرہ محمدی رہی۔ پھر محمد حسین ایک زوجہ آسودہ اور بیٹا علی حسین اور بیٹیاں بنی، بتولا چھوڑ کر مر گیا۔ پھر بی جان مری اور صرف کلن اس کا وارث ہوا۔ پھر کلن نے زوجہ مونگا اور دو ابن واحد یار و حامد یار اور ایک بنت بسم اللہ چھوڑ کر وفات پائی اس مسئلہ کو جس میں پندرہ میت ہیں صرف پانچ بطن سے تقسیم کیا ہے تصحیح اخیر ۵۷۶ ہے اور بطن اول یوں بانٹا ہے:

مسئلہ ۳۶ — محمد یار

ابن محمد علی	ابن کلن	ابن محمد حسین	بنت احمدی
۶	۱۵	۱۰	۵

باقی سب کان لمہ یکن (کالعدم) فرائض دان حضرات اس پر غور فرما کر بتائیں ورنہ فتاوائے فقیر کی طرف رجوع فرمائیں کہ اس میں اس کی توضیح کردی ہے۔

مسئلہ ۱۴۴: ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

فرائض میں قوانین وہ رکھے گئے ہیں کہ تقسیم چھوٹے سے چھوٹے عدد ممکن سے ہو ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ باوصف اس کے تصحیح اخیر مناسخہ کبھی پھر قابل اختصار ہو جاتی ہے اگر ہو جاتی ہے تو وہاں خلاصہ عمل کہ آخر مناسخہ میں لکھا جاتا ہے کس طرح تحریر کیا جائے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

ہاں بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ بطون میں تقسیم مسائل جس طرح کی گئی ان سے کمی ناممکن تھی مگر جب زیر مداحیاء ہر ایک کے سہام مقبوضہ جمع کرکے لکھے تو ان میں باہم توافق ہو گیا کہ ہر ایک کو ایک عدد کاٹ سکتا ہے اس عدد کو مابہ التوافق کہتے ہیں اور فرائض میں حتی الامکان عدد اقل ہی لیا جاتا ہے ولہذا ہر نسبت میں مقدم علیہ اعظم اور ہر تصحیح میں ذواضعاف اقل کا لحاظ رہتا ہے تو ہر بطن میں کم از کم دو وارثوں کے سہم میں تباین ضرور ہوتا ہے جس کے سبب اختصار ناممکن مگر تباین متباین مل کر بھی متوافق ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مداحیاء کے بعد ایک مداختصار کھینچے اور اسمائے ورثہ ثبت کرکے ہر ایک کے سہم مکتوب مداحیاء اس مابہ التوافق مشترک پر تقسیم کرکے درج کرے یونہی مبلغ کو اوپر تقسیم کرکے یہ مبلغ دوم بالائے مداختصار لکھے اور آخر کی معمولی عبارت جو لکھی جاتی ہے کہ جب شرائط فرائض ترکہ فلاں اتنے سہام پر منقسم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بمد احیاء اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے اس میں بجائے سہام مخرج بالاسہام مبلغ دوم تحریر کرے اور مداحیاء کے عوض مداختصار کا نام لے اس کی مختصر مثال دو ہی بطن میں اختصار کی ضرورت ہو یہ ہے:

(۱) مسئلہ ۲۴ × ۴ ۹۶ زید

زوجہ	ام	بنت	اخت عینیہ
حسنٰی	اسماء	شیریں	نسرین
۳ / ۱۲	۴ / ۱۶	۱۲ / ۴۸	۵

(۲) مسئلہ ۶ تروالی ہم نسرین تباین مصـ ۵

ام	بنت	الاحیاء (زندے) المبلغ ۹۶			
اسماء	یاسمین	حسنی	اسماء	شیرین	یاسمین
۱/۵	۳/۱۵	۱۲	۲۱	۴۸	۱۵

ان کو دیکھا تو تمام اعداد توافق بالثلث رکھتے ہیں لہٰذا مبلغ وسہام سب کو تین پر تقسیم کرکے مداختصار یوں لکھا:

یہاں نقشہ کی امیج بنانی ہے جلد ۲۶ ص ۳۲۵

حسب شرائط فرائض ترکہ زید کا بتیس سہام ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بعد اختصار اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

حسب شرائط فرائض ایک مجمل لفظ ہے تفصیل یوں لکھتے ہیں. بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا من ثلث الباقی بعد الدین (قرض کی ادائیگی کے بعد باقی کے تہائی میں سے وصیتوں کو نافذ کرنا۔ت) ترکہ زید کا الخ اور اس کا اختصار یہ ہے. بر تقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر وصحت ترتیب اموات وتقدیم مہر ودیون ووصایا ترکہ الخ ذکر تجہیز وتکفین کی اس لئے حاجت نہیں کہ سوال غالبًا بعد تجہیز وتکفین ہوتا ہے تو اس کی تقدیم خود ہولی، اور اگر وہ ترکہ پر قرض لے کر کی گئی ہے تو دیون میں آگئی مہر کا ذکر اس وقت چاہئے جب اصل مورث خواہ مناسخہ میں کسی میت نے زوجہ یا زوجات چھوڑی ہوں جیسا کہ صحت ترتیب کی قید صرف مناسخہ میں ہے نہ کہ بطن واحد میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از قصبہ بڑاودہ علاقہ ریاست مالوہ جاورہ مسئولہ محمد یٰسین خاں صاحب ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو تھا اس کے مادر اور ایک زوجہ دو دختران و دو پسران تھے عرصہ چارسال کا ہوا کہ زید مذہب ہندو میں بقضائے الٰہی فوت ہوا اور اس کی مادر وزوجہ ودو دختران ودو پسران بقید حیات رہے،

زید کی زوجہ مسلمان ہوگئی اور دو پسران بھی کہ جن کی عمر ۸ و ۴ سال کی ہے ان کو بھی مسلمان کیا اور دو دختران ومادر زید نے اسلام ناقبول کرکے زوجہ زید سے علیحدگی اختیار کی بعد انتقال زید کے زوجہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر قابض ومتصرف رہی اور اب بھی قابض ہے مادر زید نے زوجہ زید کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے عدالت مجاز میں دعوٰی کیا ہے کہ مال منقولہ وغیر منقولہ اور دونوں پسر میرے سپرد کئے جائیں کیونکہ زوجہ زید مسلمان ہوچکی جب کہ زوجہ زید ودونوں پسران مسلمان ہو کر اسلام قبول کرچکے ہیں تو ایسی حالت میں کیا زوجہ زید شوہر کی جائداد سے محروم ہوسکتی ہے اور دونوں پسران جو اسلام لاچکے ہیں وہ سپرد زید کی مادر جو ہندو ہے ہوسکتے ہیں اور ان پسران کی پرورش کا اب اہل اسلام کو حق ہے یا اہل ہنود کو؟ اور کیا مسلمان ہونے کے بعد ہندو پسران کے حقدار ہوسکتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے صراحۃً ظاہر ہے کہ عورت بعد مرگ زید مسلمان ہوئی ہے اس لئے وہ اور اس کی اولاد ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کے بعد مسلمان ہوگئے، درمختار میں ہے:

الکافر یرث بالنسب والسبب کالمسلم[1]۔	کافر مسلمان کی طرح نسب اور سبب کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معلوم انه حین موت مورث لم یکن مسلما فلم یوجد المانع حین استحقاقه الارث وانما وجد بعده فکان کمن اسلم بعد موت مورثه الکافر فلم یکن فی الحقیقة ارث مسلم من کافر بل هو ارث کافر من کافر[2]۔	یہ معلوم ہے کہ وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں تھا تو میراث کا مستحق ہونے کے وقت مانع نہیں پایا گیا بلکہ بعد میں پایا گیا تو گویا وہ اس شخص کی طرح ہوگیا جو کافر مورث کے مرنے کے بعد مسلمان ہوا، تو یہ درحقیقت مسلمان کا کافر کی میراث پانا نہ ہوا بلکہ کافر کا کافر کی میراث پانا ہوا۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۹

ماں کے مسلمان ہونے دونوں نابالغ بچے مسلمان ہوگئے، ہدایہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا[1]۔	بچہ والدین میں سے بہتر دین والے کے تابع ہوتا ہے۔(ت)

زید کی ماں یا کسی ہندو کا ان میں کچھ حق نہیں، قرآن عظیم میں ہے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی قاری محمد نور صاحب معرفت مولوی فضل حسن صاحب نائب ایڈیٹر دبدبہ سکندری ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مسماۃ ہندہ نے وفات کی، وارثان دو پسر ایک دختر مادر چھوڑی کچھ عرصہ کے بعد ہندہ سے ہندہ کے پسر خورد نے وفات کی، اس نے اپنے وارثان میں زید مذکور اور نانی اور ایک بھائی ایک بہن چھوڑی، بعد گزرنے عرصہ آٹھ سال ہندہ متوفیہ سے ہندہ کی مادر اور ہندہ کے پسر متوفی کی نانی ہوتی تھی وفات پائی اس نے اپنا وارث ایک پسر یعنی عمرو چھوڑا، بعد گزرنے دوسال ہندہ متوفیہ کے زید نے اپنا عقد نکاح ثانی بدین مہر پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ روپیہ زبیدہ سے کیا اور اسی قدر مہر زوجہ اولٰی ہندہ متوفیہ تھا عرصہ سہ ماہ کا ہوا کہ زید نے وفات کی، زوجہ ثانیہ زبیدہ اور دو ۲ پسر جو زبیدہ سے ہوئے ہیں چھوڑے، آیا شرعاً ترکہ زید مکان واثاثہ تقریباً آٹھ سو روپے کی مالیت کا ہے وارثان ہندہ متوفیہ و پسر ہندہ متوفی ہر ایک کو حصہ کس قدر پہنچے گا اور زید کے زوجہ ثانی یعنی زبیدہ مع ہر دو پسران کو متروکہ زید دین مہر میں کس قدر پہنچے گا تشریحاً وتفصیلاً ارشاد فرمایئے۔ بیّنوا توجروا۔ فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ مہر وترکہ سے زائد اور دونوں مہروں کی مقدار مساوی ہے اگر زید پر کوئی اور دین نہ ہو تو کل متروکہ زید دوسواسّی ۲۸۰ سہم ہو کر حسب شرائط فرائض یوں تقسیم ہو:

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/۱۴۱

مسئلہ ۲۸۰ (دوسواسّی) زید

زوجۂ ثانیہ	برادر ہندہ زوجۂ اولٰی	پسر زندہ ہندہ	دختر ہندہ
زبیدہ	عمرو	بکر	لیلٰی
۱۸۰	۳۷	۴۲	۲۱

اور اگر زید پر اور دین بھی ہو تو دین مہر زبیدہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰، اور دین مہر ہندہ تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی (۱۳۸۸۸) روپیہ چودہ آنے ۲-۳/۳ ۲ پائی، اور دین جو کچھ ہو ان سب پر متروکہ زید کو حصہ رسد تقسیم کریں پھر جو حصہ مہر ہندہ ہو وارثان ہندہ پر اسی طرح سو حصے ہو کر بٹے، ۳۷ برادر اور ۴۲ پسر ۲۱ دختر کو۔ اور بہر حال پسران زبیدہ کہ وارثان ہندہ نہیں اور زبیدہ خود زندہ ہے کچھ نہ پائیں گے۔ یہ مسئلہ وہاں اکثر علمائے زماں کی سمجھ میں سہل آنے کا نہیں اگرچہ ہمارے یہاں سے طریقہ مسلوکہ واضح ہے۔ ذرا غور کو کام فرمائیں جلدی نہ کریں۔ حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **من استعجل اخطأ**[1] جو جلدی کرتا ہے خطاء میں پڑتا ہے، **والعیاذ باللہ**۔ اور اب بھی سمجھ میں نہ آئے تو فتاوائے فقیر میں اس کا ایضاح ہے اس کی طرف رجوع لائیں **وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔** توضیح اس کی یہ ہے کہ جب ہندہ نے انتقال کیا اس کے وارث شوہر زید اور ماں سلمٰی اور دو پسر بکر و خالد اور ایک دختر لیلٰی ہوئے، ربع کہ حق زید تھا اوپر سے ساقط ہو گیا تو بقیہ کی تقسیم یوں رہی:

بقیہ ۴۵ ہندہ

ام	ابن	ابن	بنت
لیلٰی	بکر	خالد	لیلٰی
۱۰	۱۴	۱۴	۷

پھر خالد کا انتقال ہوا اس کا سدس اُم الُام نے پایا اور باقی زید نے تو سہم خالد کے پانچ سدس زید پر سے اور ساقط ہو گئے، ۱۴ کو ۶ سے توافق بثلث تھا للذا بقیہ کا مسئلہ یوں ہوا:

---

[1] نوادر الاصول الاصل التاسع والثمانون والمائتان فی تمثیل الحرص الخ دار صادر بیروت ص ۲۲۳، الجامع الصغیر حدیث ۸۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۱۲

بقیہ ۱۳۵	ہندہ		
سلمٰی	بکر	خالد	لیلٰی
۳۰	۴۲	۴۲	۲۱

خالد کے ۴۲ سے ۳۵ بحق زید ساقط ہوئے اور سات سلمٰی کو گئے جو اس کی موت پر اس کے بیٹے عمرو کو ملے اور حاصل یہ ہوا:

مناسخہ	ہندہ	
عمرو	بکر	لیلٰی
۳۷	۴۲	۲۱

تو مسئلہ ہندہ کہ ۱۸۰ سے ہو تو ۱۰۰ سے رہ گیا ۱۸۰/ ۸۰ یعنی چار تسع بحق زید ساقط ہوئے تو پچیس ہزار سے تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی دو آنے ۲-۳ /۲ پائی کا مطالبہ رہا۔ قنیہ میں ہے:

قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتین واخ لاب وام ولامال لھا سوی مھر علی زوجھا مائۃ دینار ثم مات الزوج ولم یترك الاخمسین دینارا فقلت یقسم بین الابنتین والاخ اتساعا بقدر سھامھم لانہ ذکر فی کتاب العین والدین اذاکان علی بعض الورثۃ دین من جنس عین الترکۃ یحسب ماعلیہ من الدین کانہ عین ویترك حصتہ علیہ وتترك العین لانصباء غیرہ من الورثۃ فحسبنا علی الزوج من المھر خمسۃ وعشرین دینارا کانہ عین	ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر فوت ہو گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا خاوند صرف پچاس دینار چھوڑ کر مر گیا۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہو گا گویا کہ وہ عین

وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینهم علٰی سهامهم من اصل المسئلة وقد افتی به کثیر من مفتی زماننا انه یقسم الخمسون بینهم اثلاثا وانه غلط فاحش[1] اهـ **اقول:** معنی حسبان ماعلیه عینا وترك حصته علیه ان یجعل کانه وجد هذا بسهمه فیضرج من البین علی رسم التخارج فتصحح المسئلة معه ثم یسقط سهمه و یقسم الباقی علی الباقی بقدر سهامهم من اصل التصحیح لاان یجعل کأن لم یکن وتصحح المسئلة بدونه کما فعل اولئك وکما غلط مثله بعض الکبراء فی مسئلة التخارج کما ذکره فی الدر المختار وبه ظهر ان ماسقط منه لایورث عنه لان الساقط غیر مملوك و لامتروك فلاموروث الا تری ان لو ورث الربع من الزوج لکانت المسئلة	ہے۔ مقروض وارث کا حصہ اس قرض پر چھوڑ دیا جائے گا اور عین دیگر وارثوں کے حصوں کے لئے چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کرلئے گویا کہ وہ عین ہیں اور بیٹیوں اور بھائی کے حصے کے لئے پچاس دینار باقی بچے تو وہ اصل مسئلہ میں سے ان کے حصوں کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوی دیا ہے کہ پچاس دیناران میں تین حصے بناکر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) وارث پر جو قرض ہے اس کو عین شمار کرنے اور مقروض وارث کے حصہ کو اس پر چھوڑنے کا معنٰی یہ ہے کہ اس وارث کے بارے میں یہ فرض کیاجائے گا گویا کہ وہ اپنا حصہ لے کر تخارج کے طریقہ پر درمیان سے نکل گیا۔ لہٰذا مسئلہ کی تصحیح اس وارث سمیت کی جائے گی پھر اس کے حصہ کو تصحیح میں سے ساقط کیاجائے گا اور باقی کو باقی وارثوں پر تقسیم کیاجائے گا ان حصوں کے مطابق جو ان کو اصل تصحیح میں سے ملے ہیں یوں نہیں ہے کہ اس وارث کو کالعدم قرار دے کر اس کے بغیر مسئلہ کی تصحیح کی جائے جیساکہ ان مفتیوں نے کیا اور جیساکہ بعض اکابر نے مسئلہ تخارج میں ایسی ہی غلطی کی ہے جیساکہ درمختار میں مذکور ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیاکہ جوکچھ ساقط ہو جائے اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیونکہ ساقط نہ تو مملوک ہے اور نہ ہی متروک (ترکہ میت) ہے لہٰذا اس کو میراث نہیں بنایا جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر (صورت مذکورہ میں) خاوند کو چوتھے حصے کا وارث بنایا جاتا

[1] القنیة المنیة لتتمیم الغنیة کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

من ۲۴ لکل بنت ۱۱ وللاخ ۲ ولیس ھٰکذا بل ھو من ۹ لکل بنت ۴ وللاخ واحد فھذا ھو الفقہ فی المسئلۃ و باللہ التوفیق، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو مسئلہ ۲۴ سے بنتا گیارہ گیارہ ہر بیٹی کو اور دو بھائی ملتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسئلہ نو سے بنا کر چار چار ہر بیٹی کو اور ایک حصہ بھائی کو دیں گے۔ چنانچہ مسئلہ میں یہی فقہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۸، ۱۴۷: از قصبہ بہار ضلع بھنڈ ریاست گوالیار مرسلہ قاضی یعقوب علی ۷ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال اوّل: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم امّا بعد کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کہ

ترکہ سسر میں بموجودگی دیگر ورثاء بلاواسطہ براہ مستقیم داماد کا کیا حق ہے یا نہیں ہے؟ بیّنوا توجروا۔

امید کہ جواب سے بغور ملاحظہ بصیغہ بیرنگ مشرف فرمائے۔ والسلام

الجواب:

داماد یا خسر ہونا اصلاً کوئی حق وراثت ثابت نہیں کرسکتا خواہ دیگر ورثاء موجود ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر اور رشتہ ہے تو اس کے ذریعہ سے وراثت ممکن ہے مثلاً داماد بھتیجا ہے خسر چچا ہے تو اس وجہ سے باہم وراثت ممکن ہے ایک شخص مرے اور دو وارث چھوڑے ایک دختر اور ایک بھتیجا کہ وہی اس کا داماد ہے تو داماد بوجہ برادرزادگی نصف مال پائے گا اور اگر اجنبی ہے تو کل مال دختر کو ملے گا داماد کا کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال دوم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

متبنّٰی کرنا اور وارث بنانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

متبنّٰی کرنا اسلام میں کچھ اصل نہیں رکھتا نہ وہ وارث ہوسکے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم

فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ "[1]۔	نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔(ت)

وارث بنانے کی دو صورتیں ہیں، **ایک** حقیقۃً، وہ یہ کہ مثلاً کوئی نو مسلم عاقل بالغ جس کا کوئی وارث نسبی نہیں اپنے مسلمان کرنے والے خواہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تو میرا مولٰی ہے میں مر جاؤں تو تو میرا وارث ہو اور میں جرم کروں تو تو میری طرف سے جرمانہ دے اور وہ قبول کرلے تو یہ قبول کرنے والا اس کا شرعاً وارث ہوجاتا ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو یہ اس کا ترکہ پاتا ہے۔

دوم حکماً وہ یہ کہ زید کسی کی نسبت اپنے ایسے رشتہ کا اقرار کرے جس سے وہ اس مقر کے کسی عزیز کی اولاد قرار پاتا ہو خود اپنی اولاد نہ بتائے مثلاً کہے میرا بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا ہے یا چچا کا بیٹا ہے اور جس سے اس کا نسب قرار دیا ہے اس سے نسب ثابت ہوجائے مثلاً بھائی کہا اور باپ نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، تو وہ حقیقی بھائی ہوگیا اور یہ مقر اپنے اس اقرار سے کبھی پھرے نہیں تو اس صورت میں یہ شخص اس مقر کا ترکہ پائے گا جبکہ اس کا نہ کوئی رشتہ دار ہو نہ پہلی صورت کا حقیقی وارث بنایا ہوا۔ بس یہ دو صورتیں وارث بنانے کی ہیں اور کوئی نہیں۔ **والمسائل مصرح بھا فی الکتاب** (اور ان مسائل کی کتاب میں تصریح کردی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۹ تا ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں (زوجہ غلام احمد خاں ساکن بریلی محلّہ قلعہ) نے بسبب لاولد ہونے کے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں ساکن بدایون کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالت شیر خواری بطور اپنے بیٹے کے پرورش کرکے تعلیم وتربیت میں کماحقہ کوشش کی اور شادی بیاہ وغیرہ کے تمام رسومات مثل اولاد خود انجام دیئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کے زوجہ اولٰی سے علی مظفر خاں پیدا ہوئے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا جبکہ مولوی یعقوب علی خاں نے دوسری شادی کا قصد کیا تو ان کی پھوپھی مسماۃ عائشہ بیگم نے بنظر دوراندیشی اپنی نصف جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ مولوی یعقوب علی خاں خلف غلام احمد خاں) اور نصف جائداد بنام علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں منتقل کردی بموجب اس کے سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہو کر اس جائداد پر قبضہ مالکانہ مولوی یعقوب علی خاں اور

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کا ہوگیا، مولوی یعقوب علی خاں پسر محمد وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں جیسا کہ ان کی پھوپھی نے کہلایا تھا تحریر کرتے تھے مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد ان کی دو بیویاں مسماۃ الطاف بیگم اور مسماۃ نادر النساء اور ایک لڑکا علی مظفر خاں باقی تھے۔ علی مظفر خاں اپنی اور اپنے باپ مولوی یعقوب علی خاں کی تمام جائداد کے مالک و قابض ہوگئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کی ایک بیوی مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا دوسری بیوی مسماۃ نادر النساء موجود ہے۔ علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، علی مظفر خاں نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی مسماۃ حسینی بیگم کا دین مہر ادا کر دیا۔ اب علی مظفر خاں کا انتقال ہوگیا مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں کی موجود ہے۔ مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں نے بحق زوجیت اور نواب عبدالقادر خاں نے بدعوی اس کے کہ نواب غلام احمد خاں میرے دادا کے بھائی تھے جائداد متروکہ علی مظفر خاں کو نصف نصف کرکے آپس میں تقسیم کرلیا اور اپنے اپنے حصوں پر قابض ہوگئے۔

سوال اول: اس صورت میں مولوی یعقوب علی خاں پسر وزیر خاں متصور ہوں گے یا نواب غلام احمد خاں کے اور (الف) لفظ خلف سے کیا مراد ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو مولوی یعقوب علی خاں صاحب وزیر خاں کے پسر ہیں نواب غلام احمد خاں سے کوئی تعلق نہیں، متبنّٰی بنانے کا مسئلہ ہنود کے یہاں ہے شریعت مطہرہ نے اسے باطل فرمادیا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ"[1]۔ وقال اللہ تعالٰی "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمہارے مردوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1] وقال تعالٰی "لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ"[2]	میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیویوں میں۔ (ت)

خلف بمعنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں جبکہ اپنے باپ کے بعد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا باپ کہے تو وہی شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:

ہر گز نہیں مگر اس صورت میں کہ یہ شخص مجہول النسب ہو اور بلحاظ عمر اس کا بیٹا ہو سکتا ہو اور اسے اپنا باپ بتائے اور وہ قبول کرے کہ واقعی یہ میرے نطفہ سے ہے تو وہ اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال سوم: متروکہ علی مظفر خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں کے سمجھے جائیں گے یا خاندان نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی کے؟

الجواب:

جب کہ علی مظفر خاں لاولد تھے اور کوئی بھائی بھتیجا بھی نہ تھا تو ان کے وارث وزیر خاں کے بیٹے پوتے ہوں گے نہ کہ خاندان نواب غلام احمد خاں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور رشتے والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

حدیث میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

الحقواالفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فرائض اہل فرائض کو دو، جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

سوال چہارم: اگر علی مظفر علی خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں سے متصور ہوں توجائداد متروکہ علی مظفر خاں حسب تفصیل مندرجہ شجرہ آپس میں کس طرح تقسیم ہوگی؟ امید کہ جواب باصواب بآیات قرآن وحدیث مرفوعہ موافق مذہب حنفیّہ مع عبارات وحوالہ کتاب صحیح صحیح طور پر صاف صاف لفظوں میں بمصداق آیہ کریمہ:

"وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾"[2]	اور حق سے باطل کو نہ ملاؤاور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔ (ت)

مرحمت فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے نہ لکھاکہ علی مظفر خاں کے بعد ان کے پانچوں چچوں میں کوئی زندہ تھایانہیں۔ علی مظفر خاں کے ترکہ سے حسب شرائط فرائض چہارم حسینی بیگم کا ہے باقی حسین علی خاں کا ہے اگر وہ زندہ رہاہو تو سوتیلے چاروں چچوں میں ایک یازائد جتنے علی مظفر خاں کے بعد زندہ رہے ہوں وہ باقی ان سب کا بحصہ مساوی ہے اور اگر کوئی زندہ نہ تھا تو باقی ان دسوں چچازاد بھائیوں کا ہے ولایتی بیگم واولاد افراد بیگم کا بہرحال کچھ نہیں۔ اسی طرح باقی آٹھوں دختران اعمام علاتی کچھ نہ پائیں گی۔ یہ سب جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل نے پوری صحیح بات لکھی ہو، حق نہ چھپایاہو، نہ سچ میں جھوٹ ملایاہو، ورنہ وبال اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(شجرہ اگلے صفحہ پر)

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ و جامع الترمذی کتاب الفرائض ۲/ ۳۱ مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۴۲

شجرہ خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں

نامدار خاں افغان قوم مہمند سکنہ قدیم بڑا بیر علاقہ پشاور

مسماۃ عائشہ بیگم زوجہ نواب غلام احمد خاں لاولد

الف خاں لاولد

وزیر خاں ساکن بدایوں محلہ تاگران

مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں زوجہ نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی محلہ قلعہ نے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالت شیر خواری بوجہ لاولد ہونے کے بطور اپنے بیٹے کے پرورش کیا اور مسماۃ عائشہ بیگم نے اپنی جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ خلف غلام احمد خاں) منتقل کردی اور سرکاری کاغذات میں عملدرآمد کرادیا اس لئے مولوی یعقوب علیخاں پسر وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں کے لفظ سے تحریر کرتے تھے۔

مسماۃ مصری بیگم زوجہ ثانیہ

مسماۃ عمدہ بیگم زوجہ اولی

- مولوی یعقوب علیخاں پسر
  - علی مظفر خاں پسر
    - زوجہ مسماۃ الطاف بیگم
    - زوجہ مسماۃ نادر النساء بیوہ
    - مسماۃ حسینی بیگم زوجہ لاولد
- مسماۃ افراد بیگم دختر
  - محمد حسین خاں پسر
  - محمد اکبر خاں پسر
- حسین علیخاں پسر
  - مسماۃ ولایتی بیگم دختر
- احمد علیخاں پسر — ولایت علیخاں، یوسف علیخاں، مہدی علیخاں پسر ۳، اعجاز بیگم، امداد بیگم دختر ۲
- سعادت علیخاں پسر — جعفر علیخاں، وارث علیخاں پسر ۲، بندی بیگم، سکینہ بیگم، مختار بیگم، فیاض بیگم دختر ۴
- عباس علیخاں پسر — قاسم علیخاں، سردار علیخاں، محبوط علیخاں پسر ۳، فاطمہ بیگم دختر ۱
- اصغر علیخاں پسر — باقر علی خاں، اکبر علی خاں پسر ۲، مسماۃ صفدری بیگم دختر ۱

جناب مولوی یعقوب علی خاں کی تین بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے علی مظفر خاں تھے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا، اس لئے مولوی صاحب موصوف نے دوسری شادی بمقام چھاؤنی اشرف خاں بانکے میں مسماۃ الطاف بیگم بنت زور باز خاں کے ساتھ کی، ان سے اولاد نہیں ہوئی اس لئے تیسری شادی مولوی یعقوب علی خاں نے شہر بریلی میں مسماۃ نادر النساء کے ساتھ کی ان سے اولاد ہوئی مگر زندہ نہ رہی۔ مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا۔ تیسری بیوی مسماۃ نادر النساء ہنوز موجود ہے۔

مسئلہ ۱۵۳: ۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

ہندہ نے انتقال کیا اور ایک زوج (جو کہ متوفیہ کا ابن الخال بھی ہے)، ایک بنت العمہ اور ایک بنت الخال کو چھوڑا، اس صورت مسئولہ میں ترکہ متوفیہ کا ازروئے فقہ احناف کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مذکورہ میں ترکہ ہندہ حسب شرائط فرائض اٹھارہ[۱۸] سہام ہو کر گیارہ[۱۱] سہم زوجہ کو **تسعة للزوجیة واثنان للرحم** (نو[۹] بیوی ہونے کی وجہ سے اور دو ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے۔ت) اور ایک[۱] بنت الخال اور چھ[۶] بنت العمہ کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: از انولہ گھیر انو خاں مرسلہ حاجی اللہ بخش صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے انتقال کیا اور اس قدر وارث چھوڑے: شوہر، ماں، دو[۲] بہنیں، ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ اور جو مال کہ ہندہ کے پاس تھا اس میں بعض مال تو ایسا تھا کہ اس کو جہیز میں ملا تھا اور بعض مال اس کو بوقت شادی شوہر کی جانب سے بطور چھڑاوے کے ملا تھا اور بعض مال بعد شادی کے شوہر نے اس کو پہنادیا تھا اور بعض مال انتظام خانگی سے پس انداز کرکے اس نے جمع کیا تھا اب ان اموال مذکورہ سے کون سا مال ہندہ کی ملکیت میں شرعاً متحقق ہے اور کون سا ہندہ کی ملکیت سے خارج ہے اور درصورت ہندہ کے مابلکہ نہ ہونے کے اس مال کا کون مالک ہے اور ہندہ کی قوم میں رواج ایسا بھی ہے کہ بعد انتقال کے لڑکی والے جہیز اپنا دیا ہوا جو کہ اس وقت موجود ہوتا ہے واپس کرلیتے ہیں اور لڑکے والے اپنا چڑھاوا موجود لے لیتے ہیں بعد معافی دین مہر کے، اور دَین مہر شوہر پر اگر باقی ہے وہ کس کو ملنا چاہئے، اور جس مال کی ہندہ شرعاً مابلکہ ہے اس کی تقسیم وارثوں مذکورہ بالا پر کتنے سہام کے منقسم ہونا چاہئے اور نابالغوں کا

ورثہ باپ کے پاس رہنا چاہئے یا نانی کے پاس اولٰی مستحق کون ہے اور بچوں کی پرورش وخدمت کا حق کس کے ذمہ ہے اور میت کی قضا نمازوں اور روزوں کا کفارہ کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔ ردالمحتار باب النفقہ میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ وانه اذا طلقها تاخذہ کله واذا ماتت یورث عنها[1]۔	ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے، جب خاوند اس کو طلاق دے دے تو سارا جہیز لے لیتی ہے اور جب وہ مرجائے تو بطور میراث (عورت کے وارثوں میں) تقسیم کیا جاتا ہے۔(ت)

ہندہ کی قوم میں بھی اگر یہی عرف ہے اور بعد موت جہیز موجود کا واپس لینا اس گمان پر ہے کہ لڑکی کو تاحین حیات اس کا مالک کرتے ہیں بعد موت جو باقی رہا اپنی ملک سمجھ کر واپس لیتے ہیں تو یہ سخت غلطی ہے جو چیز تاحین حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مالک مستقل ہوجاتا ہے بعد موت اس کا واپس لینا ممکن وحرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العمری میراث لاھلھا۔ رواہ مسلم[2] عن جابر۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کی میراث ہے جس کو وہ دیا گیا ہے۔ اس کو امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔(ت)

دوسری روایت میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

العمری لمن وھبت لہ۔ رواہ عن جابر وابوداؤد[3] والنسائی۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کے لئے ہے جس کو ہبہ کیا گیا۔ اس کو امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نیز ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸

[3] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸، سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب العمرٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۴

در مختار میں ہے:

جاز العمرٰی للمعمر لہ ولورثتہ بعدہ لبطلان الشرط[1]۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) جائز ہے اس کے لئے جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے، کیونکہ اس میں شرط باطل ہے۔(ت)

ہاں اگر قوم ہندہ میں یہ رواج ہے کہ جہیز عاریۃً دیا جاتا ہے عورت کو اس کامالک نہیں سمجھا جاتا تو بیشک وہ مِلک ہندہ نہ ہوگا اور جس نے دیا تھا اس کو واپس ملے گا،

فان العاریۃ مؤدّاۃ وعلی الید مااخذت حتی تردّھا[2]۔	عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی اور ہاتھ کے ذمے ہے جو اس نے لیا یہاں تک کہ اس کو لوٹادے۔(ت)

یوں ہی چڑھاوے میں اگر اس قوم کا عرف دلہن کو مالک کردینا ہے اگرچہ تاحین حیات تو چڑھاوا بھی ہندہ کی ملک ہے ورنہ جس نے چڑھایا تھا اس کا ہے فان العادۃ محکمۃ (کیونکہ عادت مستحکم ہے۔ت) بعد شادی جو زیور شوھر نے پہنایا وہ شوہر کی ملک ہے مگر یہ کہ صراحۃً یا عرفاً ہندہ کو مالک کردینا مفہوم ہوا ہو۔

فی احکام الصغار والھندیۃ عن الملتقط وفی ردالمحتار عن العلامۃ بیری عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالافتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک[3]۔	احکام الصغار اور ہندیہ میں ملتقط سے اور ردالمحتار میں علامہ بیری سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب کسی نے اپنے بیٹے کو کچھ مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کردیا تو وہ باپ کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی تملیک پر دلالت کرنے والی دلیل پائی جائے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ مؤداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] احکام الصغار مسائل الہبۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۷۴، الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲، ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

جومال ہندہ نے خرچ خانگی سے پس انداز کرکے جمع کیا اس کی دو ۲ صورتیں ہیں اگر شوہر انتظامات خانگی کے لئے اسے روپیہ دیتا ہے جس سے سارے گھر کا خوردونوش ہوتا ہے جس میں خود شوہر بھی داخل، اس میں نوکروں کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل۔ جیسا کہ غالب رواج یہی ہے جب تو اس مال کا مالک شوہر ہے اور عورتیں جو اس میں سے خفیہ بچا کر جمع کرلیتی ہیں یہ جائز نہیں، اور اگر شوہر نے نفقہ زن میں کوئی مقدار مثلاً دس ۱۰ بیس ۲۰ یا سو ۱۰۰ دوسو ۲۰۰ روپے ماہوار مقرر کردی ہے کہ وہ خاص عورت کو دی جاتی ہے اس میں سے عورت نے پس انداز کیا تو وہ عورت کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے:

وقالوا مابقی من النفقۃ لہا فیقضی باخرٰی[1]۔	مشائخ نے کہا جو نفقہ سے بچ جائے وہ عورت کی ملکیت ہے اور قاضی مزید نفقہ اس کو دلائے گا۔(ت)

طحاوی میں ہے:

ویتفرع علیہ مالوقررلہا کل یوم مثلا قدرامعینا من الفضۃ فامرتہ بانفاق البعض وارادت ان تمسك الباقی فمقتضی التملیك ان لہا ذٰلك وقدمناہ[2]۔	اسی پر متفرع ہے کہ اگر عورت کے لئے یومیہ چاندی کی ایک خاص مقدار معین کی گئ عورت نے اس میں سے بعض کو خرچ کرنے کا کہا اور ارادہ کیا کہ باقی کو روک رکھے تو تملیک کا تقاضایہ ہے کہ وہ ایسا کرسکتی ہے اور ہم اس کو پہلے ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

پس ان سب باتوں سے حسب تفصیل بالا جومال کی ملک ہندہ سمجھا جائے مع مہر ہندہ حسب شرائط فرائض سب کے چھتیس ۳۶ سہام ہو کر نو ۹ سہم شوہر اور چھ ۶ سہم مادر اور چودہ ۱۴ پسر اور سات دختر کو ملیں گے، بہنوں کا کچھ نہیں، نابالغوں کا حصہ ان کے باپ کے قبضہ میں رہے گا، نانی سے کچھ تعلق نہیں، لڑکا سات برس اور لڑکی نوبرس کی عمر تک نانی کے پاس رہیں گے پھر باپ لے لے گا۔ نماز روزوں کے کفارہ کی اگر ہندہ نے وصیت کی ہے تو وہ قبل تقسیم ترکہ بعد ادائے

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/ ۲۶۰

دین اگر ذمہ ہندہ تھا تہائی مال تک وجوبًا جاری کی جائے گی اور اگر وصیت نہ کی تو وہ کسی وارث پر واجب نہیں جو اپنی طرف سے کرے گا ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۵: مسئولہ محمد حسین از جودھ پور ملک مارواڑہ امام مسجد محلّہ نائکان متصل جونی بال زیر قلعہ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔ از راہ عنایت مندرجہ ذیل کے استفتاء کا جواب مدلل تحریر فرما کر مشکور کریں۔ چونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے لہذا بہت ممنون فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ کو اپنی زندگی میں کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ہبہ کرکے اس کا قبضہ کردیا جواب تک قابض ہے کیونکہ سوائے ہندہ کے اور کوئی اولاد زید کے نہیں ہے، زید کا انتقال ہوئے قریبًا آٹھ دس برس کا عرصہ گزر چکا ہے، اب زید کے ایک چچا اور چچیرے بھائیوں نے اس کی اور دختر ہندہ پر مکان سکنی کے بابت عدالت میں دعوی کیا ہے اور محض اپنے فائدے کے واسطے خلاف واقعہ اپنے بیان میں یہ لکھایا ہے کہ یہ خاندان ہندو دھرم شاستری ہے اسی حق بازگشت کا پابند ہے، جو مسلمان اپنے فائدہ کی غرض سے شرع شریف کے احکامات سے انحراف کرکے ہندو شاستر کا پابند بنے تو اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ مع حوالہ کتب کے جواب دیں۔

الجواب:

اپنے دنیوی فائدے مال حرام خلاف شرع ملنے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا معاذ اللہ اپنے کفر کا اقرار کرنا ہے اور اپنے سارے خاندان کی طرف اسے نسبت کرنا سارے خاندان کو کافر بنانا ہے، ایسے لوگوں کو تجدید اسلام کا حکم ہے، پھر اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾"[1]، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

مسئلہ ۱۵۶: بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۲محرم ۱۳۳۴ھ

کیا حکم ہے شرع متین کا اس مسئلہ میں، زید نے انتقال کیا، ایک زوجہ، ایک دادی حقیقی کا بھائی، ایک والد کی سوتیلی ہمشیرہ کا لڑکا یعنی حقیقی دادا کا حقیقی نواسہ اور دو والد کے پھوپھیرے بھائی یعنی دادا کی بہن کے لڑکے۔ ترکہ زید کا اس صورت میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ مذکورین کے سوا کوئی غیر وارث نہیں ہے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ ترکہ چار حصے ہوگا ایک حصہ زوجہ اور تین زید کی سوتیلی پھوپھی کے پسر کو ملیں گے، باپ کا ماموں اور باپ کے پھوپھی زاد بھائی اس کے آگے محجوب ہیں کہ وہ خود زید کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو پدر زید کے ماموں، پھوپھی اور ان کی اولاد پر مقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم جزء جدیه اوجدتیه وهم الاخوال والخالات ثم عمّات الاٰباء والامهات واخوالهم وخالاتهم واولاد هٰؤلاء[1]۔ (ملتقطًا)	پھر میت کے دونوں دادوں (دادا اور نانا) کی جزء یا اس کی دونوں دادیوں (دادی اور نانی) کی جزء جو کہ ماموں اور خالائیں ہیں۔ پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں اور ان کی اولادیں ہیں بالالتقاط (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله انه اذالم یوجد عمومة المیت وخؤولته و اولادهم انتقل حکمهم المذکور الٰی هٰؤلاء ثم اولادهم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میت کے چچے، ماموں اور ان کی اولادیں موجود نہ ہوں تو مذکورہ بالا حکم ان لوگوں (میّت کے آباء وامّہات کی پھوپیوں، ماموؤں اور خالاؤں) کی طرف پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴۔۳۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۸

مسئلہ ۱۵۷، ۱۵۸: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ بروز پنجشنبہ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ جلیسن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال ۱: جناب والد صاحب مرحوم نے (یعنی شیخ امیر حسن صاحب مرحوم نے) جو مال و متاع منقولہ یا غیر منقولہ چھوڑ کر قضا کر گئے ان میں حصہ نثار حسین کا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا ہمارے بھائیوں کو شرعًا جائز ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ شرعی ہضم کرکے نثار حسین کو مساوی یا اپنے سے کم وبیش حصہ دے دیں کاش وہ لوگ غلطی سے اگر ایسی کارروائی کر گزرے ہوں تو کیا یہ غلط تقسیم خلاف شرع اور قابل استرداد نہیں ہے؟ اور کیا اس غلط کارروائی سے شرعًا ہم لوگوں کا شرعی حصہ سوخت ہوسکتا ہے؟

الجواب:

باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق بنص قرآن قطعی قرآن ہے جسے کوئی رد نہیں کرسکتا، بیٹوں نے اگر بیٹیوں کو حصہ نہ دیا کل آپ نے لے لیا یا بعض کسی غیر وارث کو دے دیا تو یہ ضرور ظلم ہے اور وہ تقسیم واجب الرد۔ نثار حسین اس مسئلہ میں محجوب الارث ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال ۲: شیخ امیر بخش مرحوم نے جس وقت اپنے فرزند اصغر حسین کو جدا کیا تجارتی مال میں پانچواں حصہ دیا، اس عملی کارروائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اپنے فرزند زادہ یعنی نثار حسین کو باوجود محجوب ہونے کے حصہ دینا منظور تھا ورنہ اصگر حسین کو پانچواں حصہ نہ دیتے بلکہ چوتھائی حصہ دیتے کیونکہ لڑکے چار ہی موجود تھے ونیز بعد وفات امیر بخش صاحب کے جب نثار حسین کے چچا لوگوں نے ترکہ تقسیم کیا تو نثار حسین کا بھی ایک حصہ اپنے برابر دے دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امیر بخش مرحوم کے ارادہ کو ان کے لڑکوں نے باوجود خود مختار ہونے کے قبول اور منظور کرلیا۔ اس صورت میں جو حصہ نثار حسین کے قبضہ میں آگیا وہ اس کے شرعًا مالک ہوگئے یا نہیں؟

الجواب:

وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثہ کے عمل کو، **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ**[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے۔ت) بہنوں کے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ المؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

حصہ کا نثار حسین بے ان کی اجازت کے کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا، اور بھائیوں کے حصہ کی تفصیل وہ ہے جو ابھی گزری۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: از ضلع کانپور ڈاکخانہ موسٰی نگر موضع چاندپور مسئولہ عبدالحق کاشت کار موروثی بتاریخ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ
بعد مرجانے عورت کے مہر کا روپیہ کس کو دینا چاہئے کس کا حق ہوتا ہے اور اگر حق تحریر کیا جائے تو افضل کون شخص ہوتا ہے جس کو مہر ادا کیا جائے؟

الجواب:

مہر میراث ہے اور میراث میں افضل وغیر افضل نہیں دیکھے جاتے جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے **الارث جبری لایسقط بالاسقاط** (میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) لہٰذا ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰تا۱۶۲: مرزا بیگ مسئولہ محمد محی الدین موضع چاندیانہ ضلع بلند شہر روز یک شنبہ بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ
ایک مسلمان بدمذہب حنفی قتل ہوا اور قاتل ایک مرد اور دوسری اس کی زوجہ قرار دیئے، مرد کے ذمہ قتل کرنا اور عورت کے ذمہ قتل کرانے کا الزام عائد ہو کر قاتل کو حکم موت اور عورت کو بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی، چونکہ عورت حاملہ متروکہ مقتول پر شمول پسران متوفی کے زوج کے نام بھی حصہ شرعی درج کاغذات ہوا، کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زوج مقتول کو محض شبہہ میں بلاشہادت عینی کے عدالت سے سزا ہوئی تو کیا ترکہ مقتول میں حصہ شرعی و مہریابی کے مستحق ہے یا نہیں؟
دوم: قتل کے واسطے شہادت چشم دید یا شبہہ کے حالات میں شرعًا گواہی واجب ہے کیا؟
سوم: بعد مقتول جو لڑکا زوجہ کے پیدا ہوا وہ بھی مستحق ترکہ مقتول سے حصہ یابی کا ہے یا نہیں فقط؟

الجواب:

بچہ اگر موت پدر سے دو برس کے اندر پیدا ہوا وارث ہوگا، یہ تو پانچ ہی مہینے کے اندر

پیدا ہوا ضرور وارث ہے، اور عورت اگر قتل بھی کرتی مہر نہ ساقط ہوتا لانہ دین واجب لایسقط بالقتل (کیونکہ وہ دین واجب ہے جو قتل کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ت) ہاں اگر خود قتل کرتی تو میراث نہ پاتی۔ رہا اس کے ثبوت گویا عورت کا اقرار ہونا یا دوسرے ثقہ عادل کی شہادت معائنہ بغیر اس کے ثبوت قتل نہ ہوتا یہاں تو اسے سزا بھی قتل کرنے کے جرم میں نہ ہوتی بلکہ قتل کرانے کے، اگر واقع میں اس نے قتل کرایا بھی ہو تو قتل کرنا میراث سے محروم کرتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

التسبب الی القتل لایحرم المیراث۔[1]	قتل کا سبب بننا میراث سے محروم نہیں کرتا۔ (ت)

بہر حال بچہ بھی وارث ہے اور عورت بھی مہر پائے گی اور بعد مہر و دیگر دیون ترکہ سے آٹھواں حصہ میراث بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: مسئولہ عبداللہ از بریلی محلّہ گلاب نگر ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز سہ شنبہ

کیا حکم فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اسلام ادام اللہ برکاتہم مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ زبیدہ مطلقہ نے اپنا عقد ثالث ساتھ مسمّٰی عبداللہ کے بمہر شرعی جس کی تعداد چار سو درھم چاندی وقت عقد وکیل نے قائم کردی تھی کیا۔ مسمّٰی عبداللہ مبلغ پانچسو روپیہ کا پہلے سے قرضدار تھا جب مسماۃ زبیدہ کو حال مقروضی شوہر معلوم ہوا تو اپنا مہر بخشنے پر از خود آمادہ ہوئی شوہر نے آئندہ وقت پر ملتوی رکھا، مسماۃ ساڑھے تین ماہ عبداللہ کے گھر زندہ رہی جب بیمار ہوئی عبداللہ کو روپیہ قرض لے کر علاج کرانے سے منع کرتی تھی، علاج ہوا مگر مر گئی، متوفیہ کے وارث ایک شوہر ایک بیٹی جوان جو دوسرے شوہر سے پیدا تھی اور ایک بہن دو حقیقی بھائی ہیں۔ قبل وفات اپنے شوہر سے چھ روزہ کا کفارہ دے دینے کو کہا اور باوجود دریافت اپنے مہر کی بابت کچھ وصیت نہ کی اور اپنی بیٹی اپنی بہن کے سپرد کی اس کا باپ اسی شہر میں موجود تھا وقت وفات اس کے ایک بہن ایک بیوی موجود تھی بعد وفات انہوں نے کہا کہ گور و کفن فاتحہ خیرات اچھی طرح ہونا چاہئے، عبداللہ نے کہا کہ میں مقروض ہوں مگر مہر اس کا میرے ذمہ ضرور چاہئے مقدار مہر تم چاہو تو میں روپیہ قرض لے کر گور و کفن اور فاتحہ خیرات حسب مرضی تمہاری کردوں تو انہوں نے رضامندی اپنی ظاہر کی تو عبداللہ نے روپیہ قرض لے کر گور و کفن و کفارہ و خیرات بروز دفن (۱۰/عہ) اور فاتحہ سوم میں (۸/ہہ) اور

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس فی الموانع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

فاتحہ چہلم میں (۲/عہ) اور سہ ماہی اور شش ماہی میں (۰۱۵/لعہ) صرف کرکے کھانا پکا کر قبروں پر، یتیموں اور مساکین کو دیا گیا اور دو جوڑے پارچہ جدید تیار کرکے دیئے گئے جملہ (۰۱۱/صہ لعہ) فاتحہ وخیرات میں بہ نیت ادائے دین مہر صرف کیا (۰۱۲عہ) منجملہ ایک سو بارہ روپے آٹھ آنہ دین مہر باقی ہیں اور متوفیہ نے قبل وفات یہ کہا تھا کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا چنانچہ (اا صہ للعہ) کا پارچہ پوشیدنی جو وقت ولیمہ نکاح متوفیہ کی قرض لے کر بنایا تھا اور کچھ پارچہ اور جو اس کو دیا تھا جملہ (ال ہہ صہ) بمنشائے متوفیہ اس کی بیٹی کو دے دیا اور دیگر پارچہ فحاجان کو دیئے گئے متوفیہ کا ترکہ صرف چار سو درھم چاندی جس کے (ماعہ ۳عہ) ہوتے ہیں تھا اور کچھ زیور ونقد نہ تھا۔ فتوٰی یہ طلب ہے کہ مہر کے ترکہ میں ورثاء کا کتنا کتنا حصہ شرعی تھا اور صرفہ گور وکفن وفاتحہ وخیرات میں جو شوہر نے بمرضی بہن وبیٹی متوفیہ قرض لے کر مبلغ (معہ لعہ ۱۱) صرف کیا اس قدر ذمہ شوہر سے دین مہر ادا ہوا یا نہیں، اس کے وارثان نے ایک پیسہ فاتحہ خیرات میں صرف نہیں کیا بلکہ اپنا خرچ بھی عبداللہ پر ڈالا تھا فقط۔

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بیٹی اور بہن نے اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ مہر میں سے یہ مصارف کردو، اور ان کی اجازت سے یہ صرف ہوئے تو یہ مصارف شوہر اور بیٹی اور بہن کے حصص مہر پر پڑیں گے بھائی کہ اس اجازت سے الگ ہیں ان کے حصہ پر نہ پڑیں گے اور (لہ صہ) کا کپڑا جو زبیدہ کی دختر کو دیا وہ صرف عبداللہ کے حصہ پر ہیں چار سو درھم چاندی یہاں کے سکہ سے پورے ایک سو بارہ (ماعہ عہ) روپے بھر ہے آٹھ (۸/) اوپر زائد نہیں سائل نے دین مہر حساب میں گور وکفن وخیرات بر قبر وتوشہ کفارہ ۶/روزہ رمضان المبارک میں (عہ ۱۱/) بتایا اس میں سے قبر کی خیرات اور توشہ منہا کیا جائے گا باقی ضروری تھا کہ وارثوں پر تقسیم سے پہلے لازم تھا اس کے بعد جو کچھ بچا اس کے بیس حصہ ہوں گے پانچ شوہر کے، دس ۱۰ دختر کے، دو ۲ دو ۲ ہر بھائی کے، ایک بہن کا، اب جو توشہ وخیرات وسوم وچہلم وغیرہ میں صرف ہوا وہ جب کہ بیٹی اور بہن کی اجازت سے ہوا تو ان کے اور شوہر کے حصوں پر پڑے گا دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ پورا پورا ادا کیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بروز چہار شنبہ تاریخ ۱۲/رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

مسلمان سنی المذہب ورثہ لیتے وقت بجائے قانون شریعت مطہرہ کے ہندو یعنی مطابق

احکام مذہب ہنود کے جس سے بہت حقوق شرعی باطل ہوتے ہیں ورثہ لے یا دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(اللہ عزوجل نے فرمایا:) کیا تم انہیں نہیں دیکھتے جن کا زبانی دعوی تو یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا پھر فیصلہ چاہتے ہیں کفر کا اور انہیں حکم تو یہ تھا کہ اس سے انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کرکے دور پھینک دے۔	قال اللہ عزوجل: "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۶۰"[1]

جو لوگ شریعت مطہرہ کے خلاف میراث مانگیں یا لیں یا بخوشی دیں یا اس میں سعی کریں سب گمراہ ہیں اور عذاب شدید کے سزاوار، اور اگر اسے پسند کریں تو کھلے کفار، بہر حال وہ مال ان کے لئے حرام و قطعہ نار، اور جو مجبور ہو کر دے وہ مظلوم و معذور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵: از کوہ شملہ کفایت حسین یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک پھوپھی کا ترکہ دو بھتیجوں کو برابر ملا جس میں سے ایک بھتیجے نے پھوپھی کی بیماری کا خرچ اور تجہیز و تکفین کا خرچ مع برسی تک کا خرچ اپنے پاس سے کیا قریب ایک سو روپیہ کے اب نصف روپیہ دوسرے بھتیجے کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

یہ اس نے اپنی خوشی سے اٹھایا دوسرے بھتیجے پر اس کا نصف یا کوئی جزء دینا لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: از بمبئی پوسٹ مانڈوی مکان چمناجی راجو بھائی پان والا نمبر ۲۸۔۱۳۲ ناگدیوی سٹریٹ مرسلہ مانک بھائی باپو بھائی ۱۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص چمناجی دکھنی مسلمان فوت ہوگیا اس نے ایک عورت ایک لڑکا حسین میاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

ایک لڑکی لال بائی یہ تین وارث چھوڑے پھر عورت بھی گزر گئی اور کچھ عرصہ کے بعد لڑکا بھی مرگیا حسین میاں مرحوم کے مرنے پر اس کی بی بی شرعی طور پر اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئی اس کے ماسوا اور جو حقدار نکلے سب کو ان کے حق کے مطابق ورثہ ملا لال بائی جو چمناجی کی بیٹی تھی وہ بھی اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئی پہلے لال بائی کا شوہر مرگیا پھر وہ مرگئی اس نے اپنا وارث ایک لڑکا ابراہیم چھوڑا ابراہیم بھی دو سال بعد مرگیا ابراہیم کے دو بیبیاں ہیں ایک بسم اللہ ایک مریم نیز چمناجی کا سالا ڈھونڈھی بھائی لال بھائی کے مرحوم مرد کا ماموں قاسم حاشہ یا یہ دونوں دعوٰی کرتے ہوئے مرگئے، اب ان دونوں کے دو لڑکے دعوٰی کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں کیا حکم شرع ہے آخر وارث ابراہیم ہوا اس نے کوئی اولاد یا بھائی بہن وغیرہ نہ چھوڑا صرف دو [۲] بی بی ہیں لہٰذا کس طرح حق ہوتا ہے اور فی ہزار کیا ہر حقدار کا نکلے گا۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے ہیں ڈھونڈھی بھائی کو چمناجی کا سالا لکھا ممکن کہ وہ لال بائی کا ماموں ہو اور ممکن کہ چمناجی کی کسی اور عورت کا بھائی ہو جسے لال بائی سے کوئی علاقہ نہیں یوں ہی قاسم حاشہ کو لال بی کے شوہر کا ماموں لکھا۔ محتمل کہ وہ ابراہیم کے باپ کا ماموں ہو یا کسی دوسرے شوہر کا مگر سوال میں نہ چمناجی کی کوئی اور عورت لکھی ہے۔ نہ لال بائی کا دوسرا نکاح بتایا جس سے ظاہر یہی ہے کہ ڈھونڈھے بھائی ابراہیم کی ماں کا ماموں ہے اور قاسم حاشہ ابراہیم کے باپ کا ماموں، اگر واقعہ اسی طرح ہے اور ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم حقوق مقدمہ مثل مہر ہر دو زوجہ وغیرہ ابراہیم کا ترکہ آٹھ سہم ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور چار سہم قاسم حاشہ اور دو سہم ڈھونڈے بھائی کو ملیں گے یعنی دونوں عورتوں کا مہر جس قدر ذمہ ابراہیم لازم رہا اور اس کے سوا اور جو دین ابراہیم پر ہو اول ادا کریں۔ پھر جو بچے اس کے تہائی سے ابراہیم نے اگر کوئی جائز وصیت کی ہو نافذ کریں باقی مال میں فی ہزار ایک سو پچیس روپے ایک بی بی کو، ایک سو پچیس روپے دوسری بی بی کو اور پانچ سو پچیس [۵۲۵] روپے قاسم حاشہ کو ڈھائی سو ڈھونڈے بھائی کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں ہے:

ثم عمات الاباء والامهات واخوالهم وخالاتهم واذا استووا فی درجة واتحدت الجهة قدم	پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں ہیں۔ جب ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اور قرابت

ولد الوارث فلو اختلف فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث[1]۔	کی جہت بھی متحد ہوتو وارث کی اولاد مقدم کی جائے گی، اور اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت والوں کے لئے میت کے ترکہ میں سے دو تہائی اور ماں کی قرابت والوں کے لئے ایک تہائی ہوگی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۶۷: از علی گڑھ محلّہ سرائے بی بی مرسلہ حافظ عبداللطیف صاحب مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی المذہب اپنے لڑکے مسلمان حافظ قرآن پابند صوم وصلوٰۃ کو کسی وجہ سے عاق کردے تو یہ حافظ قرآن عاق ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اپنے والد کا ترکہ پائے گا یا نہیں؟ اور بہ تقدیر پانے اور نہ پانے کے اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے جو بلاوجہ شرعی ماں یا باپ کو ایذا دے وہ عاق ہے اگرچہ ماں باپ اس سے راضی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ ماں باپ بلاوجہ اس سے ناراض ہوں۔ ماں یا باپ کا عاق کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عوام کے خیال میں یہ ہے کہ اولاد کو عاق کرنا ایسا ہے جیسا عورت کو طلاق دینا، طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، یونہی ماں باپ کے عاق کرنے سے اولاد اولاد ہونے سے خارج اور ترکہ سے محروم ہوجاتی ہے، یہ محض باطل ہے، اولاد کسی طرح اولاد ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی سوا کفر کے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ اور کسی طرح ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی سوا موانع خمسہ معلومہ کے کہ دین مختلف ہو یا دار مختلف یا مملوک ہو یا معاذاللہ مورث کو قتل کرے یا دونوں کا اس طرح انتقال ہو کہ معلوم نہ ہو ان میں پہلے کون مرا ان کے سوا وہی عام حکم ہے کہ:

"یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوْلَادِکُمْ ٭ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

مسئلہ ۱۶۸: از قصبہ سانگود سوائے بادھپور مدرسہ انجمن اسلامیہ ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم انجمن ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

ایک شخص متوفی کی جائداد قیمتی (سہ ۳۰۰) روپے ایک شخص کے پاس ایک صدروپے میں رہن ہے اور متوفی کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کارروائی بیع کی کس کے ساتھ کی جائے گی؟

الجواب:

بحکم حاکم شرع فقراء کے ساتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹تا۱۷۳: مرسلہ مولوی محمد ظہور حسین صاحب فاروقی رام پوری ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے اپنی زندگی کے وقت دو نکاح کئے، زوجہ اولٰی کاانتقال زید کے سامنے ہوا، بعد عقد ثانی زید نے انتقال کیااور ایک مکان قیمتی تین چار سو روپے کا چھوڑا۔ زوجہ اولٰی کا دین مہر ڈھائی ہزار روپے کا تھااور زوجہ ثانیہ کا نوسو روپے کا۔ زوجہ ثانیہ خود موجود ہے اور زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تین بھائی، ایک بہن، دو بھتیجیاں، ایک زوج یعنی زید مرحوم کاکہ جس کی وارث اس وقت زوجہ ثانیہ ہے۔ ایسی صورت میں کیامکان مذکور کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اولًا دونوں دین مہروں میں مکان نصف نصف ہوجائے گا من بعد نصف ثانی جو زوجہ اولٰی کاحصہ ہے اس میں سے بحق زوجیت زید کو نصف ملے گا اور یہ نصف زوجہ ثانیہ کی طرف منتقل ہو جائے گا باقی ایک رُبع جو رہے گا وہ زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

(۲) ایسی حالت میں کہ مکان متروکہ زید دونوں دین مہر سے قیمتًا کم ہے کل مکان دونوں دین مہروں میں مستغرق ہو کر نصف نصف ہوگا یا جس زوجہ کا دین مہر نوسو کاہے اس کو مکان مذکور میں سے ایک حصہ اور جس کا دین مہر ڈھائی ہزار کاہے اس کے ورثہ کو باقی مکان ملے گا تقسیم ورثہ کی اس وقت کیاصورت ہوگی؟

(۳) یہ کہ زید کی تجہیز و تکفین اور زوجہ ثانیہ کی عدت وچارماہ تک فاتحہ وغیرہ کاخرچ جو مجموعہ تین سو روپیہ کا ہوا وہ اسی مکان سے لیاجائے گا یانہیں؟

(۴) زید نے اپنے حین حیات جوکچھ خرچ اور روپیہ زوجہ ثانیہ کے ہاتھ میں دیا وہ اس کے واسطے ہبہ تھا یانہیں اور اس روپے سے جواسباب زوجہ ثانیہ اپنے استعمال کا جیسے کپڑا،

زیور وغیرہ جو خاص عورتوں کے استعمال کا ہے کیا اس کی بھی تقسیم ہوگی؟
(۵) زید کی زوجہ اولیٰ کا اسباب اس قسم کا تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ اولیٰ جو جہیز لائی وہ اس کا متروکہ ہے حسب شرائط فرائض اس میں سے نصف شوہر کا ہے، جو کچھ روپیہ زید نے زوجہ اولیٰ یا ثانیہ کو دیا اگر تملیکاً دیا اس کی مالک زوجات ہیں اور اس سے جو اسباب خریدا انہیں کا ہے اور اگر تملیکاً نہ دیا گھر کے خرچ کے لئے دیا اور عورات کو حسب دستور اسباب خانگی خریدنے کی اجازت دی تو وہ اسباب اور جتنا روپیہ بچا ہو سب ملک زید ہے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین میں صرف پندرہ [۱۵] روپے خرچ ہوئے باقی فاتحہ وخرچ عدت ہے خرچ عدت تو زوجہ کسی سے مجرا نہیں لے سکتی کہ معتدہ وفات کے لئے نفقہ نہیں یوں ہی جو کچھ فاتحہ میں اٹھایا تبرع ہے اس کا بھی معاوضہ نہیں پاسکتی، ہاں وہ پندرہ [۱۵] کہ تجہیز و تکفین میں اٹھے ازانجا کہ زوجہ وارثہ ہے اور وارث کہ تجہیز و تکفین کرے مجرا پاتا ہے یہ پندرہ پائے گی مگر اس وجہ سے کہ تجہیز و تکفین جو ہر حق پر مقدم تھی ہوچکی زوجہ کا مطالبہ باقی رہا تو یہ پندرہ [۱۵] بھی دَین میں آگئے اور اس کا دین نوسو پندرہ [۹۱۵] روپے ہوئے اور زوجہ اولیٰ کا نصف مہر بحق شوہر ساقط ہو کر اس کا دین ساڑھے بارہ سو [۱۲۵۰] روپے ہوئے مجموع دین اکیس سو پینسٹھ [۲۱۶۵] روپے ہیں متروکہ زید کہ تین چار سو کا مکان ہے اگر اس زرواسباب وغیرہ سے مل کر جو اُسے ترکہ زوجہ اولیٰ سے ملا یا دونوں زوجہ کے پاس اس کی اپنی ملک تھا اگر اس مجموع کے برابر ہو اور زید پر اور کوئی دَین نہ ہو تو ۱۲۵۰ زوجہ اولیٰ کے ورثہ کو دَین اور ۹۱۵ زوجہ ثانیہ کو۔ اور اگر اس سے زائد ہے تو دونوں دَین پورے ادا کرکے جو بچے اس کے ثلث سے وصیت اگر زید نے کی ہو نافذ کرکے باقی سے ایک ربع زوجہ ثانیہ کو دیں اور تین ربع اور جو کوئی وارث زید عصبات یا ذوی الارحام سے ہو اسے دیں اور کوئی نہ ہو اور کسی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی ہو اس کی وصیت کی تکمیل کریں اگرچہ یہ تین ربع کل اس وصیت میں چلے جائیں اور اگر موصی لہ بھی کوئی نہ ہو تو یہ تینوں ربع اور اگر ہو اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد بھی کچھ بچے تو وہ باقی سب زوجہ ثانیہ کو دے دیں فان الازواج یرد علیھا عند عدم انتظام بیت المال (بیت المال منظّم نہ ہونے کے وقت خاوند اور بیوی پر رَد کیا جائے گا۔ت) اور اگر کل متروکہ زید اس مجموع دین ۲۱۶۵ سے کم ہے اور زید پر اور دین نہیں تو اس کا کل متروکہ چار سو تینتیس [۴۳۳] سہام کرکے دو سو پچاس [۲۵۰] سہم وارثان زوجہ اولیٰ کو دیں اور ایک سو تراسی [۱۸۳] سہم زوجہ ثانیہ کو۔ اور

اس صورت میں اگر یہ چاہیں کہ ورثہ زوجہ اولٰی پر بھی ساتھ ہی تقسیم ہو جائے تو کل متروکہ زید تین ہزار اکتیس [۳۰۳۱] سہم کرکے زوجہ اولٰی کے ہر بھائی کو پانچ سو سہم بہن کو دو سو پچاس [۲۵۰]، زوجہ ثانیہ کو بارہ سو اکیاسی [۱۲۸۱] دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۴: ازاحمد آباد محلّہ مرزاپور مرسلہ شاہ محمد مورخہ ۱۶/ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

جناب مخدومنا و مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب، السلام علیکم! واضح رائے عالی ہو کہ شہر احمد آباد میں جماعت گاؤقصابوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی اور بہن کو ورثہ مال متروکہ میت سے کبھی کچھ نہیں دیا کرتے اور ان کا مقولہ یہ ہے کہ لڑکی اور بہن کا ورثہ میت کے مال میں سے کسی چیز میں نہیں پہنچتا۔ لہذا آپ پر فرض ہے کہ فتوٰی لکھ کر روانہ کریں تاکہ وارث اس شخص کی اپنا پورا حق عدالت سے لڑکر وصول کریں لہذا ٹکٹ (۳/) کی اس رجسٹری لفافہ میں ملفوف ہیں، مولانا صاحب تخمیناً پندرہ [۱۵] سال کا عرصہ ہوا کہ ایک رجسٹری سوال سود کے بارہ میں حضور کے یہاں روانہ کیا تھا مگر بالکل جواب سے آپ نے مجھے محروم رکھا تھا شاید کہ آپ سے وہ استفتاء گم ہوگیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گزر گیا اس نے ایک لڑکی اور دو بہنیں حقیقی اور چار بھتیجے اور ایک زوجہ چھوڑے۔ اب ان میں کون کون سے وارث کو حق پہنچتا ہے اور کون سے وارث محروم رہتے ہیں **بیّنوا حکم الکتاب توجروا بیوم الحساب** (کتاب کا حکم بیان کرو قیامت کے دن اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ اس شخص کا سولہ سہام ہو کر دو سہم اس کی زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین سہم ہر بہن کو ملیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ"[1]	پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

"وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ"[1]	اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ آدھا ہے(یعنی ترکہ کا نصف)۔(ت)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة[2]۔	بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنادو(ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ"[3]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔(ت)

جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے قرآن مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا جس کے ظاہر معنٰی یہ ہیں کہ ان کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا یہ صریح کلمہ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۷۵ ،۱۷۶: از کراچی جھونہ مارکیٹ مرسلہ سید کریم شاہ صاحب ۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصہ سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون شریعت وراثت کے بالکل منکر ہیں اور اپنے آباء قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور کچہری میں بیان کیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وراثت کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہندولا یعنی قانون وراثت اہل ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں اور کچہری سے خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے احکام وراثت ہندو قانون پر ہونے چاہئیں۔

اس جماعت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، یہ لوگ منکر نص قرآن ہیں یا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن الدارمی کتاب الفرائض باب فی بنت واخت حدیث ۲۸۸۴ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرہ ۲/ ۲۵۱، السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۶

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

اور جو نص قرآن کو جان بوجھ کر نہ مانے وہ دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ قال اللہ تعالٰی:

"وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾ "[1]۔	اور جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (ت)

سوال دوم: وہ لوگ جن کا سوال اول میں ذکر ہے مسلمانوں کے اوقاف یا مسجد دونوں کے متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ لوگ ہر گز مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوئے بھی تھے تو دربارہ وارثت احکام شرعیہ ماننے سے انکار کرکے مرتد ہوگئے، وہ نہ مسجد کے متولی کئے جاسکتے ہیں نہ اوقاف مسلمین کے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴿۶۵﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از ترگہ گوری ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ ملا نذیر احمد صاحب مورخہ ۸/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوی کی، اس کے ساتھ ایک لڑکی آئی اور لڑکی ایک اسی بیوی سے زید کی پیدا ہوئی، بعد چند روز کے زید کا انتقال ہوگیا اب یہ دو لڑکیاں ایک تو زید کی ہے اور ایک جو بیوی اگلے خاوند کی ساتھ لائی تھی، بعد وفات زید کے بھتیجا نے یعنی حقیقی تایا کے بیٹے نے اپنا حق معاف کردیا اور بیوی نے بھی معاف کرکے وہ جائداد دونوں لڑکیوں پر تقسیم کردی، اب زید کی بیوی اپنا مہر لینا چاہتی ہے اب یہ تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ شرع شریف سے آگاہی

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

بخشی جائے۔

الجواب:

مہر معاف کرنے سے معاف ہوگیا اب دوبارہ نہیں لے سکتی مگر ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا اگر وارث یہی ہیں تو حسب شرائط فرائض زید کا ترکہ آٹھ حصہ ہو کر ایک حصہ بی بی کو اور چار حصہ زید کی لڑکی کو اور تین بھتیجے کو ملیں گے اور اگلے شوہر کی بیٹی کچھ نہ پائے گی، بھتیجا اگر نہ لینا چاہے تو لے کر تقسیم کراکر پھر زید کی دختر کو ہبہ کرکے قبضہ دے دے یا یوں ہی بلا تقسیم اپنا حصہ اس کے ہاتھ بیچ کر قیمت اسے معاف کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۸: از گوندیا ضلع بھنڈارا ملک متوسط ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک مسماۃ نے اپنی کچھ رقم مالی کے لئے اپنے حین حیات میں وصیت کی کہ بعد وفات میرے ایک فرزند میرا جو نابالغ ہے یہ رقم اس کو دی جائے اگر فرزند میرا قضا کرجائے تو یہ رقم مالی مکہ مدینہ کے کسی کارِ خیر میں بھیج دی جائے، بعد وفات مسماۃ اس کا فرزند بالغ ہو کر فوت ہوا تو اب اس کی وہ رقم کس کو دی جائے چونکہ اس کا ایک چچازاد زندہ ہے مگر لڑکے کی پرورش بعد اس کی والدہ کے ماموں نے کی اور ایک اس کی مدد میں شریک رہا، اس کا چچا مالدار ہے اس کے کسی امر میں مونس بھی نہیں ہوا بجز ماموں کے، لہٰذا ہم اس لڑکے کی رقم کو اس کے ماموں کو دینا چاہتے ہیں چونکہ اس کا ماموں بہت غریب مفلس معذور شخص ہے محض اس کے عزیز واقارب اس کی اعانت کیا کرتے ہیں لہٰذا یہ رقم ہم اس کے ماموں کو دینا پسند کرتے ہیں چونکہ شرعًا بھی مفلس عزیز کو مدد دینا لازم ہے۔

الجواب:

فرزند کے لئے وصیت تو بیکار تھی وہ خود ہی مالک ہوا جبکہ عورت کا اس کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا جیسا کہ ظاہر سوال ہے اب اس کے انتقال کے بعد اس کے جو وارث ہیں ان کو پہنچے گی اگر صرف یہی چچا وارث ہے تو یہی پائے گا وارث ہونے کے لئے کچھ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کے کسی امر میں شریک ہوا ہو، ماموں کتنا ہی محتاج ہو نہ بہن کے ترکہ میں اس کا کچھ حق ہے کہ بیٹا موجود تھا نہ بھانجے کے ترکہ میں کہ اس کا چچا موجود ہے قریبی غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ پرائے مال سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از چتیرہ ڈاکخانہ امال پور پرگنہ سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ عبداللہ خان صاحب ۲۶ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

زید سے وقت مناکحت مہر معجّل قرار پایا اور بعد از مدت دراز وولادت طفل یازدہ سالہ مرحوم

حیات طفل مرحوم میں زید نے بواسطہ کچہری وہ مہرادا کردیا بعدہ زید کاانتقال ہوگیااب زوجہ اپنے حق ربع کی مدعیہ ہے مقدمہ کچہری میں زیر بحث ہے کوئی تحریری تقریری ثبوت طلاق نہیں ہے نہ قبل ازادائے مہر نہ مابعدآں، پس حکم شرع شریف سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

ہر معجّل کاادا کرنا پیش رخصت ضرور ہوتاہے اوراگر عورت قبل رخصت نہ مانگے توجب طلب کرے اس کاادا کرنا کسی طرح طلاق دینے کی دلیل کیاشبہہ بھی نہیں ہوسکتااور بے ثبوت شرعی طلاق ہرگز نہیں مانی جاسکتی عورت ضرور مستحق میراث ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ" [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کاچوتھائی ہے اگر تمہاری اولادنہ ہو، پھراگر تمہاری اولاد ہوتو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کرجاؤ اور قرض نکال کر۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۰: از لکھنؤ بلوچ دروازہ مسجد متصل اکھاڑہ مرسلہ مولوی محمد عثمان طالب علم ۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

بعد تحیّۃ سلام گزارش ہے کہ یہاں علماء مسائل ذوالارحام میں مختلف ہیں بعض امام ابویوسف کے قول کے موافق جواب دیتے ہیں بعض امام محمد کے قول کے موافق جناب کی رائے میں کس قول کے موافق عمل درآمد ہونا چاہئے اور جناب کا معمول کیا ہے

الجواب:

اصل فتوی قول امام محمد علیہ الرحمۃ پر ہے فقیر کا اسی پر عمل ہے مگر اس کے استخراج میں قدرے دشواری ہوتی ہے لہذا بعض مشائخ نے بغرض آسانی قول امام ثانی علیہ الرحمہ پر فتوی دیا۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱: ۱۴/ شعبان ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کاانتقال ہوااس نے ایک دادی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

اور ایک نانی اور باپ اور بہن وارث چھوڑے تو از روئے شرع شریف ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ چھ سہم ہو ایک سہم نانی اور پانچ باپ کو پہنچیں گے اور دادی اور بہن کو کچھ نہیں، ھذا ھو قضیة النظر الفقھی وان کانت الروایات فیہ مختلفة (نظر فقہی کا تقاضا یہی ہے اگرچہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ ت) اختیار شرح مختار پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوترك ابا وام اب وام ام فام الاب محجوبة بالاب واختلفوا ماذا لام الام قیل لھا السدس وقیل لھا نصف السدس[1] اھ **اقول:** مامنزع القول الاخر الا القیاس علی مسئلة اب وام واخوین فانھما محجوبان بالاب ویحجبانھا من الثلث الی السدس کذالك ام الاب محجوبة بالاب وتحجب الامیة من السدس الی نصفه وھذا لیس شیئ۔ اما **اولا** فلان حجب النقصان یکون من فرض الی فرض دونه ولافرض للجدّة الا السدس وماکان التنصیف	اگر کسی شخص نے باپ، دادی اور نانی چھوڑی تو دادی باپ کی وجہ سے میراث سے محروم ہوگی، اور نانی کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا۔ ایک قول ہے کہ اس کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور دوسرا قول ہے کہ اس کو بارہواں حصہ ملے گا الخ۔ **میں کہتا ہوں** دوسرے قول کا ماخذ توفقط باپ، ماں اور دو بھائیوں کے مسئلہ پر قیاس ہے کیونکہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے اور وہ دونوں ماں کو تہائی سے محروم کرکے چھٹے حصے کی طرف منتقل کردیں گے۔ اسی طرح دادی باپ کی وجہ سے محروم ہوگی حالانکہ وہ نانی کو چھٹے حصے سے بارہویں حصے کی طرف منتقل کردے گی۔ اور یہ بوجوہ کوئی شیئ نہیں۔ وجہ اول کیونکہ حجب نقصان ایک مقررہ حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف ہوتا ہے جو پہلے حصے سے کمتر ہو جبکہ جدّہ کا مقررہ حصہ صرف چھٹا ہے اور اس کو

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الفرائض الباب الرابع فی الحجب نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۳

لان فرضها اذ ذاك نصف السدس بل ليس فرضها الا السدس وكانت كل منهما تدعيه لنفسها كملا فجعلناه بينهما نصفين على سبيل المنازعة لعدم المرجح كما اذا اقام كل من الخارجين على ان الارض له فانها تنصف بينهما كذٰلك هٰهنا فاذا سقطت مزاحمة الابوية لحجب الاب اياها بقيت دعوى الامية بلامعارض فكان لها السدس كملا كما اذا كان لدار شفيعان متساويان وادعى كل منهما جميع الدار المشفوعة ثم عرض لاحدهما مايسقط حقه كانت الدار كلها للثانی لزوال المزاحمة۔ واما **ثانیا** فلان الله سبحانه و تعالٰی قد اعطى كل ذی حق حقه[1] فلايجوز ان ينقل من فرض احد شيئ الى غيره وقد	نصف نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں جدّہ کا مقررہ حصہ چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے تو ان دونوں (دادی اور نانی) میں سے ہر ایک اپنے لئے پورے چھٹے حصے کا دعوی کرے گی۔ چنانچہ ہم نے منازعت کے باعث اور مرجح نہ ہونے کی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کر دیا۔ جیسا کہ بائع اور مشتری کے علاوہ دو اجنبی مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کر دیئے کہ فروخت شدہ زمین اس کی ہے تو وہ زمین دونوں کے درمیان نصف نصف کر دی جائے گی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوگا۔ جب دادی کی مزاحمت اس وجہ سے ختم ہو گئی کہ باپ نے اس کو محروم کر دیا ہے تو نانی کا دعوی بلا منازعت رہا لہٰذا اس کو مکمل چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ جیسے کسی گھر کے دو مساوی شفیع ہوں اور ہر ایک شفعہ والے پورے گھر کا دعوی کرے پھر ان میں سے ایک کو ایسا عارضہ لاحق ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو جائے تو مزاحمت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے پورا گھر دوسرے کو ملے گا۔ وجہ دوم کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی کے مقررہ حصے سے کوئی شے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے۔ بیشک

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۲ و ۴۶۰۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

اجمعنا ان فرض الجدۃ السدس فان نصفناہ ھٰھنا ولاحق للابویۃ یرجع النصف لامحالۃ الی الاب فیشارك الجدۃ فی فرضھا ولانظیر لہ فی الشرع فتبین ان الاول ھو المرجح وکانھا لھذا قدمہ فی الاختیار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارا اس پر اجماع ہے کہ جدہ کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے۔ اگر یہاں ہم اس کو نصف کردیں (یعنی بارہواں بنادیں) حالانکہ دادی کا یہاں کوئی حق نہیں تو یقینا چھٹے کا نصف (بارہواں حصہ) باپ کی طرف لوٹے گا تو اس طرح وہ جدہ کے مقررہ حصے میں شریک ہوجائے گا اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو واضح ہوگیا کہ پہلے قول کو ہی ترجیح دی جائے گی گویا اسی وجہ سے اختیار میں اس کو مقدم کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مفصلہ ذیل میں:
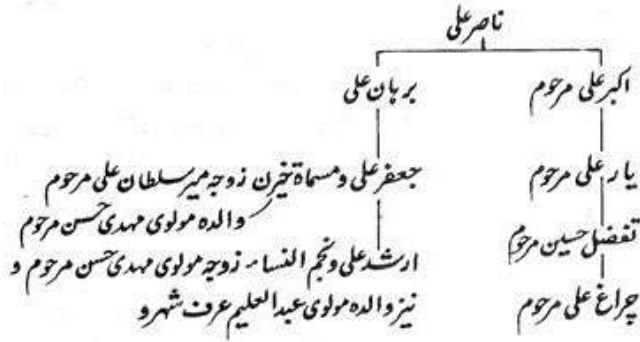
اور چراغ علی مرحوم کے محمد مسیح اپنے خلیرے بھائی اور مسماۃ فاطمہ زہرا اپنی خلیری بہن بھی ہیں، اب چراغ علی مرحوم کا متروکہ کس کو ملے گا عبدالعلیم عرف شہرو کو ملے گا یا خلیرے بھائی و بہن کو ملے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض چراغ علی کا کل ترکہ تین حصہ ہو کر دو حصے اس کے

خالہ زاد بھائی کو اور ایک حصہ اس کی خالہ زاد بہن کو ملے گا عبدالعلیم کچھ نہ پائے گا کہ وہ بہت دور رشتہ دار ہے ایک رشتہ پر ابن بنت ابن عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے پردادا کے باپ ناصری کے پوتے کا نواسہ ہے اور دوسرے رشتہ پر ابن ابن بنت عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے باپ کے پردادا کے پوتی کا پوتا ہے بہرحال ذوی الارحام سے ہے خود عصبہ وارث نہیں اور اولاد خالہ سے درجے میں بعید ہے لہٰذا ان کے سامنے اسے کچھ نہ ملے گا۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر صنف میں زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا، اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳: از بہٹ ضلع سہارنپور مرسلہ مشتاق حسین ۴ ربیع الاول شریف ۷ ۱۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے بعد معاف کرنے مہر شرعی جن کے شاہد اس کی ماں اور بہن نیز ماموں حقیقی ہیں انتقال کیا اور ایک لڑکی سہ سالہ اور خاوند چھوڑے اسباب جہیزی میں سے کچھ زیور اور کپڑا اس کے شوہر کے یہاں سے اس کی ماں اور بہن لے گئے باقی کی ایک فہرست اس کے شوہر کو دی اور کہا کہ اس کو بیچ کر ایصال ثواب اور فاتحہ میں خرچ کریں، بس کیا حکم شرعی ہے اس بارے میں پسماندہ اسباب کا کون مالک اور مصرف ہے اور ماں باپ اور بہن کو اس کی واپسی کا کیا حق ہے؟

الجواب:

جہیز وغیرہ جو کچھ عورت کی ملک تھا صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض اگر وارث صرف یہی ہیں ہر ہر چیز کے بارہ ۱۲ حصے ہوں گے تین ۳ حصہ شوہر کے، دو ۲ ماں کے، چھ بیٹی کے، ایک بہن کا۔ ماں بہن جو کچھ لے گئیں واپس لا کر سب ملا کر بارہ حصہ کر کے اپنے تین حصے لے کر ان کو فاتحہ وغیرہ جس میں چاہیں صرف کریں شوہر کے تین حصوں کا اختیار شوہر کو ہے اور دختر کے چھ ۶، تو کوئی بھی فاتحہ وغیرہ میں صرف نہیں کر سکتا وہ اس کے باپ کے قبضے میں رہ کر خود

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

اس کے خورد ونوش میں صرف ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۴: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی کافر میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو اب وہ بھائی کافر اس کا اس کو حق حصہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ہمارے مذہب سے نکل گئے تمہارا حق کیسا آیا اس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر مثلاً باپ کا ترکہ دونوں بھائیوں نے پایا تھا اب ایک مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے حصے کا مالک ہے مسلمان ہوجانے سے ملک زائل نہ ہوئی ہاں اس کے اسلام کے بعد ان کافروں میں جو مرا اس کا ترکہ اسے نہ ملے گا لاختلاف الدین (دین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵: از دربھنگہ قلعہ گھاٹ مرسلہ غلام اکبر ۱۴/ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مرا اور اس کی بی بی مرنے کے بعد اس کی کل جائداد پر قابض ودخیل ہوئی اور اپنا اندراج نام بھی دفاتر گورنمنٹی میں کرایا۔ چندسال کے بعد وہ مسلمان ہوگئی تو اب جائداد مذکورہ بعد تبدیل مذہب زن نو مسلمہ کو شرعاً ملے گی یا نہیں؟

الجواب:

جو چیز اس وقت اس کی ملک سمجھی جاتی تھی وہ بعد اسلام بھی اس کی ملک رہے گی، اسلام قاطع ملک نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۶: از جبہ کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور براستہ چھانگا مانگا سب آفس بلوکی مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بھائی خورد عمرو کو بصد محنت تعلیم کتب دینیہ کی دے کر اچھا خاصہ اہل علم بنادیا اور دیگر حقوق خورد ہونے کے بھی ادا کئے مگر عمرو اس جوہر کا نکلا کہ جملہ حقوق پر خاک ڈال کر بے مروّتی پر کمر باندھ لی اور اپنے بڑے بھائی واستاد وہمسایہ کی ایذارسانی پر کوئی دقیقہ نہ اٹھار کھا حتی کہ فی الحال بلاولد زید کے

عمرو زید کی موت کا ملتجی ہے اور زید نے ان حرکات ناشائستہ سے تخمیناً عرصہ سات برس تک صبر کیا مگر جب طاقت بشری تحمل کی نہ رہی تو مجبوراً زید کو عمرو کاعاق کرناپڑا، کیا یہ عمرو عاق کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ اور عاق ہونے کے بعد وراث ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں عمرو ضرور عاق وفاسق ومستحق عذاب النار ہے مگر عقوق بمعنی ارث نہیں۔

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطافرمادیا ہے۔(ت)

نہ عاق کردینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے نہ اس سے میراث ساقط ہو، ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقف اہلی کردے اور اس میں عمرو کے لئے شرط لگادے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان باتوں کاپابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصود زید حاصل ہوسکتا ہے، اور اگر امید اصلاح نہ ہو اور بالکل محروم کردے جب بھی حرج نہیں کہ فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے یہ تو وقف ہے۔ فتاوٰی خلاصہ ولسان الحکام وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھٰذا خیر من ترکہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنامال نیکی کے کاموں میں خرچ کردے اور فاسق اولاد کو اس سے محروم کردے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۸۷: از شہر سیالکوٹ بازار پینج پورہ زیر قلعہ مرسلہ امام الدین صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تین لڑکے چھوڑ کر مرگیا دو۲ بڑے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

[2] فتاوٰی ھندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

عمرو بکر شادی شدہ تھے اور تیسرا خالد کم سن غیر شادی شدہ تھا عمرو بکر نے جو قرضہ والد کا تھا وہ اپنے ذمے لے لیا اور مکان کا تیسرا حصہ اور مبلغ دوصد روپیہ شادی کے واسطے اس چھوٹے بھائی خالد کو دے دیئے اور قرضہ اور جائداد دونوں بڑے بھائیوں نے نصف نصف کرلیا اس کے بعد بڑا بھائی عمرو فوت ہوا اور اس کی عورت کو چھوٹے بھائی خالد نے اپنے ساتھ نکاح کرلیا، عمرو کی دو لڑکیاں تھیں چونکہ وہ کم سن غیر شادی شدہ ہیں اس واسطے وہ بھی اپنی والدہ کے ہمراہ خالد اپنے چچا کے پاس آئیں۔ اس نے اپنی مرضی سے بڑی لڑکی کا نکاح کردیا اس کے بعد دونوں لڑکیاں فوت ہوگئیں، اب اس کے پاس عمرو کی سب جائداد معہ عورت موجود ہے اور دوسرے بھائی بکر کو کچھ نہیں دیتا اور جو رقم مبلغ دوصد روپیہ کی اس کو قبل تقسیم اس کی شادی کے واسطے دیئے گئے تھے وہ بھی اس کے پاس ہے کیونکہ اس کی شادی پر وہ خرچ نہیں ہوئے کیونکہ رانڈ بھاوج سے نکاح کرلیا ہے اب کس طرح اس جائداد کو تقسیم کیا جائے نیز ان تینوں بھائیوں کی نانی حقیقی کو ان کے والد مرحوم زید نے کچھ حصہ مکان کا بیع کردیا ہوا تھا وہ بھی مرگئی وہ بھی اسی خالد کے قبضے میں ہے اس میں سے بھی عمرو بکر کو حصہ آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال میں کچھ نہ بتایا کہ مکان کے علاوہ زید کی باقی جائداد منقولہ وغیر منقولہ وجنس ترکہ کس قدر تھا اور اس پر قرض کتنا، نہ یہ کہ دونوں لڑکیوں میں پہلے کون مری، اور جس کی شادی ہوگئی تھی اس کے بعد اس کا شوہر یا کوئی بچہ رہا یا نہیں، اور دوسری کی شادی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی، تو اس کے وارث کون کون سے رہے، ان کی ماں ان کی نانی سے پہلے مری یا بعد، اس کے کون کون ورثہ رہے، تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثہ وترتیب اموات نہیں ہوسکتا، اتنا اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر بعد ادائے قرضہ زید اس کا متروکہ چھ سو روپے سے زیادہ کا تھا اور خالد کو صرف دو سو پہنچے تو عمرو بکر کے پاس خالد کا حق رہا اور جائداد باہم بانٹ لینا اور خالد نابالغ کو روپیہ دینا یہ بھی ناجائز تھا پھر خالد کا جتنا حق عمرو کے پاس رہا وہ تو خالد کے قبضے میں آ ہی گیا جتنا بکر کو گیا تھا اگر وہ ان حصوں کے برابر ہے جو بکر کو دختران عمرو اور اپنی نانی کے مال سے پہنچتے ہیں تو برابر ہوگئے ورنہ بکر یا خالد جس کے پاس پہنچا ہوا ہے وہ دوسرے کو دے کہ حق العباد سے پاک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: ۲۶/ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکااور تین لڑکیاں ہیں اور لڑکے کی ولایت ثابت ہو چکی ہے لڑکا بد چلن اور بدوضع ہے اور اپنی ہمشیرگان و پدر کو نہایت تکلیف دہ ہے زید اسے عاق کرنا چاہتا ہے کہ وہ آئندہ میری لڑکیوں کے اور میرے متروکہ میں اگر کچھ میرے پاس باقی بچے تووہ اس حق سے جو مجھ سے پہنچے اور لڑکیوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے عاق کرنا کس حد تک جائز ہے؟

الجواب:

عاق کرنا شرع میں کوئی چیز نہیں، نہ وہ اس کے سبب ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں اگر وہ واقعی فاسق وآوارہ ہے تو یہ جائز ہے کہ اپناسب مال بذریعہ وقف علی الاولاد یا بذریعہ بیعنامہ یاجداجدا تقسیم کرکے قبضہ دے کر بذریعہ ہبہ نامہ اپنی بیٹیوں کے نام کر دے یوں بیٹے کو آپ ہی کچھ نہ پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۹: از شہر بریلی محلّہ گندانالہ مسئولہ حافظ محمد جان صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اس نے دو لڑکے چھوڑے، ایک لڑکے کو اپنی زندگی میں جو کچھ اس کے پاس چیز تھی وہ دے دی اور اس پر اس کو قابض کر گئی، لڑکے نے والدہ کی زندگی میں اس میں سے صرف بھی کیا اپنے اختیار سے، اور جو کچھ باقی رہا وہ اس کے قبضہ میں ہے، پس اس صورت میں شریعت مطہرہ دوسرے لڑکے کو کچھ دلاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر مرض الموت سے پہلے دے کر قبضہ تامہ دے گئی تھی تو دوسرے لڑکے کا اس میں کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از شاہجہانپور مرسلہ شیخ علی حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہ کوئی وراثت کا نہیں حق رکھتا اور شرعاً ترکہ کا بوجہ من الوجوہ ذی استحقاق نہیں ہوسکتا، اب بحالت مول لینے جائداد ترکے کے ترکہ دین مہرپانے کا جو حق بیچنے والے وارثوں کا ہے کیا یہ خریدنے والا دعوی کرسکتا ہے کہ جائداد ترکہ لینے سے مجھ کو ترکہ دین مہر پانے کا حق حاصل ہے اور دعوی اس کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہر گز خریدار ترکہ کو کوئی استحقاق دعوی مہر کا نہیں مہر کی مالک عورت ہے نہ کہ یہ مشتری متروکہ بلکہ اگر قبل ادائے دین مہرو دیگر دیون (اگر ہوں) ورثہ غیر زوجہ نے جائداد بیع کردی اور مہر تنہا یا مع دیگر دیون جائداد متروکہ کو محیط یعنی اس کے مساوی یا زائد ہے تو زوجہ ودیگر دائنان کو اختیار ہے کہ یہ بیع رَد کردیں اور اپنے مہر ودیون اس سے وصول کریں،

فان الترکة المستغرقة بالدیون لاتصیر ملکا للورثة کما فی الاشباہ[1] وغیرھا۔	جس ترکہ کو قرضوں نے گھیر رکھا ہو وہ وارثوں کی ملکیت نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر متروکہ کے ساتھ عورت سے اس کا مہر بھی مشتری نے خرید لیا ہے جب بھی اس کا دعوی باطل ہے کہ دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہوسکتا، اشباہ ودرمختار وغیرہا میں تصریح ہے کہ:

بیع الدین ممن لیس علیہ باطل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قرض کی بیع اس شخص کے ہاتھ کرنا جس پر وہ قرض نہیں ہے باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: از ہلدوانی ضلع نینی تال مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج زوجہ کا انتقال ہوگیا بعد انتقال کے روپیہ نقد اور زیور چھوڑا، روپیہ اور زیور کو برادری نے جمع کرلیا شخص مرنے والے کی ایک بھتیجی حقیقی یعنی حقیقی بھائی کی لڑکی بیوہ اور یتیم بچے ہمراہ، اور برادری یہ بات کہتی ہے کہ یہ روپیہ اور زیور مسجد کو دے دینا چاہئے اور بھتیجی کو نہ دینا آیا اس صورت میں بھتیجی بیوہ کا حق نکلتا ہے یا نہیں یا کہ مسجد کو دے دیں، اس صورت میں مسجد کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ زوجہ مرنے والی کے بھائی بھانجے ہیں وہ بھی اس روپیہ زیور میں سے حصہ کے دعویدار ہیں یا نہیں؟ مگر یہ بھائی بھانجے حقیقی نہیں ہیں اور دور رشتہ کے ہیں ان کا بھائی حق روپیہ زیور میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[2] الدرالمختار کتاب الھبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶ـ۱۶۵

الجواب:

برادری کا کہنا قابل سماعت نہیں، وہ مال وارثوں کا ہے، زوج یا زوجہ جس کا مال ہے۔ اس کے جو وارث ہوں اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتہ کے بھائی یعنی دادا پر دادا کی اولاد کے بھائی ان میں جو قریب تر ہے وہ وارث ہوگا اس کے ہوتے بھتیجی بھی وارث نہیں، نہ بے اجازت وارث، ایک حبّہ اس میں سے مسجد میں لگانا جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۲: از چتور گڑھ میواڑ مرسلہ فتح محمد ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قوم میں تقسیم ترکہ کا رواج نہیں تو ایسے مال سے کہ جس میں بالغ اور نابالغ وارث ہیں کھانا لینا دینا خیرات کا ہونا جائز ہے یا ناجائز جب کہ بالغ بھی وارث مال ہیں اور وہ کریں جیسے کا کو کریم بخش کی صورت کہ تقسیم ترکہ ہوتا ہی نہیں اناث تو متروک الارث سمجھے جاتے ہوں اور ذکور ہی صرف وارث بنے جاتے ہیں ہمارے یہاں تو بالغین کا صرف کرنا کیسا؟

الجواب:

اناث کو محروم کرنا حرام قطعی ہے ہنود کا اتباع اور شریعت مطہرہ سے منہ پھیرنا ہے جبکہ اس میں نابالغوں کا حق مخلوط ہے اور معلوم ہے کہ یہ خالص اپنے حصے سے نہیں کرتے بلکہ کل کو اپنا ہی حصہ جانتے ہیں تو اس میں سے نہ کھانا جائز نہ کچھ لینا۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠(۱۰)"[1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نہیں بھرتے مگر آگ اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از دفتر صدر اول بزم حنفیہ لاہور خواجگان منزل مرسلہ مولوی حکیم عبدالحمید صاحب صدر اول ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل اسلام مفتیان حنفیہ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت متشرع فوت ہوا۔ زید عمرو، بکر، خالد اور زبیدہ وہندہ یہ چھ اولادیں چھوڑیں۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

نے اس کے ترکہ کو بقوانین شرع تقسیم پر صاف انکار کیا، نمبر ۳ کی طرف سے اس پر ڈیڑھ سال تک اعتراض اور انکار ہوتا رہا بالآخر انہوں نے جو ثالث کیا اس نے بھی فیصلہ بحق ہر سہ بالا بخلاف شریعت کردیا۔ اس فیصلہ میں نمبر ۳ کا بہت سا حق زائل کرلیا گیا زبیدہ بھی خلاف شرع حصہ پاچکی ہے مگر ہندہ جو بعد متوفی فوت ہوگئی، اب فریق نمبر ۳ اپنے قلیل حصہ سے بھی جو اس کو وراثۃً ملا ہے اپنی ہمشیرہ مرحومہ کے شرعی حصہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے مرحومہ کی سسرال اور بالخصوص خاوند فاسق فاجر عقائد میں صلح کل جس کا پسر الولد سرٌ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے) ہے پس فریق نمبر ۳ حیرت میں ہے کہ مرحومہ کا ورثہ کس کو ادا کیا جائے اس کا ارادہ ہے کہ یہ حصہ بنام بزم حنفیہّ کردیا جائے اور وہ بتدریج اشاعت مذہب حنفیہّ وحمایت کلام مجید صرف کرے، اب استفسار ہے کہ کیا اس صورت میں جب کہ لڑکا بھی فاسق فاجر کے قبضہ میں ہے اگر یہ روپیہ اس کو دے دیا جائے تو فسق وفجور اور بدمذہبی میں صرف ہوگا تو کیا اس ترکہ کو (جو یک صد روپے کے اندر اندر رہوگا) بزم حنفیہّ حمایت کلام مجید اور اشاعت مذہب اہلسنت میں صرف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال زائد باتوں سے بہت مفصّل اور ضروری باتوں سے نہایت مجمل ہے کیسی تقسیم خلاف شرع ہوئی اگر اس شیطانی مسئلہ پر عمل ہوا جو آج کل شیاطین الانس میں ہے کہ بنات کو ترکہ نہیں دیتے تو زبیدہ کو کیسے ملا اور پسر سوم کا حق کیسے زائل ہوا اور اگر یہ ہے کہ تینوں بیٹوں اور ایک بیٹی نے باہم لے لیا اور ایک دختر کو کچھ نہ دیا اور پسر سوم کو اس کے حصہ سے بہت کم دیا اس صورت میں اس دختر کے حصہ کا اس پسر پر کیا بار ہے؟ اس نے اس کا کیا دبایا ہے جس سے سبکدوشی چاہتا ہے؟ ترکہ کیا چیز ہے اور تقسیم کس طرح؟ صاف تحریر فرمائیں کہ جواب دیا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۴ تا ۱۹۶: ازکانپور نئی سڑک دکان حاجی رحیم بخش وحاجی فہم بخش مرسلہ کاظم حسین صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید فوت ہوگیا اور اپنی بیوی اور ایک نابالغہ لڑکی چھوڑی، عمرو جو زید کا باپ ہے اس وجہ سے کہ اس نے ایک غیر کفو کی عورت سے بعد وفات والدہ زید نکاح کرلیا تھا ہمیشہ زید سے علیحدہ رہا۔ اب بعد وفات زید زید کی جائداد پر ناجائز صورت سے قابض ہوگیا ہے اور اتلاف جائداد کی نیت سے لڑکی نابالغہ کا ولی بننا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اوّل: زید کی متروکہ جائداد زید کی لڑکی و بیوی پر تقسیم ہونے کی کیا صورت ہے؟

دوم: زید کے متروکہ میں عمرو کا اور زید کے علاتی بھائی خالد کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟

سوم: ایسی حالت میں جبکہ عمرو کی ولایت سے جائداد کے تلف ہو جانے کا احتمال ہے تو نابالغہ کی ماں ولیہ نابالغہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد ادائے مہر و دیگر دیون حسب شرائط فرائض متروکہ زید کے آٹھ حصوں سے ایک حصہ اس کی زوجہ اور چار سہم دختر اور تین سہم عمرو کو ملیں گے فرضًا و عصوبۃً (بطور فرض اور بطور عصبہ) اور علاتی بھائی کا کوئی حق نہیں شریعت مطہرہ نے پدر و وصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے ماں کسی طرح ولی مال نہیں، نہ کہ دادا پر اس کو ترجیح ہو۔ درمختار میں ہے:

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نابالغ کا ولی اس کے مال میں اس کا باپ پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی ہوتا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مرسلہ حافظ جان محمد صاحب ساکن گندہ نالہ شہر بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیا اور ایک مکان واسطے ادائیگی مہر اپنی بیوی کے چھوڑا ایک لڑکا پانچ لڑکیاں اولاد چھوڑی ایک لڑکی کی شادی والد نے خود کر دی ۴ لڑکیاں رہیں ان لڑکیوں کی والدہ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم اپنی کمائی سے ان کے عقد نکاح کا انتظام کر دو اس مکان کا تم کو مالک کیا چنانچہ لڑکے نے حسب فرمان اپنی والدہ کے چاروں کا عقد نکاح کر دیا بعد کو والدہ نے انتقال کیا اس کے بعد دو لڑکیاں انتقال کر گئیں بعد اس کے اس لڑکے نے بھی انتقال کیا اس نے تین ہمشیرہ اور اپنی بیوی اور دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں بعد کو ایک ہمشیرہ اور انتقال کر گئی لیکن ان سب کی اولاد موجود ہیں کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وہ ہمشیرہ جس کی شادی خود والد نے کی، زندگی میں نہ کسی نے مکان پر قبضہ کیا نہ طلب کیا اور اس لڑکی کے ذمہ قرضہ دینا ہے جتنے کا مکان کا حصہ ہے اتنا قرضہ بھی ہے،

[1] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

پس اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟آیا لڑکی یاان کی اولاد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟اور لڑکے کی بیوی کو اور اولاد کو حق پہنچے گا یا قرض ادا کیا جائے گا؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ماں نے جو لفظ لڑکے سے کہے تھے کہ ان کا نکاح کردو تمہیں مکان کا مالک کیا اس سے ہبہ خواہ بیع کہ ٹھہرائیں جبکہ ماں بلکہ لڑکا بھی قبل قبضہ مکان انتقال کر گئے لڑکا کسی طرح اس مکان کا مالک نہ ہوا ہبہ میں تو ظاہر کہ قبل قبضہ ان میں ایک کی موت سے باطل ہوتا ہے اور بیع میں یوں کہ یہ بیع بوجہ جہالت ثمن باطل تھی اور بیع فاسد میں قبل قبضہ مشتری مالک نہیں ہوتا۔در مختار میں ہے:

اذا قبض المشتری المبیع برضاء بائعه فی البیع الفاسد ولم ینهه ملکه[1]۔(ملتقطا)	جب مشتری بیع فاسد میں بائع کی رضامندی سے مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع اس کو منع نہ کرے تو وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا۔(بالالتقاط)۔(ت)

تو مکان کہ ماں کے مہر میں تھا اسی کی ملک رہا اس کے لڑکے اور پانچوں لڑکیوں سب کا اس میں حصہ ہوا جو موجود ہیں ان کو اور جن کا انتقال ہو گیا ان کی اولاد ورثہ کو حصہ پہنچے گا،جو حصہ اس پسر کا ہوگا اس سے جو قرضہ اس پر ہے ادا کیا جائے گا اگر کچھ بچا تو اس کی زوجہ اور بیٹے بیٹیاں پائیں گے ورنہ کچھ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: از پولیس لائن ضلع سیتاپور مرسلہ عرفان خاں کانسٹیبل محرر ۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

اصغری بیگم کا خاوند مر گیا،اصغری بیگم کے ایک لڑکا بالغ عرفان خاں اور ایک نابالغہ لڑکی مظہری بیگم ہے،مسمّاۃ بیوہ نے مظہری کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہا اور عرفان خاں کو خط لکھا کہ میں تمہاری بہن مظہری بیگم کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں تمہاری کیا رائے ہے۔عرفان خاں نے اپنی ماں کو جواب دیا کہ بکر بدچلن اور خلاف شرع شخص ہے مجھے اپنی بہن کا عقد اس سے منظور نہیں باوجود ممانعت عرفان خاں ماں نے بولایت خود خلاف مرضی عرفان خاں بکر کے ساتھ مظہری کا عقد کر دیا اور پندرہ دن بعد بذریعہ خط عرفان خاں کو عقد مذکور کی اطلاع دی عرفان خاں نے جواب دیا کہ تم نے میری بلا اجازت اور خلاف مرضی جو نکاح مظہری کا بکر کے ساتھ کر دیا ہے میں اس کو ہرگز نہ مانوں گا اور مظہری کی رخصت بکر کے ساتھ نہ کروں گا نکاح کو ڈھائی سال ہوئے مظہری اب بالغہ ہے اور

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

اس نکاح سے اپنی نارضامندی ظاہر کرتی ہے اور فسخ کرانا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو عرفان خاں نے جس وقت نکاح کی اطلاع پانے پر اس نکاح کے ماننے سے انکار کیا اسی وقت وہ نکاح رَد ہوگیا اور مظہری کو بکر سے کچھ علاقہ نہ رہا فسخ کی کیا حاجت کہ وہ سرے سے نہ رہا مظہری کو اختیار ہے جس مناسب جگہ چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: از مدرسہ عین العلوم پوسٹ برتلہ ۲۴ پرگنہ مرسلہ محمد سراج الدین صاحب ۱۲/رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے انتقال کیا اور زوجہ واب وام وایک اخت عینی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا اگر اس صورت میں ام کو ثلث مابقے ملے تو سراجی کی عبارت ذیل کا کیا مطلب ہوگا:

وثلث مابقی بعد فرض احد الزوجین وذٰلك فی مسألتین زوج وابوین اوزوجة وابوین[1]۔ بیّنوا توجروا۔	ماں کو زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تہائی ملے گا اور وہ دو مسئلوں میں ہوتا ہے: (۱) میت نے خاوند اور والدین چھوڑے ہوں۔ (۲) میت نے بیوی اور والدین چھوڑے ہوں۔ بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

ہاں اس صورت میں ام کو ثلث باقی ملے گا اور یہ عبارت سراجیہ کے مخالف نہیں، وہی صورت زوجہ وابوین کی ہے کہ اخت عینیہ کا وجود وعدم یکساں ہے کہ خود محجوب بالاب ہے اور ام کو حاجبہ عن الثلث نہیں، ہاں دو عینیہ ہوتیں تو ام کو سدس ملتا زوجہ کو ربع باقی اب کو عصوبۃً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: لکھنؤ محلّہ رکاب گنج گڈھیا متصل احاطہ کمال خاں ۲ مکان مرسلہ مہدی حسن خاں صاحب مورخہ ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر اول سے دو پسر زید وبکر اور ہندہ کے شوہر ثانی سے ایک پسر خالد ہے، اور ہندہ کے شوہر ثانی کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر ولید ہے۔ خالد فوت ہوا اس نے ورثہ ذیل چھوڑے ایک بیوہ لاولد

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۸

اور زید وبکر برادران اخیافی اور برادر علاتی ولید جو کہ رافضی المذہب ہے۔ تو ایسی صورت میں تقسیم ترکہ کن کن ورثہ پر ہوگا؟ دیگر یہ کہ متوفی نے جو جائداد چھوڑی ہے وہ متوفی کی خاص قوت بازو سے حاصل کی ہوئی ہے کسی مورث قدیم کا کچھ ترکہ اس میں شامل نہیں ہے اور بیوہ لاولد متوفی کی کسی وارثان استحقاق شدہ کو کچھ حصہ نہیں دیتی ہے بلکہ آمادہ جنگ وجدال ہے تو اس صورت میں نزدیک شرع شریف کے عنداللہ گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ فقط۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بیوہ کا مہر واجب الادا اگر قدر متروکہ سے زائد یا برابر ہے اور وہ اس دعوی سے کسی وارث کو کچھ دینا نہیں چاہتی تو گنہ گار نہیں، وارث اگر مہر میں جائداد دینا نہ چاہیں مہر ادا کریں اس کے بعد جائداد میں حصہ لیں، اور اگر مہر نہیں یا قدر متروکہ سے کم ہے تو بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے اور وہ گنہ گار۔ خالد کا ترکہ حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر و دیگر دیون و انفاذ وصایا وانحصار ورثہ فی المذکورین آٹھ سہم ہو کر دو سہم زوجہ اور تین تین سہم دونوں اخیافی بھائیوں کو ملیں گے اور ولید برادر علاتی کو بوجہ اختلاف دین کچھ نہ ملے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے دربارہ روافض ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام کی طرح ہیں۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

واختلاف الدین یمنع الارث[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۰۱: از سنبھل ضلع مرادآباد محلّہ کوٹ غربی متولیان مسئولہ سید محمد علی صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص سنی المذہب کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی دو بہنیں سنی المذہب اور ایک بیٹی شیعی المذہب چھوڑیں، شرعًا اس صورت

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس ۶/ ۴۵۴

میں ترکہ متوفی کس طرح تقسیم کیاجائے گا؟ **بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان کرو حساب کے روز اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض متوفی کاترکہ نصف نصف دونوں بہنوں کو پہنچے گااور بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین کذا فی الفتاوی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام جیسے ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

المرتدین لایرث من مسلم ولامن مرتد مثلہ کذا فی المحیط[2]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	مرتد نہ تو مسلمانوں کاوارث بنتاہے اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ ایساہی محیط میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۰۲: ازشہر بہار چوک بازار پٹنہ دکان پارچہ حاجی ناصر علی محمد ابراہیم ۱۱رمضان ۱۳۳۹ھ

زیدنے انتقال کیا، تین لڑکے چھ لڑکیاں چھوڑیں جن میں چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں اور دو نابالغہ اور ایک لڑکا نابالغ، اوراحد و محمود دولڑکے بالغ، یہ پانچوں اوران کی والدہ ایک ساتھ رہے، اور کل متروکہ انہیں کے قبضہ میں رہا۔ وہ چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں، وقت انتقال زید حق پدر کی طالب نہ ہوئیں، متروکہ پدری سے احد و محمود نے تجارتیں کیں کچھ ایسے ہی اور کچھ میں مضارب بن کر جس سے عظیم کاروبار ہوگیا وہ چاروں دختراب پدری حق چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کچھ تجارتوں میں زیادتی ہوئی ہے وہ بھی ہمارے ہی باپ کامال ہے اس میں بھی ہماراحق ہوناچاہئے، اس صورت میں کیاحکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ت) اوراگر نفع میں بھی ان کو حصہ دیاجائے توکیا اس نفع سے بھی حصہ ملے گا جس میں احد و محمود مضارب ہوئے تھے؟

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

الجواب:

جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کرسکتی ہیں تجارت سے جو نفع ہوا وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل واولٰی ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعًا حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو صلہ رحم ہو صاحب حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے، **واللہ تعالٰی اعلم**

اور اس میں برابر ہے وہ نفع کہ انہیں مال متروکہ کی تجارت پر ملا اور وہ جس میں احد و محمود مضارب ہے کہ ان چار لڑکیوں نے نہ حصہ طلب کیا نہ ان کو مضارب کیا، بطور خود مضارب بن جانا مہمل محض ہے اور اگر ماں نے مضارب کیا تو ان چار لڑکیوں کے حصوں پر اسے بھی کوئی اختیار نہ تھا بہر حال ان کا حصہ ان کے ہاتھ میں بطور غصب رہا اور اس پر نفع جس طرح بھی حاصل ہوا خبیث ہوا اور اس کا وہی حکم ہے جو گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: از بمبئی محلّہ کماٹی پورہ دوسری گلی مسئولہ محمد عثمان صاحب سنی حنفی قادری ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک نادار شخص ہے جس کی اہلیہ اور ایک دختر تین سال کی ہے قرض لے کر اپنی زوجہ و دختر کو زیور بنادیا اور اب بھی مقروض ہے اس کی خوشدامن بغیر اجازت زید اپنی لڑکی اور نواسی کو اپنے مکان پر لے گئی اور آنے نہ دیا اس درمیان میں زوجہ زید بیمار ہوگئی اور حالت بیماری میں اپنے شوہر کو دو آدمیوں کے روبرو بلوا کر مہر معاف کردیا۔ زید نے قرض لے کر تجہیز و تکفین کردی اب خسر زید زیور اور نواسی کو دینے سے انکار کرتا ہے کہ تمہارا اب کوئی حق نہیں اور نہ تمہاری ہمشیرہ کو لڑکی کے پرورش کرنے کا کوئی حق ہے لہذا صورت مسئولہ میں زیور اور نواسی کو نہ دینا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟ **بیّنوا بیانًا شافیًا توجروا اجرًا وافیًا** (تسلی بخش طور پر بیان کرو پھر پورا اجر پاؤگے۔ ت)

الجواب:

اگر زوجہ ودختر کو زیور کامالک نہ کردیا تھا نہ وہاں کے عرف ورواج سے مالک کردینا مفہوم ہوتا ہو تو اس زیور کامالک خود زید ہے عورت کا ماں باپ کو اس کے رکھ لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر مالک کردیا تھا جب بھی لڑکی کا زیور وہ نہیں رکھ سکتے کہ نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانا نانی۔ رہا عورت کا زیور اس کے تیرہ حصوں میں سے چار حصے اس کے ماں باپ کے اور تین حصے شوہر اور چھ حصے لڑکی کے، عورت کے والدین اپنے چار حصے لے سکتے ہیں، باقی نو حصے لینے اور رکھنے کا مستحق اس کا شوہر ہے۔ یوں ہی مہر کے تیرہ حصوں میں سے تین حصے بحق شوہر ساقط ہوگئے اور چھ حصے کہ حق دختر ہیں نانا نانی ان کا مطالبہ نہیں کرسکتے اپنے چار حصے مانگ سکتے ہیں، اگر عورت کا معاف کرنا کہ مرض الموت میں تھا منظور نہ رکھیں اور اگر بعد مرگ زن اس معافی کو منظور کرچکے ہوں تو ان کا مہر میں کوئی حق نہ رہا لڑکی نو برس کی عمر ہونے تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از حجبہ شریف ریاست بہاولپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب چشتی سجادہ نشین ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موجب روایت متون سراجی وہدایہ وکنز وملتقی الابحر عنداختلاف الجہۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ وبکون الاصل وارثا معتبر نہیں یعنی بنت العم وابن الخال میں سے کسی کو ترجیح نہیں بلکہ بنت العم کو دو حصہ ابن الخال کو ایک حصہ دیا جائے گا اور اسی روایت کو صاحب فتاوٰی حامدیہ نے مفتی بہ قرار دیا ہے **بقولہ المعتبر مافی المتون لانہا موضوعۃ لنقل المذہب**[1] (اپنے اس قول کے ساتھ کہ معتبر وہی ہے جو کچھ متون میں ہے کیونکہ وہ نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ت) اور صاحب فتاوٰی خیریہ نے روایت شمس الائمہ سرخسی کو بہت نقول کے ساتھ مؤید کرکے مفتی بہ قرار دیا یعنی عنداختلاف الجہۃ ولد عصبہ کو ترجیح ہے، علامہ شامی نے بھی اسی روایت کی بڑی تائید کرتے ہوئے اپنی کتاب تنقیح حامدیہ میں مفتی بہ قرار دیا مگر **عنداختلاف الجہۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ** (اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت کے ساتھ ترجیح۔ت) میں اضطراب کرکے امر بمراجعۃ کتب کیا ہے،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

اردو	عربی
اپنے اس قول کے ساتھ، باقی رہی اختلاف جہت کی صورت کہ کیا اس میں قرابت کی قوت سے ترجیح ہوگی یانہیں۔اس روایت کی بنیاد پر کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر کوئی ترجیح نہیں مشائخ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قوت قرابت کے ساتھ بھی ترجیح نہیں ہوگی۔چنانچہ حقیقی پھوپھی کی اولاد کو علاتی ماموں یاعلاتی خالہ کی اولاد پر ترجیح نہ ہوگی۔ مشائخ نے کہاکہ قوت قرابت کااعتبار ہر فریق میں علیحدہ ہوگا۔ لہٰذا جو رشتہ دار باپ کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہیں ان کے درمیان قوت قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونا معتبر ہوگا یعنی سگی پھوپھی کی اولاد علاتی پھوپھی یاعلاتی چچا کی اولاد پر مقدم ہوگی۔یونہی ماں کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہونے والوں کے درمیان قرابت کی قوت معتبر ہوگی مگران میں عصبہ ہونا متصور نہیں ہے۔چنانچہ حقیقی خالہ کی اولاد علاتی ماموں کی اولاد پر مقدم ہوگی۔لیکن اس روایت کی بنیاد پر کہ جہت مختلف ہونے کے باوجود عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے قوت قرابت کے ساتھ ترجیح کا ذکر کیا ہو بلکہ اس روایت کے اطلاق کاظاہر تو یہ ہے کہ حقیقی ماموں کے بیٹے پر علاتی چچا کی بیٹی کو ترجیح حاصل ہوگی حالانکہ ماموں کابیٹا چچا کی بیٹی سے اقوی ہے۔اور سید کے حوالے سے جو دلیل پہلے گزری کہ کسی شخص کو اس معنی کے	بقوله بقی مااذا اختلفت الجهة فهل یرجح بقوة القرابة ام لا. اما علی روایة انه لاترجیح لولد العصبة علی ولد ذی الرحم فقد صرحوا بانه لاترجیح ایضًا بقوة القرابة فلایرجح ولدالعمة لابوین علی ولد الخال اوالخالة لاب، قالوا وانما یعتبر ذٰلك فی کل فریق بخصوصه فالمدلولون بقرابة الاب یعتبرفیما بینهم قوة القرابة ثم ولد العصبة ای فیقدم ولدالعمة لابوین علی ولد العمة اوالعم لاب، وکذا المدلولون بقرابة الام فیعتبر فیهم قوة القرابة ولاتتصور عصوبة فی قرابة الام فولد الخالة لابوین مقدم علی ولد الخال لاب، واما علی روایة ترجیح ولد العصبة عنداختلاف الجهة فلم ارمن ذکرانه یرجح بقوة القرابة، بل ظاهر اطلاق هذه الروایة ترجیح بنت العم لاب علی ابن الخال لابوین وان کان ابن الخال اقوی منها، ومقتضی مامر عن السید من التعلیل بان

ترجیح شخص بمعنی فیه اقوی من الترجیح بمعنی فی غیرہ یقتضی ترجیح ابن الخال فی المثال المذکور، ویؤیدہ ان الترجیح بقوۃ القرابۃ اقوی من الترجیح بکون الاصل وارثا فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمه ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانها اقوی فتامل وراجع[1] اھ۔	اعتبار سے ترجیح جو اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اقوی ہے اس ترجیح سے جو اس کو غیر میں پائے جانے والے معنی کے اعتبار سے حاصل ہو اس کا مقتضٰی تو مثال مذکور میں ماموں کے بیٹے کی ترجیح کو چاہتا ہے، اس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ قرابت کی قوت سے حاصل ہونے والی ترجیح اس ترجیح سے اقوی ہے جو اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے کہا کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر ترجیح ہے۔ اس کے لئے قوت قرابت سے ترجیح دینا بھی لازم ہوگا کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ غور کر اور مراجعت کر الخ (ت)

الغرض آپ کے نزدیک روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ یا متون، اگر روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ ہے تو ترجیح قوت قرابت بھی کی جائے گی،

کماهو رأی الشامی بقوله ویؤیدہ الخ یانه کما هو الظاهر من اطلاق روایۃ السرخسی۔	جیسا کہ شامی کی رائے ہے اس قول کے ساتھ کہ اس کی تائید کرتا ہے الخ یا نہیں، جیسا کہ سرخسی کی روایت کے اطلاق سے ظاہر ہے۔ (ت)

پس بموجب متون قاعدہ اولاد صنف رابع اس طرح ہے:

یرجعون بقرب الدرجۃ ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق علیحدۃ الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بولد العصبۃ۔	وہ قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق میں علیحدہ قوت قرابت، پھر اولاد عصبہ ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب ظاہر اطلاق سرخسی قاعدہ یہ ہے:

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۱

يرجحون بقرب الدرجة ثم بكون الاصل وارثا ثم يعطى لفريق الاب الثلثان ولفريق الام الثلث ثم يعتبر فى كل فريق الترجيح بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثا۔	وہ قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں۔ پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دوتہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ پھر ہر فریق میں قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب مذاق شامی قاعدہ یہ ہے:

يرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثا اتحدت الجهة اواختلفت ثم يعطى لفريق الاب الثلثان ولفريق الام الثلث۔	وہ قرب درجہ، پھر قوت قرابت، پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں چاہے جہت متحد ہو یا مختلف، پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دوتہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا (ت)

پس ان میں سے کس قاعدہ کو معمول بہ کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

بخدمت حضرت مولانا صاحب علامۃ الدہر مولوی احمد رضاخاں سلمہ الرحمٰن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

چونکہ یہ خاکسار اس وقت ایک ایسے رسالہ علم میراث کی تصنیف میں لگا ہوا ہے جو نہایت سہل، مختصر اور منضبط قواعد پر مشتمل ہو، تقلید قواعد قدیمہ کی بالکل ترک کرکے جدید قواعد ایسے ایجاد ہوچکے ہیں جو ایک ہی عمل کے ذریعے سے مناسخہ تک مسئلہ جاتا ہے کہ دوسرے عمل رد، عول تصحیح وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ علٰی ہذا القیاس ذوی الارحام اور اس کے مناسخہ کی تسہیل بھی پرلے درجہ تک کی گئی ہے، امید کہ بعد تکمیل وہی رسالہ بنابر تقریظ حضور کی خدمت میں بھی ارسال کیا جائے گا، چونکہ اولاد صنف رابع کے قاعدہ تحریمی میں سخت اختلاف ہے لہٰذا حل ہونا اس مشکل کا بغیر امداد آں حل المشکلات صاحب کمال کے سخت مشکل ہے اور کوئی دوسرا اہل فن باکمال میری رائے میں موجود نہیں کہ حل کرسکے، پس بہرحال دوسرے شغل کو بالفعل بندفرماکر مکمل قاعدہ مفتٰی بہ بمع نقل عبارات فقہیہ لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ بعینہٖ آپ کے فتوٰی کو درج رسالہ کیا جائے میرے پاس کوئی اور کتاب بجز شامی ودُرو

فتاوٰی تنقیح الحامدیہ کے نہیں ہے تاکہ صریح جزئی کامسئلہ حاصل کرسکوں، جوابی لفافہ مرسل خدمت ہے، جب تک جواب نہیں آئے گامیں سخت انتظار میں مضطرب رہوں گااور رسالہ بھی ناقص رہے گا،
ختم ۲۸مارچ ۱۹۱۸ء راقم خادم الشرع سراج احمد مدرس علوم عربیہ جھجہ ریاست بہاولپور از طرف فقیر احمد بخش چشتی سجادہ نشین جھجہ شریف۔تاکید مزید بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بخدمت جناب ابوالعلامہ امجد صاحب سلمہ المذہب السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مسئلہ قاعدہ تحریم صنف رابع ذوی الارحام مندرجہ لفافہ ہمارے علماء گردونواح کامختلف فیہ واقع ہوا ہے کوئی متون کو ترجیح دیتے ہیں دیوبندیوں کافتوی بھی یہ ہے حتی کہ کتاب مفید الوارثین میں بالتصریح مذکور ہے اور کوئی فتاوٰی خیریہ کو مقدم سمجھتے جس کی شامی نے بھی تائید کی۔اب مسئلہ معرکہ آرا بن گیا ہے ایک نقل اس استفتاء کامولوی عبدالغفور ہمایونی کو بھیجا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ فوت ہوگئے ہیں باقی دیوبندی علماء غیر مقلد ہیں ان کے فتوے پر اعتبار نہیں آتا۔آج کل فقہ حنفی کاعالم متبحر بغیر مولوی صاحب مولوی احمد رضاخاں صاحب کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا،ایک خط پہلے دربارہ استفتائے مذکور مولوی احمد رضاخاں صاحب کے پاس بھیجاگیا سب علماء اس جگہ والے منتظر جواب ہیں اس لئے آج دوسرااستفتائے مذکور کی نقل آپ کی وساطت سے بجناب مولوی صاحب بھیجی جاتی ہے براہ عنایت واعانت دین آپ بنفس نفیس یہ استفتاء مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرکے جواب لکھواکر واپس فرمائیں اللہ تعالٰی جل شانہ،آپ کو اس تکلیف کانعم البدل عطافرمائے گامگر جواب صرف نعم اور لا میں نہ ہو بلکہ بہ نقول وحوالہ کتب فقہ حنفی مستدل ومبرہن لکھوادیں ایسے اختلاف عظیم کامٹانا اور حق دریافت کرنا جس میں علامہ شامی جیسا محقق بھی عاجز ہو کر دوسروں کو فیصلہ پر امر بمراجعہ کتب فرمارہاہے بجز مولوی صاحب جیسے علامہ متبحر کے اور کوئی قادر نہ ہوسکے گا۔آج مولوی صاحب جیسی شمع روشن ہے کل کو خدانخواستہ کوئی شخص اس کو حل نہ کرسکے گا۔مولوی صاحب کے ہاں ذخیرہ کتب موجود ہے امید ہے کہ کسی عالم مصر یاشام نے اپنے فتاوٰی میں ذکر اس جزئی کاکیا ہو وہ ضرور نقل فرمائیں فقط ۱۱/اگست ۱۹۱۸ء راقم فقیر احمد بخش سجادہ نشین شہر جھجہ ریاست بہاولپور

الجواب:

یہاں دو[۲] مسئلے ہیں: **اوّل[۱]**: بحالت اختلاف حیز بھی ولد الوارث کو ترجیح ہے یانہیں۔

دوم: اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولٰی کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ کہا گیا اور ترجیح متون التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات، تو معتمد یہ ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل سلمہ اللہ تعالٰی کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہے ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیہ میں ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحب ہدایہ ومتن کنز وملتقی واکثر شروح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بناپر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے۔ علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسے اختیار کیا

اقول: اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس اورنہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات" تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔

حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام [1] اھ بالتخصیص۔	جہاں فرمایا کہ حقیقی چچا کی بیٹی اور اخیافی ماموں کی بیٹی میں مال تین حصے بناکر تقسیم کیا جائے گا (اول الذکر کو دو تہائی اور موخر الذکر کو ایک تہائی) کیونکہ باپ کے فریق اور ماں کے فریق کے درمیان قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونا معتبر نہیں اھ تلخیص (ت)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبدالواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف جانا ہی چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، **اول** کی عبارت یہ ہے:

وان کان واسطۃ قرابتہم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام والاعتبار	اور اگر ان کی قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی ماں باپ کی قرابت اور ایک تہائی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ ان کے درمیان قوت قرابت

[1] حل المشکلات فی الفرائض

بقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ بینھا کما لوترك اخت الاب لاب وام واخت الام لاب لیس للاولی ترجیح علی الثانیۃ وان کانت الاولی ولد العصبۃ وایضا لھا قوۃ القرابۃ کذا ھذا[1]۔	اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جیسے کسی نے باپ کی حقیقی بہن اور ماں کی علاتی بہن چھوڑی ہو تو پہلی کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوگی حالانکہ پہلی عصبہ کی اولاد ہے اور اسے قوت قرابت بھی حاصل ہے۔(ت)

دوم میں ہے:

واگرہم بدرجہ قرابت برابر باشند ودر حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند وبعض از جانب ام دریں ہنگام در ظاہر الروایۃ مر قوت قرابت وولد عصبہ رااعتبار نہ باشد پس ولد عمہ اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی یا اخیافی اولٰی نبود کہ قوت قرابت ولد عمہ رااعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولٰی نباشد کہ ولد عصبہ رااعتبار نیست بر قیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولٰی نہ بود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذوقرابتین است و ولد وارث از جہتین یعنی از جہت اب وام زیرا کہ پدر او جد صحیح است ام او جدہ صحیحہ[2]۔	اگر قرابت کے درجہ میں برابر ہوں اور جہت قرابت میں مختلف یعنی باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو اس وقت ظاہر الروایہ میں قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا حقیقی پھوپھی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں یا خالہ کی اولاد سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ پھوپھی کی اولاد کے لئے قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح حقیقی چچا کی بیٹی حقیقی ماموں یا خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ حقیقی پھوپھی، علاتی یا اخیافی خالہ سے اولٰی نہیں ہوتی باوجودیکہ حقیقی پھوپھی دو قرابتوں والی ہے اور دو جہتوں سے وارث کی اولاد ہے یعنی باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی کیونکہ اس کا باپ میت کا جد صحیح اور اس کی ماں میت جدّہ صحیحہ ہے۔(ت)

[1] مختصر الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

اسے ظاہر الروایہ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے، اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ مدقق علائی نے در مختار میں اسی کو مختار رکھا یوں کہ قول متن:

واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث۔	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ (ت)

میں واتحدت الجہۃ[1] (اور جہت متحد ہو۔ت) کی قید بڑھا دی اور آگے فرمایا:

فلواختلفت فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث[2]	اگر جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کو ایک تہائی ملے گا (ت)

علامہ سید احمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ:

ان اختلف حیز القرابۃ فلا عبرۃ للاقوٰی ولا لولد العصبۃ[3]۔	اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو اقوی اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

یونہی علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔

یہ ہیں وہ عبارات جو اس قول پر نظر حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔

فاقول: ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و سراجیہ اسی پر ہیں لہٰذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر **اولاً:** وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھذا ظاھر الروایۃ کما فی السراجیۃ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الھدایۃ[4]۔	یہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ سراجیہ اور صاحب ہدایہ کی فرائض عثمانیہ میں ہے۔ (ت)

ثانیاً: شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی وعنایہ امام اکمل وبنایہ امام عینی وغایۃ البیان

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث فی الارحام دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷

امام اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہیں۔ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔غالبًا یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر حذف فرمادیا توظاہرًا غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

ثالثًا: کنز کی عبارت یہ ہے:

وذورحم وھو قریب لیس بذی سھم وعصبۃ(الٰی ان قال)وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام[1]۔	ذورحم وہ قریبی رشتہ دار ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) اور ان کی ترتیب عصبات کی ترتیب کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے سے ہے جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔(ت)

حضرت علامہ شامی اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کااطلاق اور اسی بناء پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیاجانا بتاتے ہیں۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفًا ہے:

وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ[2]۔	وہ متون وشروح کاظاہر اطلاق ہے جہاں مشائخ نے فرمایا کہ جہت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کوماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔چنانچہ انہوں نے عصبہ کی اولاد اوراس کے غیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔(ت)

اقول: یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کوشامل تھے تو یہ قطعًا ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف جہت کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے وعلی التنزیل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف واتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق سے معارض ہے۔

---

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸-۵۰۷

رابعًا: مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں:

جب دو وارث ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے میت کی طرف منسوب ہونے والا اولٰی ہوگا اور ذوی الارحام میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔(ت)	واذا استوی وارثان فی درجۃ واحدۃ فاولٰھم من ادلی بوارث واقربھم اولٰی من ابعدھم[1]۔

خامسًا: اسی طرح متن تنویر میں تمام اصناف ذکر کرکے فرمایا:

جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا، اور جب اصول مختلف ہوں تو امام محمد علیہ الرحمہ اصول کا اعتبار کرتے ہوئے مال کے تین حصے بناکر ان پر تقسیم کرتے ہیں الخ (ملتقطًا)۔(ت)	واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث واذا اختلفت الاصول اعتبر محمد من الاصول وقسم علیھم اثلاثا[2] الخ۔(ملتقطًا)

اس نے بھی صاف کردیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولد وارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ میں یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری وکنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی کہ منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (حیز) سے خاص **ھکذا ینبغی ان یفھم کلام الکرام** (بزرگوں کے کلام کو یوں ہی سمجھنا چاہئے۔ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ **واذا استووا فی درجۃ** (جب درجہ میں برابر ہوں۔ت) کے بعد درمختار کا "**واتحدت الجھۃ**"[3] (اور جہت متحد ہو۔ت) کی طرف خود ان کا میل برخلاف متن ہے۔

سادسًا: ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر نہیں۔

---

[1] القدوری کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

قدوری، کنزوتنویر کا حال معلوم ہوا سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں اس کا مرتبہ فتاوٰی یا غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہر گز نہیں بلکہ فتاوی میں **کما بیّناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری اور سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔

ان المصنف لما خرج من فرغانة الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذاالکتاب شرحالھا[1]۔	مصنف علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین السمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انہیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب (سراجیہ) کو لکھنا شروع کیا (ت)

تو نہ رہی مگر ایک ملتقی، اس میں بیشک یہ قول مصرح ہے:

حیث قال یرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم یکون الاصل وارثا عند اتحاد الجھة[2]۔	جہاں فرمایا کہ اتحاد جہت کے وقت وہ قرب درجہ پھر قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں (ت)

تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی ہی پر ہیں۔ **سابعًا:** شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا اور شروح کنز نے مسئلہ متن کو مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہولیا **وللہ الحمد**۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی وفتاوٰی امام تمرتاشی ومجمع الفتاوٰی وفتاوٰی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ ومذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصروتاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے: **علیہ الفتوی**[3]۔ جامع المضمرات میں ہے: **ھو الصحیح**[4]۔ معراج الدرایہ میں ہے: **ھو الاولٰی بالاخذ للفتوی**[5] (فتوی کے لئے اخذ

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام مطبع علیمی لاہور ص۹۶

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل ذوالرحم قریب مؤسسة الرسالہ بیروت ص ۳۵۱

[3] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[4] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[5] العقود الدریة کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

کرنے کے زیادہ لائق یہ ہے۔ت) علامہ محقق خیر الدین رملی [1] نے اسی پر فتوٰی دیا۔

اقول: بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص۷ میں ہے:

اجمعنا انہ لوکان احدھما ولد عصبۃ اوصاحب فرض کان اولی من الاٰخر [2]۔	ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو تو وہ دوسرے سے اولٰی ہوگا(ت)

اسی کے صفحہ ۵ میں ہے:

من کان منھم ولد عصبۃ اوصاحب فرض فانہ یقدم علی من لیس بعصبۃ ولاصاحب فرض [3]۔	ان میں سے جو عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو وہ مقدم ہوگا اس پر جو عصبہ یا صاحب فرض نہیں۔(ت)

اسی طرح علامہ سید شریف نے زیر قول مصنف **اولٰھم بالمیراث اقربھم** [4] (ان میں میراث کا زیادہ حقدار وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ت) نقل فرمایا اور مقرر رکھا۔

پھر مبسوط امام سرخسی کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انہوں نے کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے اس میں انہوں نے صرف اسے ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے نیز ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے:

ان کان احدھما ولد عصبۃ اوولد صاحب فرض فعند اتحاد الجھۃ یقدم ولدالعصبۃ وصاحب الفرض و عند اختلاف الجھۃ لایقع الترجیح بھذا بل یعتبر المساواۃ فی الاتصال بالمیت،	اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوات کا اعتبار کیا جائے گا اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً کوئی

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴۲

[2] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۷

[3] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۵

[4] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب ذوی الارحام فصل فی الصنف الاول مطبع علیمی لاہور ص۱۰۰

بیانه فیما اذا ترك ابنة عم لاب وامٍّ اولابٍ وابنة عمة فالمال کله لابنة العم لانها ولد عصبة، ولو ترك ابنة عم و ابنة خال اوخالة فلابنة العم الثلثان ولابنة الخال اوالخالة الثلث لان الجهة مختلفة هنا فلا یترجح احدهما بکونه ولد عصبة وهذا فی روایة ابن ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاهر المذهب ولدالعصبة اولٰی سواء اختلفت الجهة اواتحدت لان ولدالعصبة اقرب اتصالا بوارث المیت فکان اقرب اتصالا بالمیت فان قیل فعلٰی هذا ینبغی ان العمة تکون احق بجمیع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب، والخالة لیست بولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام، قلنا لا کذٰلك فان الخالة ولدام الام وهی صاحبة فرض فمن هذا الوجه تتحقق المساواة بینهما فی الاتصال بوارث المیت، الا ان اتصال الخالة بوارث وهی امّ، فتستحق فریضة الام واتصال العمة بوارث وهو اب	شخص حقیقی یاعلاتی چچاکی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا تو تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔اوراگر چچا کی بیٹی اور ماموں یاخالہ کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہواتو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یاخالہ کی بیٹی کوایک تہائی ملے گا، کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے۔دونوں میں سے ایک کو عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ابن ابی عمران کی روایت ہے۔لیکن ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد، کیونکہ عصبہ کی اولاد کامیت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔اگر کہاجائے اس بناء پر چاہیۓ کہ پھوپھی خالہ کی بنسبت تمام مال کی زیادہ حقدار ہو کیونکہ پھوپھی عصبہ یعنی دادا کی اولاد ہے جبکہ خالہ نہ توعصبہ کی اولاد ہے اورنہ ہی صاحب فرض کی، کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔توہم کہیں گے کہ اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اوروہ صاحب فرض ہے۔اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کاجس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا

فتستحق نصیب الاب.فلھذا کان المال بینھما اثلاثا[1]۔	ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ باپ (دادا) ہے لہٰذا وہ باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔اسی لئے ان میں مال تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا (دو حصے پھوپھی کے اور ایک حصہ خالہ کا)۔(ت)

بعینہٖ یہی مضمون تمام وکمال تکملہ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ **اتصالا بالمیت** تک۔اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول سے جواب کا بھی افادہ فرمادیا:

اقول:ولایقدح فی تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجھتین و یستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولانظر الیھا عنداختلاف الحیز کما صرحوا بہ قاطبۃ نعم رایتنی کتبت علی ھامش تکملۃ البحر مانصہ۔ **اقول**:لایتمشّٰی اذاکانت الخالۃ اخت الام لاب اھ ای فانھا لاحظ لھا من ولدیۃ وارث اصلا۔لایقال نصوا انھا اقوٰی من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ بالاب و اخرٰی لام احرزت الاولٰی جمیع المال ولاشیئ للاخرٰی والخالۃ لام لاتحجبھا العمۃ لاستوائھا معھا فی ولدیۃ الوارث فاذالم تحجب	میں کہتا ہوں مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ پھوپھی جبکہ حقیقی ہو تو وہ دونوں جہتوں سے وارث کی اولاد ہے اور یہ بات خالہ میں محال ہے (کیونکہ وہ صرف ایک جہت سے وارث کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قرابت کی قوت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ تمام مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے تکملہ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ **میں کہتا ہوں** یہ جواب اس وقت نہیں چلے گا جب خالہ ماں کی علاتی بہن ہو الخ کیونکہ وہ بالکل وارث کی اولاد نہیں۔یوں نہ کہا جائے کہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہے کہ علاتی خالہ اخیافی خالہ سے اقوی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص علاتی خالہ اخیافی خالہ چھوڑ کر مرا تو سارا مال پہلی خالہ لے گی دوسری کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔پھوپھی اخیافی خالہ کو محروم نہیں کر سکتی کیونکہ وارث کی اولاد ہونے میں وہ اس کے ساتھ شریک ہے۔جب پھوپھی

[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

الاضعف وجب ان لاتحجب الاقوٰی لانی اقول انما قوتها قوۃ قرابتها فان الانتماء بالاب اقوی من الانتماء بالام وھٰذہ قوۃ لانظر الیها عنداختلاف الجهة فتبقی ولدیة العمة للوارث قوۃ بلامعارض فیلزم ان تحجب الخالة لاب وھو باطل فعلم ان ولدیة الوارث ایضاً لاتلاحظ فی الحیز المختلفة۔

اقول: وباللّٰه التوفیق توریث الخالة مع العمة اثلاثاً عندالفقهاء رضی اللّٰه تعالٰی عنهم لاقامة العمة مقام العم والخالة مکان الام قال الامام شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم عندنا والخالة بمنزلة الام، وقال اهل التنزیل العمة بمنزلة الاب و الخالة بمنزلة الام، قالوا اتفقت الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم علی ان للعمة الثلثان وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولاوجه لذلك الا بان تجعل العمة کالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب

اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقوی یعنی علاتی خالہ کو بھی محروم نہ کرے اس لئے کہ میں کہتا ہوں پہلی خالہ کی قوت قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہونا ماں کے ذریعے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے اولاد وارث ہونے والی قوت کسی معارض کے بغیر باقی رہے گی۔ اور لازم آئے گا کہ پھوپھی علاتی خالہ کو محروم کردے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں وارث کی اولاد ہونے کا بھی اعتبار نہیں۔ میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتاہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماں کے قائمقام رکھا جاتاہے، امام شمس الائمہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک پھوپھی، چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے۔ اہل تنزیل نے کہا کہ پھوپھی بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ مشائخ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر متفق ہیں کہ جب خالہ اور پھوپھی جمع ہوں تو پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہوسکتی کہ پھوپھی کو باپ کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ کی

والخالة کالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام، وجه قول علمائنا رحمهم الله تعالٰی ان الاصل ان الانثٰی متی اقیمت مقام ذکر فانها تقوم مقام ذکر فی درجتها۔ والذکر الذی فی درجة العمة العم و هو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم، والخالة لو اقمناها مقام ذکر فی درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثین وللخالة الثلث بهذا الطریق بمنزلة مالو ترك امّا وعمّا[1] اھ(مختصرًا)فاذاکان الامر علی هذا سقط تقدم العمة لولدیة العصبة فانّها قداقیمت مقام العصبة فضلا عن الوالدیة ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لاتحجب بالعم وفی هذه الحالات کلهن سواء قدرأینا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هو اقوی اسبابه وهو قرب درجة، الاتری ان من	قرابت کی وجہ سے ہے۔اورخالہ کوماں کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ہمارے علماء کے قول کہ "خالہ ماں کی طرح ہے" کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ کی رو سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیاجائے تواپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کاہم مرتبہ مرد چچاہے جوکہ وارث ہے لہٰذا اسے چچا کے قائم مقام کیاجاتاہے اورخالہ کواگر اس کے ہم درجہ مرد یعنی ماموں کے قائم مقام کیاجائے تو وہ پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی۔اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا،لہٰذااس طرح پھوپھی کو دو تہائی اورخالہ کوایک تہائی ملے گا جیساکہ ماں اورچچاکو چھوڑ کر فوت ہونے کی صورت میں ہوتا(اختصار)جب معاملہ اس طرح ہے توپھوپھی کوعصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اس کو عصبہ کی اولادکے بجائے خود عصبہ کے قائم مقام قراردیاگیاہے پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کرسکے گی کیونکہ خالہ کوماں کی جگہ رکھاگیاہے اورماں چچاسے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔تحقیق ہم نے دیکھاکہ قائم مقام قراردینے کی وجہ سے قرب درجہ جیساقوی ترین سبب بھی محروم نہیں کرسکتا۔کیاتونہیں دیکھتاکہ کوئی شخص اگر

[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث العمات والاخوال والخالات دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۱۸و۱۹

خلف بنتا وبنات ابن فلهن السدس تکملة للثلثین لاقامتهن مقام بنت فلم یحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وکذلك اذا مات عن بنتین وبنت ابن وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لم یحجب بنت الابن وبنت ابن الابن لانهما اقیمتا فی درجة الذکر کی تتعصب به فهذا هو السرفی وراثة الخالة لاب مع العمّات والله تعالٰی اعلم ثم اقول:لایذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر علی الذوات ولاتتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لایجعلون کاولادالام الاتری ان ذکورهم لایساوون اناثهم بل للذکر مثل حظ الانثیین وهذاکولدیة العصبة لاتسری من الولد الی ولد الولد کما فی ردالمحتار وغیرہ عن سکب الانهر وغیرہ فا بنت العم لایقدم علی بنت ابن العمة او الخال اوالخالة فاحفظ۔	ایک بیٹی اور چند پوتیاں چھوڑ کر مرجائے تو دوتہائی کی تکمیل کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا، کیونکہ انہیں بیٹی کے قائم مقام رکھاگیاہے لہٰذا بیٹی کے درجہ سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص دوبیٹیاں،ایک پوتی، ایک پوتے کی بیٹی اور ایک پوتے کابیٹا چھوڑ کر مرگیا توپوتی اور پوتے کی بیٹی محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان کو مرد کے درجے میں رکھاگیاہے تاکہ اس کے ذریعے وہ عصبہ بن جائیں۔علاتی خالہ کے پھوپھیوں کے ساتھ وارث بننے میں یہی راز ہے،اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔میں پھر کہتاہوں تجھے ہرگز یہ نہ بھولے کہ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہے اولاد کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہوتا۔لہٰذا خالہ کی اولاد کو ماں کی اولاد کی طرح نہیں بنایا جائے گا۔کیاتونے نہیں دیکھاکہ خالہ کی اولاد میں مذکر ومؤنث آپس میں برابر نہیں بلکہ لڑکے کاحصہ دولڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔یہ عصبہ کی ولدیت کی طرح ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل نہیں ہوتی جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے منقول ہے۔چنانچہ چچاکانواسہ، پھوپھی، ماموں یاخالہ کی پوتی سے مقدم نہ ہوگا۔پس اس کو یاد کرلے۔(ت)

بالجملہ قول دوم پرہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر الروایۃ اور مذہب بتایا اور

تصحیحات صریحہ اسی کے لئے ہیں، خصوصاً آکد تصحیحات علیہ الفتوی، تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔
درمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم[1]۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔	ہم پر ان کی ترجیح و تصحیح کی اتباع ضروری ہے جیساکہ وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوی دیتے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثانیہ: جبکہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتٰی بہ میں ولدیت وارث معتبر ہے، آیا قوت قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاق روایت بتایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیت وارث سے اقوی ہے جب یہ معتبر تو اس کا اعتبار بدرجہ اولٰی ہے۔ عبارت عقود سائل فاضل کے پیش نظر ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے نسخہ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا:

قولہ رحمہ اللہ تعالٰی یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانھا اقوی **اقول:** قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لانظر بقوۃ القرابۃ مع اختلاف الحیز فلاتقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولاالخالۃ العینیۃ عل العمۃ الام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقوی من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لایوجب اعتبارھا مع اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل	مصنف علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ وہ (عصبہ کی اولاد ہونے سے) زیادہ قوی ہے۔ **میں کہتا ہوں** روایات ظاہرہ میں مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہوتا للذا حقیقی پھوپھی کو اخیافی خالہ پر ترجیح نہیں ہوگی اور نہ حقیقی خالہ کو اخیافی پھوپھی پر ترجیح ہوگی۔ جہت واحدہ میں قوت قرابت کے ولدیت عصبہ سے زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قوت قرابت کا اعتبار ساقط ہوتا ہے۔ چنانچہ اضعف کے بر محل معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں

---

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

جریانه لایستلزم جریان الاقوی فیه مع انعدام المحلیة له،والحق ان لامعنی لقوة القرابة فی حیز الاکون قریب ذاجهتین کالعینی او ذاجهة اقوی کالعلاتی مع الاخیافی وظاهر ان اجتماع الجهتین فی حیز لایلغی الحیز الآخر واذاکان نفس احد الحیزین اعنی الاب اقوی من الآخر اعنی الام ثم لم تورث قوته الغاء الحیز الآخر فکیف تورث قوة جهته الغاء الاُخر وتعلیل قوة القرابة انما هو فی الحیز الواحد لا تقدیم ذی حیز علی ذی حیز آخر لقوة القرابة فی حیزه والایقدم الحیز الابوی مطلقا علی الامی وایضا لونظر الٰی قوة القرابة لعاد نقضا علی المقصود فان الاقوی غیرمعتبر مع اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاهرة فکیف تعتبرون فیه الاضعف و یؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وهو خلاف ما قررتم انه صحیح مفتی به وانما الجواب ماقدمت ان الاقوی لم یعتبر لعدم المحل	اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔اور حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی فقط یہ ہے کہ ایک قریبی رشتہ دار دو جہتیں رکھتا ہو جیسے سگا رشتہ دار یاایک زیادہ قوی جہت رکھتا ہو جیسے علاتی رشتہ دار اخیافی رشتہ دار کے ساتھ۔ظاہر ہے کہ ایک جانب میں دوجہتوں کااجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کرتا۔جب خود ایک حیز یعنی باپ جو کہ اقوی ہے دوسرے حیز یعنی ماں سے۔اس کے باوجود اس کی قوت دوسرے حیز کو محروم نہیں کرتی تواس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کرسکے گی۔قوت قرابت فقط ایک جہت میں معتبر ہے۔اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ کی جانب کو مطلقًا ماں کی جانب پر تقدیم حاصل ہو،نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ اختلاف جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقوی معتبر نہیں توتم اس میں اضعف کااعتبار کیسے کرتے ہو۔چنانچہ معاملہ دونوں ترجیحوں کو لغو قرار دینے کی طرف لوٹ آئے گا اور یہ خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے کہ وہ(ولد عصبہ سے ترجیح) صحیح اور مفتٰی بہ ہے۔اس کاجواب وہ ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیاکہ اقوی کااس لئے اعتبار نہیں ہے کہ اس کا محل نہیں۔

فلایلغی الآخر مع حصول المحلیة وذٰلك لان ولدیة العصبة تسقی من العصوبة والعصوبة تقضی علٰی غیرها مطلقا وان کان من غیر حیزها کالعدم یحجب الخال فکذا ولدیة العصبة وبھٰذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوٰی کما ذھب الیه العلامة الشامی ووجوب اسقاط الاضعف لسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالٰی اعلم ولی الانعام۔	لہٰذا دوسری ترجیح بر محل ہونے کی وجہ سے لغو نہ ہوگی۔ یہ اس لئے ہے کہ عصبہ کی اولاد کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے اگرچہ جہت مختلف ہو مثلاً چچا (جو کہ عصبہ ہے) ماموں کو محروم کردے گا اسی طرح عصبہ کی اولاد بھی محروم کردیتی ہے۔ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہوجاتے ہیں یعنی اقوی کے اعتبار کا وجوب جیسا کہ علامہ شامی اس کی طرف گئے ہیں اور اقوی کے سقوط کی وجہ سے اضعف کو ساقط کرنے کا وجوب جیسا کہ ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔ اور اللہ تعالٰی ہی انعام عطا فرمانے والا ہے۔(ت)

اس حاشیہ نے بحمدہٖ تعالٰی کشف شبہہ کردیا اس وقت تک مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط شریف کا نص ملخص یہ ہے:

فی ظاھر المذھب ولد العصبة اولٰی سواء اختلفت الجھة او اتحدت، فان کان قوم من ھٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال اوالخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام اوالعمات لام، فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا، سواء من کل جانب ذوقرابتین	ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ان میں سے ایک جماعت ماں کی طرف سے ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی بیٹیاں اور ایک جماعت باپ کی طرف سے ہو مثلاً اخیافی پھوپھیوں یا اخیافی چچوں کی بیٹیاں، تو مال دونوں فریقوں میں تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا چاہے ہر جانب دو قرابتیں ہوں

او من احد الجانبین ذو قرابة واحدة ثم ما اصاب کل فریق فیما بینهم یترجح جهة ذی القرابتین علی ذی قرابة واحدة[1]۔	یا ایک جانب فقط ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کو جوملا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا درانحالیکہ دو قرابتوں والے کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔ (ت)

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنف رابع کا قانون صحیح و معتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابة ثم ولد الوارث و بعد هذه الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث، واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرب ہر حال میں مقدم ہوگا پھر اگر جہت مختلف ہو تو عصبہ کی اولاد کو اور اگر متحد ہو تو پہلے اقوی کو پھر عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی۔ ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مبسوط امام السرخسی کتاب الفرائض فصل فی میراث اولاد العمات الخ دار المعرفة بیروت ۳۰/ ۲۱

کتاب الشّتّی (حصّہ اوّل)

(متفرق موضوعات)

تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین

مسئلہ ۲۰۵: از توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبہ دار مدرسہ فیض احمدی کانپور بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۷ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مولوی عبیداللہ صاحب

یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقر کے ختم فرمانے کے شکریہ میں دعوت فرمائی؟ اور نسیم الریاض کے کس جلد کے کس صفحہ میں ہے کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کے علم کو حضرت سید السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کے علم سے اشرف واوسع کہے گا؟

الجواب:

وہ عبارت نسیم الریاض کی جلد رابع ص ۳۷۷ طابع قسطنطنیہ میں ہے:

من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقد عابه ونقصه (الٰی قوله) فهو ساب ای کالساب و الحکم فیه	جس شخص نے کہا فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے اس نے آپ کو عیب لگایا اور تنقیص کی (مصنف کے اس قول تک) چنانچہ وہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو گالی دینے والا ہے یعنی گالی دینے والے کی مثل ہے اس کا حکم گالی

حکم الساب من غیر فرق بینهما[1]۔	دینے والے کی طرح ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔(ت)

خطیب نے رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر فاروق علیہما الرضوان سے روایت کی:

قال تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشرة سنة فلما ختمها نحر جزورا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ سیکھی، جب مکمل کرلی تو (شکرانے کے طورپر) اونٹ ذبح فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶،۲۰۷: از بمبئی مرسلہ مولوی محمد عثمان صاحب بوساطت ضیاء الاسلام پیلی بھیت ۱۸/رجب ۱۳۲۴ھ

(۱) شیطان کے انڈا دینے کا ثبوت۔

(۲) نماز خمسہ معراج میں نہیں فرض ہوئیں۔

الجواب:

(۱) مفسرین نے ذریت شیطان میں چند اقوال لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ انڈے دیتا ہے اس سے اس کی نسل پھیلتی ہے۔

(۲) یہ محض غلط ہے، صحیحین[3] وغیرہما کی احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ شب معراج ہی میں پانچوں نمازیں فرض ہوئیں۔

مسئلہ ۲۰۸: از شہر کہنہ مرسلہ منشی قاضی عبدالحق صاحب ۳۰/ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

بشرف ملاحظہ خدامان بارگاہ شریعت پناہ، صاحب حجۃ قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، حامی ملت، حضرت عالم اہلسنت مد ظلہم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کمترین عقیدت گزیں عبدالحق عرض پرداز ہے کہ اگر خادمان عالی کا حرج اوقات نہ ہو تو تفصیل اس امر کی فرمادی جائے کہ ہاروت وماروت جو چاہ بابل میں قید ہیں فرشتے ہیں یا جن یا انسان؟ اگر ان کو فرشتہ مانا جائے تو عصمت فرشتوں کی کس دلیل سے ثابت کی جائے؟ اور اگر جن وانس کہا جائے تو درازی عمر کے واسطے کیا حجت پیش کی جائے؟ اور جلال الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا

[1] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہلسنت برکات رضا ۴/ ۳۳۵

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی بحوالہ مالک باب کیفیۃ التعلم والفقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰

[3] صحیح البخاری باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ۱/ ۵۱ و صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۹۱

اور ایک فرشتہ طوق وزنجیر پہنے ہوئے وسط میں حاضر ہوا، اور منادی نے ندا کی کہ اس فرشتہ نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی یہ سزا ملی، کہاں تک صحیح ہے؟ چونکہ قدیم سے میرے تمام اسقام کا چارہ اسی آستانے سے ہوتا رہا ہے اس واسطے اس سمع خراشی کی جرأت پڑ گئی۔ والسلام

الجواب:

جناب من! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصہ ہاروت وماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمہ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے، جس کی تفصیل شفاء شریف اور اس کی شروح میں ہے، یہاں تک کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

هذه الاخبار من کتب الیهود وافترائتهم [1]۔	یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور ان کی افتراؤں سے ہیں۔

ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازی عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر وسیدنا الیاس وسیدنا عیسٰی صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلائے خلق کے لئے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ:

"اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ" [2]	ہم تو آزمائش ہی کے لئے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کر۔

اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔

بہ قال اکثر المفسرین علی ماعزا الیهم فی الشفاء الشریف [3]۔	اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے جیسا کہ شفاشریف میں ان کی طرف منسوب ہے (ت)

اور یہ روایت کہ تاریخ الخلفاء کی طرف نسبت کی قطعاً باطل اور بے اصل محض ہے، نہ اس وقت تاریخ الخلفاء میں اس کا ہونا یادِ فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: مسئولہ از مولوی نور احمد کانپوری ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع ریواں ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

ماقولکم یاعلماء الملة السمحة البیضاء ومفاتی الشریعة الغراء فی هذه (اے ملت مقدسہ نورانیہ کے علماء کرام اور روشن شریعت کے مفتیان عظام آپ کا کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ۔ت) مولوی غلام امام شہید نے

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی القول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی العقول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۱

ص ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک نے حاضر ہو کر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ تو محی الدین ہے اور جس طرح آج میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منازل اثناء عشریہ بھی تحفہ قادریہ سے لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے۔ براق نے شوخی شروع کی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ کیا بے حرمتی ہے تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے، خلاصہ ہیجدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ براق نے کہا اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس کرنی ہے۔ فرمایا بیان کرو۔ عرض کیا آج میں دولت زیارت سے مشرف ہوں، کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے التجا اس کی قبول فرمائی۔ صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔

میرا استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث میں وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن سیَر میں موجود ہے یا نہ؟ بیّنوا توجروا ببیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتمدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرالجزاء (قابل اعتبار واعتماد اسانید کے ساتھ مکمل وضاحت وتفصیل کی روشنی میں تسلی بخش طور پر بیان فرمائیں اجر پاؤ گے۔ اللہ تعالٰی تمہیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ ت)

الجواب:

کتب احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثناعشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری، نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔ تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے، میں اس کا مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا جو میری نظر سے گزرا اس میں یہ روایت اصلاً نہیں۔

بایں ہمہ اس زمانے کے بعض مفتیان جہول یعنی دیوبندیان نامعقول اور مخطیان غفول نے جو اس کا بطلان اس طرح ثابت کرنا چاہا ہے کہ سدرۃالمنتہٰی سے بالاعروج کیسااور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بوئے تفضیل نکلتی ہے، یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کارَد فقیر نے ایک مفصل فتوی میں سترہ سال ہوئے کہ کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو کھٹور ضلع سورت سے اس کاسوال آیا تھا، ہاں فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی اہلی نے کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشیدابن محمد جنیدی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی کتاب "حرزالعاشقین" سے نقل کیا، اور ایسے امور کواتنی ہی سند بس ہے۔اس کابیان فقیر کے دوسرے فتوی میں ہے جس کاسوال ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کواوجین سے آیا تھا وباللہ التوفیق (اور توفیق اللہ تعالٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: ازملک بنگال ضلع فرید پور موضع ٹپوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

اعراب قرآنی کی ایجاد کس سنہ میں ہوئی اور اس کابانی کون ہے؟ یہ بدعت حسنہ ہے یاسیئہ؟ اگر بدعت حسنہ ہے تو "کل بدعۃ ضلالۃ" (ہربدعت گمراہی ہے۔ت) کے کیا معنی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

زمن عبدالمالک بن مروان میں اس کی درخواست سے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے شاگرد رشید حضرت ابوالاسود دُئلی نے یہ کارنیک کیا، بدعت حسنہ تھا، اور تمام ممالک عجم میں یقینا واجب کہ عام لوگ بے اس کے اس کی صحیح تلاوت نہیں کرسکتے۔بدعت ضلالت وہ ہے کہ رَدّومزاحمت سنت کرے، اور یہ تومؤید ومعین سنت، بلکہ ذریعہ ادائے فرض ہے،

فان اللحن حرام بلاخلاف کما فی العٰلمگیریۃ[1] فترکه فرض وهذا سبیله۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ لحن بلاخلاف حرام ہے جیساکہ عالمگیری میں ہے۔لہٰذا اس کاچھوڑنافرض ہےاور یہ اس سے بچنے کاراستہ ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

مسئلہ ۲۱۱: از بھوپال مکان منشی سید سعید احمد صاحب متصل نور محل مرسلہ سید احمد علی

مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بناء پر حضرت منصور کے بارے میں فتوٰی دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں۔ اگر فتوی میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا۔ اس تکلیف دہی کو معاف فرمایئے گا۔ ایک معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب:

حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اور ان کا اسم گرامی حسین عـــہ، اکابر اہل حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادالٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتانہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر یاقوت کا جام اُترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ لگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا "اَنَا لَاَحَق" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا "انا الحق" (میں حق ہوں۔ت)، وہ دعوی خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بدل دینہ فاقتلوہ، رواہ احمد[1] والستۃ الامسلما عن	جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے

عـــہ: فی الاصل منصور

[1] جامع الترمذی ۱/ ۱۷۶ و سنن ابی داؤد ۲/ ۲۴۲ و سنن ابن ماجہ باب المرتد عن دینہ ص ۱۸۵، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۷ و ۲۸۲ و ۲۸۳، صحیح البخاری کتاب المغازی باب لایعذب بعذاب اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۲: از بریلی بازار لال کرتی مرسلہ حاجی غلام نبی صاحب ساکن پاکپتن شریف معرفت حاجی ابوالحسن صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ ہے اور ان دونوں کو اللہ تعالٰی نے کس کس کام پر مختار کیا ہے اور کیا کیا مرتبہ دیا ہے؟ فقط

الجواب:

سیدنا الیاس علیہ السلام نبی مرسل ہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین میں سے ہیں۔ (ت)

اور سیدنا خضر علیہ السلام بھی جمہور کے نزدیک نبی ہیں اور ان کو خاص طور سے علم غیب عطا ہوا ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا۔ (ت)

یہ دونوں حضرات ان چار انبیاء میں ہیں جن کی وفات ابھی واقع ہی نہیں ہوئی، دو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے، سیدنا ادریس وسیدنا عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں دریا سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق ہے اور خشکی سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ دونوں صاحبان حج کو ہر سال تشریف لاتے ہیں، بعد حج آب زمزم شریف پیتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے۔ دونوں صاحب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۵

الانبیاء بنو علات[1]۔	سارے نبی آپس میں بھائی ہیں۔(ت)

اس کے سوا ان دونوں صاحبوں کا اور کوئی رشتہ معلوم نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۳: ۱۷/رجب ۱۳۳۲ھ

حائکہ کا پیشہ کون سے اولیاء و علماء نے کیا ہے؟ مع حدیث حوالہ کتاب سے تحریر فرمائیے گا۔

الجواب:

بعض اولیاء و علماء نے جس طرح بضرورت جوتا سینے کا پیشہ کیا ہے جیسے امام خصاف۔ یوں ہی بعض نے بضرورت کپڑا بھی بنا ہے جیسے ابوالخیر نسّاج وعلامہ اسمٰعیل حائک مفتی دمشق و شام رحمہم اللہ تعالٰی، مگر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ قوم کے جلاہے تھے جہالت ہے **ویظھر الفرق بمطالعۃ رسالتنا ارائۃ الادب لفاضل النسب** ف (اور ہمارے رسالے "ارائۃ الادب لفاضل النسب کے مطالعہ سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۴: از ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ ڈاکخانہ دبانوں مسئولہ محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دبانوں روز دوشنبہ ۱۹/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

نسب نامہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اولاد سلاطین کیان سے ہیں اور ان کا مرتبہ اس سے اجل و اعظم ہے کہ نسب سے انہیں فخر ہو۔ ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی اولاد ہیں، ان کا یہ فضل ہے کہ وہ ہزارہا دینی بادشاہوں کے باپ ہیں۔ سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

الفقھاء کلھم علی عیال	تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۳، ۴۳۷، ۳۱۹، ۵۴۱، صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عیسٰی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴ و ۲۶۵

ف: رسالہ "ارائۃ الادب لفاضل النسب" فتاوی رضویہ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور، کی تئیسویں جلد کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔

ابی حنیفة[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بال بچوں کی طرح ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۵: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتواری چوک ناگپور بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نہر فرات پر ہوئی یا نہیں؟ علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ضرور بر حق ہے، نہ فقط حنفیہ بلکہ جملہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے، اس کا منکر مبتدع گمراہ ہے۔

مسئلہ ۲۱۶: از علی گڑھ مرسلہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ۲۵صفر ۱۳۳۸ھ

مولانا المعظم و برادر محترم مولانا مصطفٰی رضاخاں صاحب ارفع اللہ شانہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کالج کا ایک کام آگیا ہے جس میں ضرورت ہے چند اسماء ان علمائے کرام کے لکھے جانے کی، جو سندھ کے تھے یا سندھ میں آئے کم از کم پانچ نام ہونا چاہئے۔انساب سمعانی میں بعض اسماء ملے لیکن صرف نام، اس کی خبر نہ ملی کہ انہوں نے کیا خدمت انجام دی۔طبقات حنفیہ کی فہرست میں کوئی نام نہ ملا۔آنجناب براہ کرم اعلٰی حضرت سے استفسار فرمائیں۔متقدمین یا متاخرین علماء اہلسنت، محدثین میں ہوں یا فقہاء میں۔اگر اس قدر فرصت نہ ہو تو صرف ان کتابوں کے نام لکھ بھیجئے جن میں تلاش کروں۔آپ کی خدمت میں نیاز نامہ اس لئے لکھا کہ آپ کو اعلیحضرت کی حضوری حاصل ہے۔فقیر کا سلام وقدمبوسی فرماد یجئے۔مستحق دعا ہوں اور بڑا محتاج ہوں۔

الجواب:

(۱) مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابن ہمام مصنف منسک کبیر، منسک صغیر ومنسک متوسط معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے المسلک المتقسط فی شرح المنسک المتوسط۔

(۲) مولانا محمد عابد سندھی مدنی محدث صاحب "حصر الشارد"۔

(۳) مولانا محمد حیات سندھی شارح کتاب الترغیب والترھیب۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر فی ثناء الائمۃ علیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۷، تاریخ بغداد ترجمہ ۷۲۹۷ نعمان بن ثابت دار الکتاب العربی بیروت ۱۳/ ۳۴۶

(۴) مولانا محمد ہاشم سندھی، یہ بھی فقہ میں صاحب تصنیف ہیں۔
(۵) علامہ محمد ابن الہادی سندھی محشیٰ فتح القدیر و صحاح ستہ و مسند امام احمد، استاذ علامہ محمد حیات سندھی متوفی ۱۱۳۸ھ
(٦) شیخ نظام الدین سندھی نزیل دمشق تلمیذ جلیل و محبوب حضرت قدوۃ العارفین سید صبغۃ اللہ بروجی
(۷) علامہ سندھی مصنف غایۃ التحقیق جن سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ در مختار باب الامامۃ میں استناد کیا۔
(۸) شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین و رجال اسانید حصر الشارد سے ہیں۔ اس وقت یہی نام خیال میں آئے۔

رسالہ
نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال
(حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

فصل اوّل

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۱۷: اولٰی استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بعض غرہ رجب کہتے ہیں رواہ الخطیب عن سیّدنا سھل التستری قدس سرہ (اس کو خطیب نے سیدنا سہل تستری قدس سرہ سے روایت کیا۔ت) اور بعض دہم محرم،

اخرج ابونعیم وابن عساکر عن عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدۃ قال حمل برسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی عاشوراء المحرم وولد	اس کو ابونعیم اورابن عساکر نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کااستقرار حمل دس محرم ہوااور ولادت

یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان[1] **اقول:** فیہ مسیب بن شریك ضعیف جدا۔	باسعادت بروز پیر دس رمضان المبارک کو ہوئی۔ **میں کہتا ہوں** اس میں مسیب بن شریک ہے جوانتہائی ضعیف ہے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ ماہ عـــہ حج کی بارہویں تاریخ ھکذا صححہ فی المدارج کماسیأتی (مدارج میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) **اقول:** (میں کہتاہوں۔ت) اس کی مؤید ہے حدیث ابن سعد وابن عساکر کہ زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا، رمی جمار کا عذر فرمایا، بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی، اور حمل اقدس مستقر ہوا، پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہمبستری کی؟ فرمایا ہاں، کہا کہ وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجئے کہ ان کے حمل میں افضل اہل زمین ہے۔

قال ابن سعد انا وھب بن جریر ابن حازم ثنا ابی سمعت ابایزید المدینی قال نبئت ان عبداللہ ابارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی امرأۃ من خثعم فرأت النور بین عینیہ نوراساطعا الی السماء فقالت ھل لك فیّ قال نعم حتّی ارمی الجمرۃ[2] الحدیث۔	ابن سعد نے کہا ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے میرے باپ نے بتایا کہ میں نے ابویزید مدینی کو کہتے ہوئے سنا مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور آسمان تک بلند دیکھا اور کہا کہ کیا آپ کو مجھ میں کوئی رغبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ میں جمرات کو رمی کرلوں، حدیث۔ (ت)

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸: ثانیہ دن کیا تھا؟

الجواب:

کہا گیا روز دوشنبہ ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم

عـــہ: اس کی تحقیق مسئلہ پنجم میں آتی ہے۔ ۱۲منہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹

[2] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر طہارۃ مولدہ وطیب اصلہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۲۸

فی مجمع البحار [1] (اس کو زبیر نے ذکر کیااور مجمع البحار میں اسی پر جزم فرمایا۔ت) اوراصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی،اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر وبرکت و کرامت و سعادت جو اس میں اُتری اس کے ہمسر نہ کبھی اُتری نہ قیامت تک اُترے،وہاں "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا" [2] (اس میں فرشتے اورروح الامین اترتے ہیں۔ت) یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کانزول اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔مدارج النبوۃ میں ہے:

استقرار نطفہ زکیّہ درایّام حج بر قول اصح دراوسط ایام تشریق شب جمعہ بود،وازیں جہت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعہ راافضل تر ازلیلۃ القدر داشتہ [3] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم	اصح قول کے مطابق نطفہ مطہرہ کااستقرار حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان جمعہ کی رات کو ہوا۔اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل سمجھتے ہیں الخ (ت)

مسئلہ ۲۱۹: ثالثہ مدت حمل شریف کس قدر تھی؟

الجواب:

دہ ۱۰ ونہ ۹ ہفت ۷ وشش ۶ ماہ سب کچھ کہا گیااور صحیح نو ۹ مہینے ہیں،

فی شرح الزرقانی للمواھب اختلف فی مدۃ الحمل بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل تسعۃ اشھر کاملۃ و بہ صدر مغلطائی قال فی الغرر وھو الصحیح [4] الخ و اللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	مواہب کی شرح زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدت حمل میں اختلاف ہے،چنانچہ کہا گیاکہ پورے نوماہ ہے۔مغلطائی نے اسی قول کو مقدم کیا۔غرر میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے الخ،اللہ تعالٰی درست بات کوخوب جانتاہےاوراسی کی طرف لوٹنا ہے۔(ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار بیان نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورہ ۵/ ۲۶۵

[2] القرآن الکریم ۹۷/ ۴

[3] مدارج النبوۃ باب اول نور مصطفی استقرار نطفہ زکیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ملتان ۲/ ۱۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ وآمنہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۶

مسئلہ ۲۲۰: رابعہ ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

الجواب:

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلامۃ ابن حجر فی افضل القری (علامہ ابن حجر نے افضل القری میں اس کی تصریح فرمائی۔ ت)

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں:

ذٰلك یوم ولدت فیه، رواہ مسلم [1] عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں اسی دن پیدا ہوا ہوں (اس کو امام مسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱: خامسہ کیا مہینہ تھا؟

الجواب:

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح ومشہور وقول جمہور ربیع الاول ہے، مدارج میں ہے:

مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود [2]۔	مشہور یہ ہے کہ ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔ (ت)

شرح الہمزیہ میں ہے:

الاصح فی شهر ربیع الاول [3]۔	اصح یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ت)

ربیع الاول، مواہب میں ہے: **وھو قول جمھور العلماء** [4] (اور وہ جمہور علماء کا قول ہے۔ ت) پھر کہا **فی شھر ربیع الاول علی الصحیح** [5] (صحیح قول کے مطابق ربیع الاول میں ہے۔ ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸

[2] مدارج النبوۃ باب اول ولادت آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴

[3] الفتوحات الاحمدیة بالمنح المحمدیة شرح الهمزیة قوله لیلة المولد جمالیه قاہرہ ص ۱۰

[4] المواہب اللدنیة المقصد الاول یوم الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۰

[5] المواہب اللدنیة المقصد الاول شهر الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

شرح زرقانی میں ہے:

قال ابن کثیر ھو المشھور عند الجمھور[1]۔	ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے (ت)

اسی میں ہے: وعلیہ العمل[2] (اور اسی پر عمل ہے۔ت) علماء نے باآنکہ اقوال مذکرہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی، مواہب میں ہے:

لم یکن فی المحرم ولافی رجب ولافی رمضان[3]۔	ولادت مبارکہ نہ تو محرم میں ہوئی اور نہ ہی رجب میں اور نہ رمضان میں۔ (ت)

شرح ام القرٰی میں ہے:

لم یکن فی الاشھر الحرم اورمضان[4]۔	حرمت والے مہینوں یا رمضان میں ولادت مبارکہ نہیں ہوئی (ت)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔ نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے:

اتفقوا علٰی انہ ولد یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول[5]۔	اس پر علماء متفق ہیں کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیر کے روز پیدا ہوئے۔ (ت)

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے، کماللزرقانی ثم عزاہ ایضًا لابن الجزار (جیسا کہ زرقانی کا قول ہے، پھر اس کو ابن جزار کی طرف منسوب کیا۔ت) پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماء واختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر، فقیر کہتا ہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل ماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گزرا کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں لکنی **اقول**: وباللہ التوفیق (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الاول یوم ولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

[4] شرح ام القرٰی

[5] نسیم الریاض فصل ومن ذٰلک ماظھر من الآیات عند مولدہ مرکز اہل سنت برکات رضا ۳/ ۲۷۵

تاخیر کرلیتے جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کرجاتا،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوۡنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ان کا مہینے پیچھے ہٹنا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا، اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہوجائیں جو اللہ تعالٰی نے حرام فرمائی (ت)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولٰی علی کرم اللہ وجھہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینا واقع ^{عہ} میں ذیقعدہ تھا سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا:

ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض الحدیث۔ رواہ الشیخان [2]۔	یعنی زمانہ دورہ کرکے اسی حالت پر آگیا جس پر روز تخلیق زمین وآسمان تھا اس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم نے روایت فرمایا ہے۔ ت)

عـــہ: اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق و مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے "وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۬ۙ وَرَسُوۡلُہٗ ؕ" [3] (اور منادی پکاردیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ت) فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا ایسا نہ فرماتا۔ اقول: وفیہ نظر بوجوہ فتامل منہ غفرلہ (میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے پس غور کرو۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ براءۃ باب قولہ ان عدۃ الشھور الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۲، صحیح مسلم کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳

اس دن سے نسی نسیًا منسیا ہوا اور یہی دورہ دوازدہ ماہہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔ **اقول:** اب مسئلہ ثالثہ وخامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولٰی کا جواب ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دور نسیئ اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینا ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ اور پہلا سال شوال، ولادت شریفہ رمضان ۱۱ اور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منظّم نہ تھی جب جیسی چاہتے کرلیتے، لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینا ان کے حسابوں اشہر حرم سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینا حلال کردے، وہ حلال کردیتا، اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرادیتا کما رواہ **ابناء جریر والمنذر ومردویہ[1] وابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (جیسا کہ اس کو جریر، منذر، مردویہ اور ابو حاتم کے بیٹوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

فائدہ: سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو۲، آٹھ۸، دس۱۰، بارہ۱۲، سترہ۱۷، اٹھارہ۱۸، بائیس۲۲، سات۷ قول ہیں مگر اشہر واکثر وماخوذ ومعتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں **کما فی المواہب[2] والمدارج** (جیسا کہ مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ت) اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں:

المشہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ[3]۔	مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (ت)

---

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۹/ ۳۷ ۴/ ۱۷۳

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الاول ۱/ ۱۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے:

هو المشهور عندالجمهور [1]۔	جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔(ت)

اسی میں ہے: هو الذی علیه العمل [2] (یہی وہ ہے جس پر عمل ہے۔ت) شرح الہمزیہ میں ہے: هو المشهور وعلیه العمل [3] (یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔ت) اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔

وان کان اکثر المحدثین والمؤرخین علی ثمان خلون وعلیه اجمع اهل الزیجات واختاره ابن حزم والحمیدی وروی عن ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی الله تعالٰی عنهم وبالاول صدر مغلطائی و اعتمده الذهبی فی تهذیب التهذیب تبعا للمزی و حکم المشهور بقیل وصحح الدمیاطی عشر اخلت **اقول**: وحاسبنا فوجد ناغرة المحرم الوسطیة عام ولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم الخمیس فکانت غرة شهر الولادة الکریمة الوسطیة یوم الاحد والهلالیة یوم الاثنین فکان یوم الاثنین الثامن من الشهر، ولذا اجمع	اگرچہ اکثر محدثین و مورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت با سعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی، اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ ابن حزم و حمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے۔ مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں اسی پر اعتماد کیا اور قیل کے ساتھ مشہور کا حکم لگایا اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہ ولادت کریمہ کا غرہ وسطیہ بروز اتوار اور غرہ ہلالیہ بروز پیر ہوا اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے۔ یہ وجہ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الہمزیۃ تحت قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

علیه اصحاب الزیج ومجرد ملاحظة الغرة الوسطیة یظهر استحالة سائر الاقوال ماخلا الطرفین والعلم بالحق عند مقلب الملوین۔	ہے کہ اہل زیجات کا اس پر اجماع ہے۔ محض غرّہ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کا محال ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور حق کا علم شب وروز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفطر یوم یفطر الناس والاضحٰی یوم یضحی الناس، رواہ الترمذی[1] عن امّ المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها بسند صحیح۔	عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عیدالاضحٰی اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں (اس کو امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون۔ رواہ ابوداؤد[2] والبیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح ورواہ الترمذی وحسنه فزاد فی اوله "الصوم یوم تصومون والفطر"[3] الحدیث وارسله الشافعی فی مسندہ والبیهقی فی سننه عن عطاء فزاد فی اٰخرہ "وعرفة یوم تعرفون"[4]"	تمہاری عیدالفطر اس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو اور تمہاری عیدالاضحٰی اس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحٰی سمجھو۔ اس کو ابوداؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن قرار دیا اور اس کے شروع میں یہ بڑھایا کہ روزہ کا دن وہی ہے جس کو تم سب روزے کا دن قرار دو اور عید الفطر کا دن وہ ہے (حدیث کے آخر تک)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اس کو بطور ارسال ذکر فرمایا۔

[1] جامع الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی الفطر والاضحی متی یکون امین کمپنی دہلی ۱/ ۹۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطأ القوم الهلال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۸

[3] جامع الترمذی ابواب الصیام باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۸

[4] السنن الکبرٰی کتاب الحج باب خطأ الناس یوم عرفه دار صادر بیروت ۵/ ۱۷۶

	بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ کیا کہ یوم عرفہ وہ ہے جس کو تم یوم عرفہ سمجھو۔(ت)

یعنی مسلمانوں کا روز عیدالفطر و عیدالاضحٰی روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے **وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری** (اگرچہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو اس کی نظیر قبلہ تحری ہے۔ت) لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلاوفق العمل ماعلیہ العمل (بہترین و مناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔ت) یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔ **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجوع والمآب۔**

مسئلہ ۲۲۲: سادسہ شمسی تاریخ کیا تھی؟

الجواب:

ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ترپین ۵۳ برس پہلے ہے، مرفوع ۶۰ سال ۵ نداک، مرفوع ۷ سال مرکا۔ ۵ لح اکہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا، سات پر تقسیم کئے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چارشنبہ تھا اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا، اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اس ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التاریخین ہماری تحقیق میں اح ح لط ہے ۵ لح ا۔ نرھ لح۔ محرم وصفر نط۔ ط ربیع الاول۔ نرنامو۔ ۵۰۰۵ سال ھ ح مط ررضر ۷۰ سال روراھ مارچہ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جداول سے ۵۷۱۔ ۳۳۶۔ ۲۳۵۔ ۲۸ باقی ۱۱ پس جدول رمیں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چارشنبہ پس بستم اپریل دوشنبہ، **وھو المطلوب واللہ تعالٰی اعلم۔**

فصل دوم

مسئلہ ۲۲۳: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وفات شریف حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قول مشہور و معتمد جمہور دوازدہم ربیع الاول شریف ہے، ابن سعد نے طبقات میں بطریق عمر بن علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کی:

قال مات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول[1]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات شریف روز دوشنبہ بارہویں تاریخ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔

شرح مواہب علامہ زرقانی آخر مقصد اول میں ہے:

الذی عند ابن اسحٰق والجمہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول[2]۔	امام ابن اسحاق اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال اقدس ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوا۔ (ت)

اسی میں آغاز مقصد دہم میں ہے:

قول الجمہور انہ توفی ثانی عشر ربیع الاول[3]۔	جمہور کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔ (ت)

خمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین نصف النہار لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ من الہجرۃ ضحٰی فی مثل الوقت الذی دخل فیہ المدینۃ[4]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ بروز پیر دوپہر کے وقت ہوا جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ (ت)

[1] الطبقات الکبرٰی ابن سعد ذکر کم مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد العاشرہ دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۵۰

[4] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس ذکر وقت موتہ علیہ السلام موسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۲

اسی میں امام ابو حاتم رازی وامام رزین عبدری وکتاب الوفاء امام ابن جوزی سے ہے:

مرض فی صفر لعشر بقین منه وتوفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول یوم الاثنین[1]۔	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیس صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاول پیر کے روز آپ کا وصال ہوا۔(ت)

کامل ابن اثیر جزری میں ہے:

کان موته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوا۔(ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

وصل بالحق فی نصف نهارہ لاثنی عشر من ربیع الاول وقیل لمستهله وقیل للیلتین خلتا منه والاول اکثر من الاخیرین[3]۔	آپ بارہ ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول یکم ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول دو ربیع الاول کا ہے مگر پہلا قول (۱۲ ربیع الاول) آخری دونوں سے اکثر ہے۔(ت)

اسعاف الراغبین فاضل محمد صبان میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بیت عائشۃ یوم الاثنین قبیل الزوال للیلتین مضتا من ربیع الاول وقیل لیلۃ مضت منه وقیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت منه وعلیه الجمهور[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دو ربیع الاول شریف بروز پیر زوال سے تھوڑی دیر پہلے وصال فرمایا۔ ایک قول میں یکم اور ایک قول میں بارہ ربیع الاول ہے اور جمہور اسی قول پر ہیں۔(ت)

---

[1] تاریخ الخمیس ابتداء مرضه علیه الصلوٰۃ والسلام مؤسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] الکامل فی التاریخ ابن اثیر ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۳۲۳

[3] مجمع بحار الانوار فصل فی السیر من سیرنا المختصر فی سبب قدوم الحبشه الخ مکتبه دار الایمان المدینۃ المنورہ ۵/ ۲۹۴

[4] اسعاف الراغبین

اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسب رؤیت مکہ معظّمہ ربیع الاول شریف کی تیرہویں تھی مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی لہٰذا ان کے حساب سے بارہویں ٹھہری وہی رواۃ نے اپنے حساب کی بناپر روایت کی اور مشہور ومقبول جمہور ہوئی، یہ حاصل تحقیق امام بارزی وامام عماد الدین بن کثیر وامام بدرالدین بن جماعہ وغیرھم اکابر محدثین ومحققین ہے،اس کے سوادو قول ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسٰی بن عقبۃ واللیث والخوارزمی وابن زبر [1] (اس کو موسٰی بن عقبہ،لیث،خوارزمی اورابن زبر نے ذکر کیا۔ت) دوسرادوم ربیع الاول شریف کہ دورافضیان کذاب ابو مخنف وکلبی کا قول ہے،

ففی الزرقانی بعد عزوالاول الٰی من ذکرنا وعندابی مخنف والکلبی فی ثانیه [2]۔	زرقانی میں یکم ربیع الاول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کے بعد جن کا ہم نے ذکر کیا ہے فرمایا کہ ابومخنف اور کلبی کے نزدیک دوربیع الاول کو وصال ہوا۔(ت)

یہ دونوں اقوال محض باطل ونامعتبر بلکہ سراسر محال ونامتصور ہیں،

وان میل الٰی کل نظرالی الحساب لامن حیث ان روایتها اثبت فی الباب وانما یقضی الحساب علی القولین بالبطلان والذهاب کما ستعرف بعون الملك الوهاب،ووقع فی الکامل حکایة ثالث حیث قال بعد ما اعتمد قول الجمهور کما نقلنا وقیل مات نصف النهار یوم الاثنین للیلتین بقیتا من ربیع الاول [3] **اقول:**وهو	ان دونوں قولوں میں سے ہرایک کامیلان نظرحساب کی طرف ہے،اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی روایت اس باب میں اثبت ہے،جبکہ حساب تو ان کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے جیساکہ عنقریب تواس کی مدد سے جان لے گا جو بہت عطافرمانے والا بادشاہ ہے۔کامل میں ایک تیسری حکایت واقع ہوئی ہے جہاں صاحب کامل نے جمہور کا معتمد قول جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھائیس ربیع الاول

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] الکامل فی التاریخ ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارصادر بیروت ۲/ ۳۲۳

وھم وکانہ شبہ علیہ خلتا بقیتا فان الحفاظ انما یذکرون ھٰھنا سوی المشھور قولین لاغیر۔	بروز پیر وصال فرمایا اقول: (میں کہتا ہوں) یہ وہم ہے گویا کہ قائل کو خَلَتَا کے بجائے بقیتا کا اشتباہ ہوا کیونکہ حفّاظ نے یہاں پر قول مشہور کے علاوہ فقط دو ہی قول ذکر کئے ہیں (ت)

تفصیل مقام وتوضیح مرام یہ ہے کہ وفات اقدس ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ میں واقع ہوئی، اس قدر ثابت ومستحکم ویقینی ہے جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ومواہب لدنیہ وشرح زرقانی میں ہے:

(ثم ان وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی یوم الاثنین) کما ثبت فی الصحیح عن انس ورواہ ابن سعد باسانیدہ عن عائشۃ وعلی وسعد وعروۃ وابن المسیب وابن شھاب وغیرھم (من ربیع الاول بلا خلاف) کما قال ابن عبدالبر بل کادیکون اجماعاً[1]۔ الخ	(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال پیر کے روز ہے) جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے۔ اس کو ابن سعد نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ سیدنا عائشہ صدیقہ، علی مرتضٰی، سعد، عروہ، ابن مسیب اور ابن شہاب وغیرہ سے روایت کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ربیع الاول میں وصال مبارک کے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ تقریباً اس پر اجماع ہے الخ (ت)

ادھر یہ بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روز پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع شریف بالاجماع روز جمعہ ہے،

وقد ثبت ذٰلك فی احادیث صحاح لامنازع لھا فلاحاجۃ بنا الی اطالۃ الکلام بسردھا۔	تحقیق یہ ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوچکا ہے جن کا کوئی مزاحم نہیں لہٰذا ہمیں اس کی تفصیل میں طویل کلام کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

اور جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹ روز پنجشنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ کسی طرح روز دوشنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لئے جائیں تو غرہ ربیع الاول روز

[1] المواہب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۱

چار شنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیرہویں، اور اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں، اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجئے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں، اور اگر ایک کامل دو ناقص مانئے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے پھر پیر کی آٹھویں پندرھویں، غرض بارہویں کسی حساب سے نہیں آتی، اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں، قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انہوں نے قول یکم اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔

فی المواہب بعد ذکرالقول المشہور (استشکلہ السھیلی وذٰلك انھم اتفقوا ان ذا الحجه کان اوله یوم الخمیس) للاجماع ان وقفة عرفة کانت الجمعة (فمھما فرضت الشھور الثلٰثة توام اونواقص اوبعضھا لم یصح) ان الثانی عشر من ربیع الاول یوم الاثنین (قال الحافظ ابن حجر وھو ظاھر لمن تامله وقد جزم سلیمٰن التیمی احد الثقات بان ابتداء مرضه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان یوم السبت الثانی و العشرین من صفر ومات یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول فعلی ھذا یکون صفر ناقصا ولایمکن ان یکون اول صفر السبت الا ان یکون ذوالحجه والمحرم ناقصین فیلزم منه نقص ثلٰثة	مواہب لدنیہ میں قول مشہور کے ذکر کے بعد ہے۔ سہیلی نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء ذوالحجہ کے جمعرات کو شروع ہونے پر متفق ہیں کیونکہ وقوف عرفہ بروز جمعہ ہونے پر اجماع ہے۔ تو اب اگر تینوں مہینے (ذوالحجہ، محرم، صفر) کامل (تیس تیس دن کے) فرض کئے جائیں یا تینوں ناقص (انتیس انتیس دن کے) فرض کئے جائیں یا بعض کامل اور بعض ناقص فرض کئے جائیں کسی صورت میں یہ صحیح نہ ہوگا کہ بارہ ربیع الاول شریف پیر کے دن ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اشکال اس شخص پر ظاہر ہے جو تامل کرے۔ سلیمان تیمی جو کہ ثقہ ہیں قطعی طور پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز بائیس صفر بروز ہفتہ ہوا اور آپ کا وصال دو ربیع الاول شریف کو ہوا، اس حساب سے ماہ صفر ناقص ہوگا اور جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں صفر کا آغاز ہفتہ کے روز ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح تین مسلسل مہینوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا جو کہ مسلسل

اشھر متوالیۃ)وھی غایۃ مایتوالی قال الحافظ واما من قال مات اول یوم من ربیع الاول فیکون اثنان ناقصین وواحد کاملا ولذا رجحه السھیلی(والمعتمد ماقاله ابو مخنف)الاخباری الشیعی قال فی المیزان وغیرہ کذاب تالف متروک،وقد وافقه ابن الکلبی (انه توفی ثانی ربیع الاول وکان سبب غلط غیرہ انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول فغیرت فصارت ثانی عشر واستمر الوھم بذٰلك یتبع بعضھم بعضا من غیرتامل[1] اھ)مختصرا۔مزیدا من الشرح **اقول**:و یظھر لمن تامل ھذا الکلام منشأ اختلاف نظر الامامین فی اللیل الی القولین فکان السھیلی نظر ان قول ابی مخنف لایتأتی الا ان تتوالی الاشھر الثلثۃ ذو الحجۃ ومحرم وصفر نواقص وھذا فی غایۃ الندرۃ	ناقص ہونے کی آخری حد ہے۔حافظ نے فرمایا جس شخص نے کہا ہے کہ آپ کاوصال یکم ربیع الاول کو ہے تو اس حساب سے دو مہینے ناقص اور ایک کامل ہوگا۔اسی لئے سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے۔اس باب میں ابومخنف مؤرخ شیعہ کا قول معتمد ہے۔میزان وغیرہ میں ہے کہ وہ کذاب،تالف اور متروک ہے۔ابن کلبی نے اس کی موافقت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ۲ربیع الاول کو ہوا۔ابومخنف کے غیر کی غلطی کاسبب یہ ہے کہ علماء نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کاوصال شہر(ربیع الاول)کی ثانی(دو)کو ہے،اس میں تغیر کردیا گیا تو یہ اس طرح ہوگیا کہ آپ کاوصال ربیع الاول کی ثانی عشر(بارہ ۱۲)کو ہے(یعنی لفظ شھر کی بجائے لفظ عشر ہو گیا)پھر یہ وہم چلتا رہا اور اس میں بعض علماء بعض کی بلاتامل پیروی کرتے رہے اھ اختصار شرح میں کچھ اضافے کے ساتھ ۔ **اقول**:(میں کہتاہوں)اس کلام میں تامل کرنے والے پر دونوں اماموں کے دو قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطہ نظر کے اختلاف کامنشاظاہر ہو جاتا ہے،سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کاقول تب ہی متحقق ہو سکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذو الحجہ،محرم اور صفر پے درپے ناقص ہوں اور یہ انتہائی نادر ہے

[1] المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۸۔۶۴۹،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰و۱۱۱

بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دو ناقص ہوتے ہیں اور یہ کثیر الوقوع ہے۔چنانچہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودیکہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوی ہے جبکہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھاکہ قول اول پر جمہور کے لئے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔چنانچہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لئے عذر کااظہار ہو زیادہ بہتراور زیادہ قوی ہے جیساکہ لفظ شہر کے لفظ عشر کے ساتھ تبدیل ہو جانے کاذکر گزر چکاہے۔(ت)	بخلاف القول الاول فان علیه یکون شهرا کاملا و شهران ناقصین وهذا کثیر فترجح ذٰلك فی نظره مع انه اشد ثبوت بالنسبة الی ذٰلك وکان الحافظ نظران علی القول الاول لایبقی للجمهور عذر فی الباب فالمیل الی مایکون فیه ابداء عذرلهم کما ذکر من وقوع تصحیف شهر بعشر احسن اوامتن۔

مگرامام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ اثنی عشر خلت سے بارہ دن گزرنا مراد ہے نہ کہ صرف بارہ راتیں، اورپرظاہر کہ بارہ ۱۲ دن گزرنا تیرہویں ہی تاریخ پر صادق آئے گااور دوشنبہ کی تیرہویں بے تکلف صحیح ہے جبکہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں کماعلمت،اورامام بارزی وامام ابن کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رؤیت شام چار شنبہ کو ہوئی پنجشنبہ کاغرہ اور جمعہ کاعرفہ مگرمدینہ طیبہ میں رؤیت دوسرے دن ہوئی توذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے توغرہ ربیع الاول پنجشنبہ اور بارہویں دوشنبہ آئی ذکرها الحافظ فی الفتح (اس کو حافظ نے فتح میں ذکر کیا۔ت)

اقول: مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے اگرچہ طول میں غربی اور عرض میں شمالی ہے،

لیکن قول ثانی ہراس شخص کے لئے ظاہر اور معروف ہے جوحج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہواجبکہ قول اول قول ثانی کی طرح زمانہ قدیم سے زیجات واطلس میں ثابت ومثبت ہے۔(ت)	اما الثانی فظاهر معروف لکل من حج وزار واما الاول فثابت مثبت کالثانی فی الزیجات والاطالس من قدیم الاعصار۔

اوران دونوں اختلافوں کواختلاف رؤیت میں دخل بیّن ہے کہ اختلاف طول سے بعد نیرین کم وبیش ہوتا ہے اوراختلاف عرض سے قمر کے ارتفاع مدار کے انتصاب اور بالائے افق

اس کی بقامیں تفاوت پڑتا ہے اور کثرت بعد و زیادت انتصاب مدار وارتفاع قمر وطول مکث سب معین رویت ہیں اور ان کی کمی مخل رؤیت، مگر بلدین کریمین کے طول وعرض میں چنداں تفاوت کثیر نہیں اور جو کچھ ہے یعنی طول میں دو ۲ درجے اور عرض میں تین درجے وہ مانحن فیہ میں ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ مکہ معظّمہ میں تو رؤیت ہو اور مدینہ طیبہ میں نہ ہو بلکہ اگر مقتضٰی ہوگا تو اس کے عکس کا کہ مقام جس قدر غربی تر ہو امکان رؤیت بیشتر ہوگا کہ دورہ معدّل میں مواضع غربیہ پر نیرین کا گزر مواضع شرقیہ کے بعد ہوتا ہے اور حرکت قمر توالی بروج بر غرب سے شرق کو ہے تو جب موضع شرقی میں فصل قمرین حد رؤیت پر ہو غربی میں اور زیادہ ہوگا کہ وہاں تک پہنچنے میں قمر نے قدرے اور حرکت شرق کو کی اور شمس سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا یوں ہی جب عرض مرئی قمر شمالی ہو جیسا کہ یہاں تھا تو عرض بلد کا شمالی تر ہونا موجب زیادت تعدیل الغروب زائد ہو کر زیادت بعد معدل وطول مکث قمر ہوگا مگر ہے یہ کہ موانع رؤیت حد انضباط سے خارج ہیں تو دفع استحالہ وتوجیہ مقالہ کے لئے احتمال کافی اور قواعد پر نظر کیجئے تو واقعی وہ دن مدینہ طیبہ میں رؤیت عادیہ کا نہ تھا سلخ ذی القعدہ وسطیہ روز چار شنبہ کو غروب شرعی شمس کے وقت افق کریم مدینہ منورہ میں مؤامرہ رؤیت کے مقدمات یہ تھے۔

ماجـ ے ا	تقویم شمس
مائح مد	تقویم مرئی قمر
حصح الب	عرض مرئی قمر شمالی
ط قہ	تعدیل الغروب
مالح الحہ	قمر معدّل
طصہ لولحہ	بُعد معدّل
ح صہ لحہ	بُعد سوا

پر ظاہر کہ جب بُعد معدّل وبعد سوا دونوں دس درجے سے کم ہیں تو یہ حالت حالت رؤیت نہیں قریب قریب اسی حالت کے مکہ معظّمہ میں تھی مگر ازانجا کہ وہ نو درجے یہ آٹھ درجے سے زائد ہے رؤیت پر حکم استحالہ بھی نہ تھا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکات بے نہایات کے حضور یہ کیا بات تھی کہ ایسے امکان غیر متوقع کی حالت میں فضل وقفہ جمعہ ملنے کے لئے بحکم الٰہی مکہ معظّمہ میں شام چار شنبہ کو رؤیت واقع ہو گئی افق مدینہ طیبہ میں حسب عادت معہودہ نہ ہوئی پھر روز رؤیت ایام حمل ثور

وجوزا خصوصًا ان بلاد گرم سیر میں گرد وغبار ہونا کوئی نامتوقع بات نہیں۔یہ تحقیق کلام علما ہے مگر امام عسقلانی نے ان توجیہوں پر قناعت نہ کی، پہلی پر مخالفت محاورہ سے اعتراض فرمایا کہ اہل زبان جب یہ لفظ بولتے ہیں بارہ" راتیں ہی گزرنا مراد لیتے ہیں، نہ بارہ دن کہ یہ تیرہویں پر صادق ہو اور اول ودوم دونوں میں یہ استبعاد بتایا کہ چار مہینے متواتر تیس دن کے ہوئے جاتے ہیں۔

فی المواھب عن الفتح ھذا الجواب بعید من حیث انہ یلزم منہ توالی اربعۃ اشھر کوامل[1]۔	مواہب میں فتح سے منقول ہے کہ یہ جواب اس لئے بعید ہے کہ اس سے چار مہینوں کا پے درپے کامل ہونا لازم آتا ہے۔(ت)

اقول: اگر ندرت مقصود تو الزام مفقود کہ دفع استحالہ کو احتمال کافی، خود امام عسقلانی نے جو قول اختیار فرمایا اس پر تین مہینے متوالی ناقص آتے ہیں یہ کیا نادر نہیں، اور اگر امتناع مراد تو ظاہر الفساد تین سے زیادہ متواتر ۲۹ کے مہینے نہیں ہوتے تیس کے چار تک آتے ہیں ہاں پانچ نہیں ہوتے۔ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیرازی وزیج الغ بیگی میں ہے:

واللفظ لہ "اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رؤیت ہلال گیرند وآں ہر گزاز سی روز زیادہ نباشد واز بست ونہ روز کمتر نے وتا چہار ماہ متوالی سی سی آید وزیادہ نے وتا سہ ماہ متوالی بست ونہ بست ونہ آید وزیادہ نے۔[2]	اور لفظ اس کے ہیں۔اہل شرع اس تاریخ کے مہینوں کو چاند کی رؤیت سے لیتے ہیں اور وہ ہر گز تیس دن سے زائد اور انتیس سے کم نہیں ہوتے اور چار ماہ تک متواتر تیس تیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں، اور تین ماہ تک متواتر انتیس انتیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ت) قول جمہور سے قول مہجور کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لئے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لئے توجیہ وجیہ موجود ہے نہ کہ جب وہ اقوال مہجور ودلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔اوپر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب ہے کہ پیر کا دن

---

[1] المواھب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹

[2] زیج الغ بیگ

یقینی تھا اور وہ بارہویں پر منطبق نہیں آتا پہلی دوسری پر آسکتا ہے مگر حساب ہی شاہد عدل ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یا دوسری پیر کو ہونا باطل و محال ہے، فقیر اس پر دو حجت قاطعہ رکھتا ہے۔

دلیل اوّل: غرہ وسطیہ کہ علماء زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیرّین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رؤیت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے تو غرہ ہلالیہ کبھی غرہ وسطیہ سے مقدم نہ آئے گا وانما غایۃ التساوی (اس کی غایت تو محض تساوی ہے) اور اجتماع ورؤیت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دو برج طے کر جائے لہٰذا تقدم وسطیہ کی نہایت ایک دو دن ہے وبس، **کل ذٰلك ظاھر من له اشتغال بالفن** (یہ سب ظاہر ہے اس شخص کے لئے جو فن کے ساتھ مشغولیت رکھتا ہے۔ت) اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ھ ہجریہ میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کا غرہ وسطیہ روز سہ شنبہ تھا تو غرہ ہلالیہ یک شنبہ یا دو شنبہ کیونکر متصور کہ اگر یہ سہ شنبہ متاخر ہے تو ہلالیہ کا وسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر مقدم ہے تو اجتماع سے چار پانچ روز تک رؤیت نہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے اور دونوں باطل ہیں،

وبعین الدلیل یستحیل ماتقدم عن سلیمٰن التیمی من کون غرۃ صفر یوم السبت فان غرته الوسطیة یوم الاثنین فکیف یمکن ان تتقدمھا الھلالیة بیومین او تتاخر عنھا بخمسة ایام وبه یظھر استحالة ما اعتمدہ الحافظ بوجه اٰخر فان مبناہ انما کان علی ھذا کما علمت۔	اور اسی دلیل سے سلیمان تیمی کے اس قول کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزر چکا یعنی ماہ صفر کا آغاز بروز ہفتہ ہوا اس لئے کہ جب اس کا غرہ وسطیہ بروز پیر ہے تو غرہ ہلالیہ کا اس پر دو دن مقدم ہونا یا اس سے پانچ دن مؤخر ہونا کیسے ممکن ہے اور اسی سے حافظ کے قول معتمد کا محال ہونا ایک اور وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی اسی دلیل پر ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔(ت)

دلیل دوم: فقیر نے شام دو شنبہ ۲۹ صفر وسطے ۱۱ھ کے لئے افق کریم مدینہ طیبہ میں نیرّین کی تقویمات استخراج کیں اور حساب صحیح معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قمرین حد رؤیت معتادہ پر نہ تھا آفتاب جوزا کے ۶ درجے سترہ دقیقے باون ثانیے پر تھا اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ درجے ستائیس دقیقے اکتیس ثانیے، فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے

۳۹ ثانیے تھا، اور حسب قول متعارف اہل عمل رؤیت کے لئے کم سے کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہئے۔ حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ البرجندی میں ہے:

المذکور فی الکتب المشھورۃ انہ ینبغی ان یکون البعد بین تقویمی النیرین اکثر من عشرۃ اجزاء وقیل ینبغی ان یکون مابین مغاربیھا عشرۃ اجزاء او اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعۃ او اکثر والمشھور فی ھذا الزمان بین اھل العمل انہ ینبغی ان یتحقق الشرطان حتی تمکن الرؤیۃ ویسمون البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل[1]۔	مشہور کتابوں میں مذکور ہے کہ نیرّین (شمس وقمر) کی تقویموں کے درمیان دس درجے سے زائد فاصلہ نہ چاہئے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کی مغربوں کے درمیان دس درجے یا اس سے زائد فاصل ہونا چاہئے یہاں تک کہ چاند غروب آفتاب کے بعد دو تہائی ساعت یا اس سے زائد مقدار پر زمین سے اوپر ہو۔ اور اس زمانہ میں اہل عمل کے درمیان مشہور یہ ہے کہ دونوں شرطیں متحقق ہونی چاہئیں تاکہ رؤیت ممکن ہو۔ بعد اول کا نام بعد سواء اور بعد ثانی کا نام بعد معدل رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح زیج سلطانی میں ہے:

باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یا زیادہ وبعد میان دو تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تاہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان ایں ست[2]۔	بُعد معدل دس درجے یا اس سے زائد ہونا چاہئے اور ان کی دو تقویموں کے درمیان بُعد دس سے زائد ہوگا۔ جب تک دونوں شرطیں موجود نہ ہوں چاند دکھائی نہیں دے گا۔ اس زمانہ میں یہی متعارف ہے۔ (ت)

---
[1] حاشیۃ شرح چغمینی
[2] شرح زیج سلطانی

جزئیاتِ مو امرہ کی جدول یہ ہے

وتم	وقت غروب شرعی بعد نصف النہار وسطے زیجی
ج وسرنب	تقویم حقیقی شمس بوقت مذکور
ج لوے الب	تقویم حقیقی قمر بوقت مذکور
حج سم	عرض حقیقی قمر شمالی
مت قه نا	اختلاف منظر قمر طولی جدولی
الح قرح	اختلاف منظر قمر عرضی جدولی
ج به الرلا	تقویم مرئی قمر ....
جج محلب	عرض مرئی قمر شمالی
اجر	تعدیل الغروب ....
ج سولدلا	قمر معدل ....
زندجه لح	مطالع نظیر جزء الشمس ....
زسوح لود	مطالع نظیر جزء القمر المعدل ....
ماحمه لح	بعد معدل ....
طاح ط لط	بعد سوائے..........
غیر متوقع	حکم رویت ہلال ....

جب شب سہ شنبہ تک نیریّن کا یہ حال تھا کہ وقوع رؤیت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا تو اس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ کو قطعًا کئی درجے اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلٰی مستحب وقت تھا جب چاند حجلہ نشین مغرب ہو چکا پھر رات کو رؤیت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی۔ غرض دلائل ساطعہ سے ثابت ہے کہ اس ماہ مبارک کی پہلی یا دوسری دوشنبہ کی ہر گز نہ تھی اور روز وفات اقدس یقینا دوشنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعًا باطل ہیں اور حق وصواب وہی قول جمہور بمعنی مذکور ہے یعنی واقع میں تیر ہویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بار ہویں کہ بحساب شمسی نہم

جزیران ۹۴۳ رومی نو سو تینتالیس رومی اسکندر رانی ہشتم عـــہ جون ۶۳۲ چھ سو بتّیس عیسوی تھی۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴: از فیروزپور محلّہ پیراں والا مسئولہ غیاث اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن علی مذہب النعمان ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

مشہور ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بارہویں ربیع الاول [1] کو ہوئی ہے چنانچہ تواریخ حبیب الٰہ اور مولود برزنجی میں یہی لکھا ہے اور اذاقۃ الآثام کے ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ:

"مولٰینا رفیع الدین خاں مرادآبادی اپنے سفر کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ بارہویں تاریخ ربیع الاول کو حرمین شریفین میں یہ محفل منعقد ہوتی ہے" [2]

مگر زید کہتا ہے کہ دراصل پیدائش کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے اور سال فیل کے حساب کرنے سے ۹ تاریخ ربیع الاول کی آتی ہے اس لئے ۱۲ ربیع الاول جو روز وفات ہے عید میلاد کرنی ممنوع ہے اور ایک کتاب رحمۃ للعالمین ایک شخص نے پٹیالہ میں حال میں لکھی ہے اس میں بھی ۹ تاریخ ولادت بحساب سال فیل تحریر کیا ہے اور شبلی نعمانی نے بھی اپنی سوانح میں ایسا درج کیا ہے تو اب ان میں صحیح اور معتبر کون سی تاریخ ہے؟ اور اگر دراصل ۹ تاریخ ولادت تو کیا عید میلاد ۹ کو کی جایا کرے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لئے وقعت عظیم ہے اور مشہور عندالجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علم ہیأت و زیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔تعامل مسلمین حرمین شریفین و

عـــہ: یعنی اس وقت جو شمار رائج تھا اس کے حساب سے ۸ جون اور اصلی حساب سے ۱۲ تھی زیج بہادر خانی سے بستم جون آتی ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقات سال مسیحی میں واضح کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] عقد الجوھر فی مولد النبی الازھر جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۳۱

[2] اذاقۃ الاثام

مصروشام بلاد اسلام وہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے،،اور روزولادت شریف اگر آٹھ یا بفرض غلط نو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عید میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے وہ وجہ کہ اس شخص نے بیان کی خود جہالت ہے،اگر مشہور کا اعتبار کرتا ہے تو ولادت شریف اور وفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے ہمیں شریعت نے نعمت الٰہی کا چرچا کرنے اور غم پر صبر کرنے کا حکم دیا،لہٰذا اس تاریخ کو روز ماتم وفات نہ کیا روز سرور ولادت شریفہ کیا **کما فی مجمع البحار الانوار** (جیسا کہ مجمع البحار الانوار میں ہے۔ت) اور اگر ہیأت وزیج کا حساب لیتا ہے تو تاریخ وفات شریف بھی بارہ نہیں بلکہ تیرہ ربیع الاول **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) بہر حال معترض کا اعتراض بے معنی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۵: مرسلہ جناب قاضی ارشاد علی صاحب از بیلپور ضلع پیلی بھیت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ استن حنانہ یعنی وہ چوب خشک جس سے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اور جس کا قصہ مولانا روم رحمہ اللہ تعالٰی نے مثنوی شریف میں تحریر فرمایا ہے،کیا اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی؟

الجواب:

نماز جنازہ پڑھنا غلط ہے اور منبر شریف کے نیچے دفن کرنا ایک روایت میں آیا ہے،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: از پورسہ پوسٹ آفس نیت پور ضلع دیناج پور مرسلہ محمد حافظ علی صاحب،ام ام رجسترار پورسہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

شخصے می گوید کہ سوائے قصہ ابن الصیاد رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با دجال ملاقات کردہ بودند ودجال بر صورت خود کہ بوقت خروج باشدہ بود وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ممانعت آنحضرت گوش نہ کردہ برآں دجال تلوار زدہ بودند اما بر دجال نہ افتادہ بر پیشانی مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ او فتادہ بود بنا برآں ازآں	ایک شخص کہتا ہے کہ ابن صیاد کے قصہ کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دجال کے ساتھ ملاقات کی جبکہ دجال اپنی اصلی صورت پر تھا جیسا کہ خروج کے وقت وہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ممانعت پر کان نہ دھرتے ہوئے دجال کو تلوار ماردی جو اس کو نہ لگی بلکہ خود حضرت عمر

پیشانی مبارک بے انتہا خون جاری شدہ بود وہم برآں نشانے باقی ماندہ ایں روایتش صحیحہ است یا غلط؟	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مبارک پیشانی پر جالگی جس سے بہت زیادہ خون جاری ہوا اور پیشانی پر زخم کانشان باقی رہا، کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

ایں کذب وافترائے محض ست ماناکہ از مختلقات اہل رفض ست "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ خالص جھوٹ اورافتراء ہے۔یقینا رافضیوں کی من گھڑت روایتوں میں سے ہے۔اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: از شہر محلّہ قلعہ مرسلہ حامد حسین خاں مؤرخہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

مخدومی مکرمی محتشمی دامت برکاتہ سلام علیکم۔جناب مہربانہ توجہ مبذول فرماکر تحریر فرمائیں کہ مفتیان ذیل کس مذہب وملت واعتقاد کے لوگ ہیں اور ان کے افعال واقوال کس درجہ تک قابل تسلیم ہیں؟ خادم نوازی سے ممنون ہوں گا۔اور یہ ان کی کتب مندرجہ ذیل بطور استدلال ہیں کس پایہ کی سمجھی جاتی ہیں؟ زیادہ والسلام،علامہ طبرانی،صاحب عقدالفرید،صاحب خلل ایام فی الخلفاء الاسلام۔

الجواب:

وعلیکم السلام،محمد بن جریر طبرانی دو گزرے ہیں: ایک مفسر، محدث، سنی،شافعی المذہب،ان کی تاریخ کبیر کمیاب ونادر الوجود ہے۔دوسرا رافضی مصنف مطاعن صحابہ وایضاح المسترشد۔اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اس کے اقوال کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں،پھر تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدار عقیدہ نہیں ہوسکتی،مورخ رطب،یابس،مسند،مرسل،مقطوع، معضل سب کچھ بھردیتے ہیں۔ایک عقدالفرید تودر بارہ تقلید علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تالیف ہے یہ گیارہویں صدی کے ایک متاخر سنی عالم فقیہ حنفی ہیں،فقہ حنفی میں نورالایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح وغیرہ بہت کتب و رسائل ان کی تصنیف ہیں،عقدالفرید میں ان کی رائے نہ محققین کو قبول نہ خود ان کی معمول۔دوسرا رسالہ اس نام کا شیخ عطاء الدین علی سمہودی کا اس باب میں ہے،تیسرا انساب،چوتھا علم تجوید،پانچواں کلام،چھٹا اخلاق ہیں۔صاحب کشف الظنون نے اور ذکر کئے جن کے نام اس کتاب میں

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

دیکھے جاتے ہیں وبس۔ خلل ایام کسی کتاب کانام بھی سننے میں نہ آیا، نہ کشف الظنون میں کوئی کتاب اس نام کی لکھی شاید حال کے کسی شخص کی ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۲۲۸: از ضلع سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان میں باستثنائے جناب امام علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن وحضرت امام حسین وحضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارۃً یاصراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہئے ان کے عقائد واحکام واعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یاسب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یامقلد؟ بعض اعمال وجفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہوسکتی ہے اہلسنّت کی کتابوں میں ان کے حالات کم لکھنے کی کیاوجہ ہے؟

الجواب:

امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کاذکر فرمایاکہ ان سے ہمارا سلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان کی غایت تکریم کی اور کہا: **رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلّم علیک**[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور **اخرج منکما الکثیر الطیب**[2] (اللہ تعالٰی تم دونوں کو کثیر پاکیزہ اولاد عطافرمائے) میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدٰی فی الدین ہونے کے ہے تو بلاشبہہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدٰی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دووزیر ہوتے ہیں عبدالملک و عبدالرب، انہیں امامین کہتے ہیں، تو بلاشبہہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے۔ اور اگر امامت بمعنی خلافت عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا امام حسن مجتبٰی کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۶۹۰۱ محمد بن علی بن حسین داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۷/ ۲۱۶،۲۱۵

[2] تنزیہ الشریعۃ باب فی مناقب السبطین وامہما وآل البیت دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۱۱

وہ خاصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" [1] (میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" [2] (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ ت) ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا: "وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا" [3] (اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ ت) مگر اطیعوا الرسول کے مرتبے تک نہیں ہوسکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت و بے دینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک تو بلاشبہہ یہ حضرات مجتہدین و ائمہ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالبًا مجتہد ہوں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

یہ نظر بظاہر ہے ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبرٰی تک واصل تھے، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائے گا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب و یابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب، نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہ افضلیت ہے نہ اس کی قلّت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم و امام شافعی سے ایک بھی نہیں، اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذ و نادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت ارفع واعلٰی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں رُبع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تھے ان سے جتنی روایات صحاح میں ملیں گے صدیق و فاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط و افتراء ہے کہ ان کے احوال اہلسنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہلسنّت کی جتنی کتابیں بیان حالات اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبان خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۷۳

خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۹: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب قادری برکاتی رضوی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت مولائے مسلمین امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نجف اشرف میں قبر شریف کے اندر پردہ پوش ہیں یا آنجناب رضی اللہ تعالٰی عنہ مدفون نہیں ہوئے اور نجف شریف میں آپ کی قبر شریف نہیں ہے؟ بر تقدیر ثانی حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیت سے نجف اشرف جانا کیسا ہے؟ شیر خدا رضی اللہ تعالٰی عنہ کہاں آرام فرماتے ہیں؟

الجواب:

روایات مختلف ہیں، یہ بھی روایت آئی کہ نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی غرض سے ایک بغلہ پر رکھ کر چلے اور وہ چھوٹا اور غائب ہوگیا اور منع زیارت کے لئے عدم مزار کا یقین چاہئے اور جواز زیارت کے لئے ایک روایت واحتمال کافی ہے اور یہ لوگ اللہ کے نور ہیں انہیں جہاں سے پکاروگے فیض پہنچائیں گے۔ حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وعلٰی بعلہا وابنیہا وبارک وسلم کے مزار اطہر میں بھی دو ۲ روایتیں ہیں، بقیع شریف میں اور خاص جوار روضہ اقدس میں۔ ایک صاحب دل نے مدینہ طیبہ کے ایک عالم سے کہا میں دونوں جگہ حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہوں انوار پاتا ہوں۔ فرمایا: یہ کریم ذاتیں جگہ کی پابند نہیں تمہاری توجہ چاہئے پھر نور باری ان کا کام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۰: از ضلع خاندیش بیچھم بھاگ تعلقہ ڈاک خانہ لگر مند اسوستان کاٹھی مقام علا کوا مرسلہ محمد اسمٰعیل ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت پیران پیر دستگیر کے گیارہ نام کیا کیا ہیں؟

الجواب:

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسماء شریفہ یہ ہیں: سید محی الدین سلطان، محی الدین قطب، محی الدین خواجہ، محی الدین مخدوم، محی الدین ولی، محی الدین بادشاہ، محی الدین شیخ، محی الدین مولٰنا، محی الدین غوث، محی الدین خلیل، محی الدین، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱: از مقام کاٹھیاواڑ، ترسالی احمد داد صاحب یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ "حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب ضعیف ہواجاتا ہے لہٰذا تم میرے مذہب میں آجاؤ میرے مذہب میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ہوجائے گی، اس لئے حضرت غوث پاک حنفی سے حنبلی ہوگئے۔

الجواب:

یہ روایت صحیح نہیں، حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتوٰی دیا کہ حضور محی الدین اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۲: از حیدرآباد قریب ڈیوڑھی نواب نصرت جنگ بہادر مرسلہ سید غلام فضل بیابانی قاضی درنگل یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی تھی یا نہیں؟ مولانا کی تحقیقات میں جو بات ثابت ہو اس سے بھی بحوالہ کتب حسن ایما ہو۔

الجواب:

حضرت سید احمد کبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی نہ تھی حضرت کے بھانجے تھے، وفیات الاعیان میں ہے: **لم یکن لہ عقب**[1] (آپ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ت) قلائد الجواہر میں ہے:

قال العلامۃ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی سیدی الشیخ الکبیر محی الدین سلطان العارفین ابو العباس احمد بن الرفاعی لم یبلغنا انہ اعقب کما جزم بہ غیر واحد من الائمۃ المرضیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ ہمارے سردار، شیخ کبیر، محی الدین، سلطان العارفین، ابوالعباس احمد بن رفاعی علیہ الرحمہ نے کوئی اولاد چھوڑی ہو، جیسا کہ متعدد پسندیدہ ائمہ نے اس پر جزم فرمایا ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

[1] وفیات الاعیان ترجمہ ابو العباس احمد بن علی المعروف بابن الرفاعی ۲۰ دار الثقافۃ بیروت ۱/۱۷۲

[2] قلائد الجواھر فی مناقب عبدالقادر

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ غلام رسول ۱۱ شوال محلّہ بہاری پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کیونکہ اس وقت تمام مخالفین موجود تھے وہ ہی راوی ہوں گے لہٰذا کوئی ثقہ نہ پایاگیااور نیزاصحاب رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین موجود نہ تھے بالفرض مان لیاجائے کہ موجود تھے تواپنی اپنی جگہ،لہٰذاان کو خبر ملے توان مخالفین سے اس وجہ سے یہ بھی ضعیف ہوگی۔اور بکر کہتاہے کہ ایسے مواقع میں خبر صحیح ہوسکتی ہے۔زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھے اور حرم محترم بھی موجود تھے اور موافقین تھے لہٰذا روایتیں صحیح ہوسکتی ہیں ان دونوں سے کون حق پر ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بکر حق پر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۴۱: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی پرگنہ اجاؤں ضلع بریلوی مرسلہ امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتاہے کہ میں اولاد سید بدیع الدین صاحب عرف شاہ مدار کے ہوں اوران ہی سے ہمیں خلافت بھی ہے۔عمرو نے اس پر جواب دیا کہ سید بدیع الدین صاحب نے نہ شادی کی نہ ان کی اولاد ہوئی پھر تم کہاں سے پیداہوئے اور تمہیں خلافت کس نے دی۔زید نے اس پر جواب دیا کہ نہیں سیّد بدیع الدین صاحب نے دو خلیفہ کئے ہم انہیں کی اولاد میں ہیں اورانہیں سے خلافت چل رہی ہے۔

(۲) زید کہتاہے کہ ہم مدار صاحب کے بھتیجوں کی اولاد میں ہیں۔

(۳) زید کہتاہے کہ سید مدار صاحب نے ایک نقش لکھ کرایک عورت کو دکھایا کہ جس کے دیکھنے سے وہ حاملہ ہوگئی اوراس سے جواولاد پیداہوئی ہم اس کی اولاد میں ہیں یہاں تک کہ ایک گاؤں اس کی اولاد سے آباد ہے۔

(۴) زید کامرید مع زید یہ بات کہتاہے کہ جب ہماری خلافت ثابت نہیں توآج تک کسی عالم نے کیوں نہیں منع کیا۔

(۵) یہ کہ اب علماء فرمائیں کہ سید مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ کیا یانہیں یاشادی کی یا نہیں

یا کوئی بھتیجا ہمراہ آیا تھا یا نہیں، اور اگر کسی کو خلیفہ کیا تواس کی اولاد ہوئی یا نہیں اور وہ خلیفہ کہاں گئے اور کیا ہوئے؟

(۶) سید مدار صاحب کا وصال مکن پور ہوا یا کہیں اور؟ اور وہ خلیفہ کہاں مدفون ہیں؟

(۷) یہ کہ وہ خلیفہ ہندوستان میں گئے یا عرب میں یا کہاں؟

(۸) یہ کہ وہ خلیفہ سید مدار صاحب سے پہلے رحلت کر گئے یا بعد کو؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے اصل وبے سروپا باتیں ہیں جن کا کہیں پتا نہیں، سبع سنابل شریف میں ہے: حضرت مدار صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے: خلافت نہ کسے دادہ ام نخواہم داد[1]۔ میں نے خلافت نہ کسی کو دی ہے نہ آگے دوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: از موصل تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

سورہ فاتحہ کا شان نزول کہیں نہیں ملتا، شان نزول بیان فرمائیں۔

الجواب:

سورۂ فاتحہ رحمت الٰہی ہے، دعاوثنا ہے کہ رب عزوجل نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی، کسی خاص واقع کے لئے اس کا نزول نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۳: حافظ نجم الدین صاحب نجم چترھائی نیب ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیات: "**اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌؕ**"[2]

"**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ**"[3] کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اور ان کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب:

یہ خطاب عام ہے خاص اشخاص اس سے مراد نہیں، سب مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ

---

[1] سبع سنابل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۹

تمہارے مال واولاد آزمائش ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سبب یاد الٰہی سے تم غافل ہوجاؤ اور جو ایسا کرے گا وہ نقصان پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از شہر گیا محلّہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین احمد اللہ خاں ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خضر علیہ السلام مالک بری ہیں یا بحری؟ اور ادریس علیہ السلام اب کہاں ہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مالک بحر وبر ہر خشک وتر اللہ عزوجل ہے اور اس کی عطا سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضور کی نیابت سے خضر علیہ السلام کے تصرفات خشکی ودریا دونوں میں ہیں۔ ادریس علیہ السلام آسمان پر ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝"[1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۵: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کردیجئے، تب ان بزرگ کامل نے کہا "تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلو اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا" درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا، اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہہ یا جنید یا جنید کہہ، تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور بزرگ کامل کے لئے کیا حکم ہے اور آدمی کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا، اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا، اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا خصوصًا حیات دنیاوی میں خصوصًا جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے حکم پوچھنا کمال بے ادبی وگستاخی ودریدہ دہنی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۷

مسئلہ ۲۴۶: از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب فیض درجت خدام ذوی الاحتشام حضرت نعمان الزمان مولانا و بالفضل اولٰینا مولوی احمد رضاخاں صاحب دامت شموس افاداتہ بازغہ معروض باد۔ معراج میں ایک قطار اونٹوں کی کہ ہر ایک پر دو صندوق، ہر صندوق میں انڈے بھرے، ہر انڈے میں ایک عالم مثل اس عالم کے، اس قطار کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رواں ہی دیکھا ابتداء انتہا نہیں دیکھی، حضرت کی درخواست پر منظور ہو کر اجازت دی اور انڈا کھولا گیا، حضرت ایک شہر کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ حضرت خاتم النبیین کا ذکر فرماتے تھے واعظ نے یہ بھی کہا کہ حضرت اس جہاں میں ایک بار تشریف لائیں گے، سر اٹھا کر دیکھا اور قدمبوسی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم تو بے شمار مگر خاتم ایک ہی ہے۔ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

روایت بعض کتب[1] تصوّف میں ہے، حدیث میں اس کی کچھ اصل نہیں، اور ہو تو وہ عالم مثال کی تصویریں ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں، ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۷: از وزیر آباد محلّہ لکڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ مسئولہ نظام الدین عثمانی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سید نہیں اور نہ حسن مثنّٰی کی اولاد میں ہیں۔ مہربانی فرما کر کتب معتبرہ شیعہ و سنی سے نقل عبارت مع صفحہ و نام کتاب تحریر فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یقیناً قطعاً اجل سادات کرام سے ہیں، حضور کی سیادت متواتر ہے، حضرت سیدی امام اوحد ابوالحسن لخمی قدس سرہ کی بہجۃ الاسرار شریف

---

[1] رہبر حق ص ۴۰

[2] القرآن الکریم ۱۵/ ۲۱

اور امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی کی اسنی المفاخر وعلامہ علی قاری کی نزہۃ النواظر اور مولینا نورالدین جامی کی نفحات الانس اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی زبدۃ الآثار وغیرہم اجلہ اکابر کی معتمدات اسفار ملاحظہ ہوں۔ فقیر بوجہ علالت تبدیل ہوا کے لئے پہاڑ پر آیا ہوا ہے ورنہ کتابوں کے حوالے اور صفحات کے نشان لکھتا۔ رافضیوں کی کتابیں میرے کتب خانہ میں نہیں، نہ مسلمانوں کو ان کی بات پر کان رکھنا جائز، میں رسالہ ردالرفضہ میں کتب معتمدہ کثیرہ ودلائل قاطعہ منیرہ سے ثابت کرچکا ہوں کہ روافض زمانہ سب کفار مرتدین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[1]۔	ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈالدیں۔ (ت)

رافضیوں کے یہاں تو معیار سیادت رفض ہے، سنی کیسا ہو جلیل القدر سید ہو اسے ہرگز سید نہ مانیں گے اور کوئی کیسا ہی رذیل ذلیل قوم کا آج رافضی ہو جائے کل سے میر صاحب ہے "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] (اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

رسالہ
جمع القراٰن وبِمَ عزوہ لعثمان ۱۳۲۲ھ
(قرآن کو جمع کرنا اور اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کرتے ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۲۴۸: از شہر کہنہ بریلی ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا تھا یاان سے پہلے بھی کسی نے جمع کیا؟ اور یہ جو سنا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا، اور ان کا جمع کیا ہوا مدفون کردیا گیا، یہ سچ ہے یا غلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات و تکمیل و تفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں بامر الٰہی حسب بیان جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاد و تعلیم حضور سید المرسلین واقع ہوئی تھی، مگر قرآن عظیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے

سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دنبے کی پوستوں، شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا ایک جگہ سارا قرآن عظیم مجموع نہ تھا۔ جب جنگ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذاب ملعون مدعی نبوت سے زمانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی صدہا صحابہ کرام حفاظ قرآن نے شہادت پائی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دل الہام منزل میں حق جل وعلا نے القاء کیا کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے۔ یونہی جہادوں میں حفّاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآن عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کرلی جائیں۔ خلیفہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالٰی سارا قرآن عظیم یکجا ہوگیا، ہر سورت ایک جدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیات صدیقی حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم کے پاس رہے۔ عرب میں ہر قوم و قبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرف تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث:

لیس من امبر الصیام فی امسفر [1]۔	سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (ت)

وارد ہے علامات مضارع حروف "اتین" کو کوئی مفتوح پڑھاتا تھا کوئی مکسور، ماشبہہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع، اِنَّ و اَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے (م) کو (ب)، تاء رحمۃ ونحوہا کوئی حالت وقفی میں کوئی (ہ) کہتا کوئی (ت) منصوب منوّن پر، کوئی الف سے وقف کرتا کوئی صرف سکون سے، بعض مرفوع و مجرور پر بھی واو ویا سے وقف کرتے۔ بعض قومیں حروف مدہ حرکات موافقہ پر قناعت کرتیں اَعُوْذُ کو اَعُذُ، تَعَالٰی کو تَعَالَ وغیر ذلک کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوت لہجہ وطرز ادا تھے، قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اُترا تھا کہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قریشی تھے ؎

گلبن تو کہ زگلزار قریشی گل کرد   زان سبب آمدہ قرآن بزبان قرشی

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الصیام باب الصیام فی السفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸۵

(آپ کا شجرہ گلاب چونکہ قریش کے باغ سے ظاہر ہوا، اسی سبب سے قرآن مجید قریش کی لغت پر آیا۔ت)
زمانہ اقدس حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآن عظیم نیانیااُترا تھااور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ قدیمی عادات کادفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأت قرآن عظیم کرے، زمانہ نبوت کے بعد شدہ شدہ اقوام مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا جس لہجہ ولغت میں پڑھتے ہیں اس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یہاں تک کہ زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدل وزدوکوب کی نوبت پہنچی یہ کہتا تھا قرآن اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ اس دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعوی کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمان غنی کو پہنچی فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہوا تو آئندہ کیا امید ہے۔ لہٰذا حسب مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم یہ اقرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب و لہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغت قریش پر جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے بازرکھنا چاہئے، صحیفہائے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ حضرت ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس محفوظ ہیں منگا کر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کریں اور وہ مصاحف بلاد اسلام میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرز ادا کے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفع فتنہ کے لئے تلف کردیئے جائیں، اسی رائے صائب کی بناء پر امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجئے، امیر المومنین نے زید بن ثابت و عبداللہ بن زبیر وسعید بن عاص وعبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا، وہ نقلیں مکہ معظّمہ وشام ویمن و بحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس دیئے ان کی نسبت معاذاللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرادینے کا بیان محض جھوٹ ہے وہ مبارک صحیفے خلافت عثمانی پھر خلافت مرتضوی پھر خلافت امام حسن پھر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کردیئے۔ بالجملہ اصل جمع قرآن تو بحکم رب العزّۃ

حسب ارشاد حضور پُر نور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو لیا تھا سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کیا پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بلاد اسلام میں شائع کئے اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالٰی شانہ ہے، کما قال عزمن قائل:

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ "۔[1]	بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ (ت)

اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حاکم مستدرک میں بشرط بخاری ومسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نؤلف القراٰن من الرقاع[2]	یعنی ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان شریف میں فرماتے ہیں:

قد کان القراٰن کتب کلہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[3]۔	سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد اقدس میں لکھا گیا تھا لیکن وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا اور سورتیں مرتب نہیں ہوئی تھیں۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں انھیں سے مروی:

قال ارسل الی ابوبکر مقتل اہل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جنگ یمامہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر جمع القرآن لم یکن مرۃ واحدۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۹

[3] الاتقان النوع الثامن عشر فی جمعہ و ترتیبہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

عندہ فقال ابوبکر ان عمر افانی فقال ان القتل قداستحر یوم الیمامۃ بقراء القراٰن وانی اخشی ان یستحر القتل بقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القراٰن وانی ارٰی ان تامر بجمع القراٰن قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتّھمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القراٰن فاجمعہ فتتبعت القراٰن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال۔فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر[1] ھذا مختصرًا۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں موجود تھے،ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرے پاس حضرت عمر آئے ہیں اور کہاہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قراء قرآن شہید ہوئے ہیں، مجھے خوف ہے کہ اگر جنگوں میں قراء کثرت سے شہید ہوتے رہے توقرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہوجائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، حضرت زید نے کہاحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے فرمایا تم ایک نوجوان عقلمند مرد ہو ہم آپ کو کسی معاملے میں تہمت نہیں لگاتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن مجید تلاش کرو اور اس کو جمع کردو،چنانچہ میں نے قرآن مجید کو ڈھونڈا اور اس کو کھجور کے پٹھوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا تھاوہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس رہے آپ کے وصال کے بعد سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنھا کے پاس موجود رہے(اختصار)۔(ت)

اس حدیث طویل کاخلاصہ وہی ہے کہ بعد جنگ یمامہ فاروق نے صدیق کو جمع قرآن کا مشورہ اور صدیق نے زید بن ثابت کو اس کاحکم دیا کہ متفرق پرچوں سے سب سورتیں یکجا ہو کر صدیق پھر عمر فاروق پھر ام المومنین کے پاس رہیں رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر	مصاحف میں سب سے زیادہ ثواب ابوبکر کا

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶،۷۴۵

رحمۃ اللّٰه علٰی ابی بکر، ھو اول من جمع کتاب اللّٰه، رواہ ابن ابی داؤد المصاحف[1] بسند حسن عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول فذکرہ۔	ہے اللہ ابوبکر پر رحمت کرے سب سے پہلے انہیں نے قرآن جمع کیا۔(اس کو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیاانہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا، پھر وہی حدیث ذکر کی۔ت)

امام اجل عارف باللہ محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں:

کتابۃ القراٰن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم کان یأمر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخھا من مکان الی مکان مجتمعا وکان ذٰلك بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم فیھا القراٰن منتشر فجمعھا جامع وربطھا بخیط حتی لایضیع منھا شیئ۔ نقلہ فی الاتقان[2]۔	یعنی قرآن کالکھنا کوئی نیاکام نہیں یہ توزمانہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بحکم اقدس ہوچکاتھا مگر متفرق تھا پارچوں، شانے کی ہڈیوں اور کھجور کے پٹھوں پر لکھاہواتھا صدیق نے یکجا کردیاتو گویا کہ یہ ایساہواکہ قرآن کے اوراق جو حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک میں منتشر تھے وہ جمع کرنے والے نے ایک ڈورے میں باندھ دیئے تاکہ اس میں سے کوئی شے ضائع نہ ہو۔(اس کواتقان میں نقل کیا۔ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

حدثنا موسٰی ثنا ابراھیم ثنا ابن شھاب ان انس بن مالك حدثہ ان حذیفۃ بن الیمان قدم علٰی عثمٰن وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیۃ	ہمیں موسٰی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہاہمیں ابراہیم نے انہوں نے کہا ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں حدیث بیان کی کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد فی المصاحف النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

[2] الاتقان بحوالہ الحارث المحاسبی فی کتاب فھم السنن النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

واٰذربیجان مع اھل العراق فافزع حذیفة اختلافھم فی القرأة فقال حذیفة لعثمان یاامیر المؤمنین ادرك ھذہ الامّة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصارٰی فارسل عثمٰن الی حفصة رضی اللہ تعالٰی عنھا ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردّھا الیك فارسلت بھا حفصة الٰی عثمٰن فامر زید بن ثابت وعبداللہ بن زبیربن وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحارث بن ھشام فنسخوھا فی المصاحف وقال عثمٰن للرھط القرشیین الثلثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القراٰن فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل بلسانھم ففعلوا حتّٰی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمٰن الصحف الٰی حفصة و ارسل الٰی کل افق بمصحف ممّا نسخوا وامر بماسواہ من القراٰن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق[1]۔	سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے جبکہ وہ اہل شام اور اہل عراق کو آرمینیہ اور آذربیجان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کو فتح کرنے کے لئے لشکر تیار کررہے تھے، حذیفہ کو اہل شام اور اہل عراق کے قرآن پڑھنے کے اختلاف نے گھبراہٹ میں ڈال دیا تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا اے امیر المومنین! اس امت کو یہود ونصارٰی کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے سے روکیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں ہم ان کو مصحف میں لکھ کر پھر آپ کو واپس کردیں گے۔ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے صحیفے امیر المومنین کے پاس بھیج دیئے تو انہوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم دیا، انہوں نے اس کو مصاحف میں لکھ دیا۔ حضرت عثمان غنی

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶

	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قریشیوں کو حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن مجید کے کسی کلمے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو لغت قریش کے مطابق لکھو کیونکہ قرآن مجید صرف لغت قریش پر نازل ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ جب انہوں نے صحیفوں کو مصاحف میں لکھ دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے، اور ملک کے ہر کونے میں ایک مصحف بھیج دیا جو انہوں نے لکھا تھا اور حکم دیا اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفہ یا مصحف میں ہے اس کو جلا دیا جائے۔(ت)

دیکھو یہ حدیث صحیح بخاری صاف گواہ عدل ہے کہ امیر المومنین عثمان غنی نے اختلاف لہجہ ولغات سن کر صحیفہائے صدیقی حضرت حفصہ سے منگائے اور انہیں کی نقلوں سے مصحف بنا کر بلاد اسلام میں بھیجے اور وہ صحیفے بعد نقل حضرت ام المومنین کو واپس دیئے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ابن اشتہ کتاب المصاحف میں راوی:

اختلفوا فی القراءۃ علی عہد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذٰلك عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال عندی تکذبون بہ وتلحنون فیہ، فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا واکثر لحنا یا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجتمعوا فاکتبوا للناس اماما فاجتمعوا فکتبوا الحدیث رواہ من طریق ایوب عن ابی قلابۃ قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال لہ انس بن مالک[1]، فذکرہ۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں لوگوں میں قرآن مجید کے اندر اس قدر اختلاف پڑ گیا جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچوں اور پڑھانے والے اساتذہ میں لڑائی ہونے لگی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے سامنے قرآن کو جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ اس سے بھی زیادہ جھٹلاتے اور غلطی کرتے ہوں گے، اے اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (قرآن) لکھو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جمع ہو کر قرآن لکھا۔ اس حدیث کو ابن اشتہ نے ایوب کے طریق پر ابوقلابہ سے روایت کیا، اس نے کہا مجھ سے بنی عامر کے ایک مرد نے بیان کیا جس کو انس بن مالک کہا جاتا ہے، پھر وہی حدیث مذکور ذکر کی۔(ت)

سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشتہ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

لاتقولوا فی عثمٰن الاّخیرا فواللہ مافعل فی المصاحف الامن ملأمنا قال ماتقولون فی ھذہ القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیرمن قرائتك وھٰذایکادیکون کفرا قلنافماتری، قال اری ان یجمع الناس علٰی مصحف واحد فلاتکون فرقۃ ولااختلاف قلنا نعم مارأیت[1]۔رواہ ابوبکر بن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ قال قال علی رضی اللہ تعالٰی فذکرہ۔	یعنی عثمان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم معاملہ مصاحف میں انہوں نے جوکچھ کیاہم سب کے مشورہ و اتفاق سے کیاانہوں نے ہم سے کہاکہ تم ان مختلف لہجوں میں کیاکہتے ہو مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اوروں سے کہتے ہیں میری قرات تیری قرات سے اچھی ہے اور یہ بات کفرکے قریب تک پہنچی ہوئی ہے،ہم نے کہا بھلاآپ کی کیارائے ہے،فرمایامیری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کوایک مصحف پر جمع کردیں کہ پھر باہم نزاع واختلاف نہ ہو،ہم سب نے کہا آپ کی رائے بہت خوب ہے(اس کو ابوبکر بن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ سوید بن غفلہ سے ذکرکیاکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاپھر حدیث مذکورذکرکی۔ت)

اتقان میں ہے:

قال ابن التین وغیرہ الفرق بین جمع ابی بکر وجمع عثمٰن ان جمع ابی بکر کان لخشیۃ ان یذھب من القراٰن شیئ بذھاب حملتہ لانہ لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعہ فی صحائف مرتبا لاٰیات سورہ علی ماوقفھم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وجمع عثمٰن	ابن تین وغیرہ نے کہاکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کاجمع کرنااس خوف سے تھاکہ قراء قرآن کی شہادت کے سبب سے قرآن کاکچھ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ قرآن مجید یکجانہ تھا،چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قرآن مجید کو صحیفوں میں اس طرح جمع کردیاکہ ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان کے مطابق مرتب

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشۃ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

کان لما کثرالاختلاف فی وجوہ القرأۃ حتی قرؤوہ بلغاتھم علی اتساع اللغات فادی ذٰلك بعضھم الٰی تخطئۃ بعض فخشی من تفاقم الامر فی ذٰلك فنسخ تلك الصحف فی مصحف واحد مرتبا لسورہ واقتصر من سائر اللغات علٰی لغۃ قریش محتجّابانّہ نزل بلغتھم ،وان کان قدوسّع فی قرأتہ بلغۃ غیرھم رفعا للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر فرأی ان الحاجۃ الی ذٰلك قد انتھت فاقتصر علی لغۃ واحدۃ[1]۔	کرکے درج فرمادیں۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس وقت قرآن مجید جمع فرمایا جب قراءت کی وجوہ میں بکثرت اختلاف واقع ہوا۔جبکہ عربوں نے وسیع لغات کی بناء پر اپنی اپنی زبانوں میں الگ الگ قراءت میں قرآن پڑھنا شروع کردیا اورایک زبان والے دوسری زبان والوں کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے توحضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کولوگوں کے درمیان معاملہ سے حد سے بڑھ جانے کاخوف محسوس ہوا اس لئے آپ نے تمام صحیفوں کوایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام لغات کو چھوڑ کر صرف لغت قریش پراکتفاء کیا۔اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوااگرچہ حرج اورمشقت سے بچنے کے لئے شروع شروع غیرقریش کی لغات میں پڑھنے کی بھی اجازت تھی،حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سمجھا کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی۔لہٰذاآپ نے ایک ہی لغت پراانحصار فرمایا۔(ت)

امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

کان ھذا سببا لجمع عثمٰن القراٰن فی المصحف،و الفرق بینہ وبین الصحف ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیھا القراٰن فی عھد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانت سورا مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ باٰیاتھا علٰی حدۃ،لکن	یہ تھا سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مصحف میں قرآن جمع کرنے کا۔صحیفوں اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ صحیفے وہ اوراق ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں قرآن مجید لکھاگیا تھااس میں سورتیں الگ الگ تھیں،ہر سورت اپنی آیات کے ساتھ الگ مرتب تھی لیکن بعض کو بعض کے بعد

[1] الاتقان النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۔۵۹

لم یرتب بعضھا اثربعض فلما نسخت و رتب بعضھا اثربعض صارت مصحفا،ولم یکن مصحفا الا فی عھد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	بالترتیب نہیں رکھاگیا تھا،جب ان کو اس طرح لکھاگیا بعض سورتوں کو بعض کے بعد بالترتیب رکھاگیا تو مصحف بن گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد سے پہلے مصحف نہ تھا۔(ت)

عمدۃ القاری واتقان شریف میں ابوبکر بن ابی داؤد سے منقول:

قال سمعت اباحاتم السجستانی یقول کتب سبعۃ مصاحف فارسل الی مکۃ و الی الشام والی الیمن والی البحرین و الی البصرۃ والی الکوفۃ وحبس بالمدینۃ واحد[2]۔	اس نے کہا میں نے ابوحاتم سجستانی کو کہتے سنا کہ حضرت عثمان نے سات مصحف تحریر فرمائے۔ایک مکہ مکرمہ،ایک شام،ایک یمن،ایک بحرین،ایک بصرہ اور ایک کوفہ میں بھیج دیا جبکہ ایک مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

(حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف ردعثمن الصحف الٰی حفصۃ)فکانت عندھا حتی توفیت فاخذھا مروان حین کان امیرا علی المدینۃ من قبل معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فامر بھا فشققت وقال انما فعلت ھذا لانی خشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فیھا مرتاب رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ۔[3]	یہاں تک کہ جب انہوں نے صحیفے مصحف میں رکھ لئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے،وہ وصال تک حضرت حفصہ کے پاس رہے،پھر مروان امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کاامیر بنا تو اس نے ان کو لے کر پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہاکہ میں نے یہ اس لئے کیاہے کہ زیادہ عرصہ گزرجانے پر کوئی شک کرنے والا اس میں شک نہ کرے۔اس کوابن ابی داؤد وغیرہ نے روایت کیاہے۔(ت)

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸

[3] ارشادالساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۹

اسی میں ہے:

کان التألیف فی الزمن النبوی والجمع فی المصحف فی زمن الصدیق والنسخ فی المصاحف فی زمن عثمٰن وقدکان القراٰن کلہ مکتوبا فی عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکنہ غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[1]۔انتہی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	قرآن مجید کی تالیف عہد نبوی میں ہوئی۔ صحیفوں میں جمع زمانہ صدیقی میں ہوا اور مصاحف میں اس کی کتابت زمانہ عثمانی میں ہوئی۔بے شک سارا قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا لیکن وہ سارا یکجا لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی سورتیں ترتیب وار لکھی ہوئی تھیں۔(ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از پٹنہ عظیم آباد ۲۲ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جامع قرآن مجید کس رو سے کہتے ہیں؟ اس کاجواب کتب احادیث وتواریخ سے تحریر فرمائیں۔بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالٰی ہے،قال جل وعلا:

"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚ۱۷﴾"[2]	بے شک ہمارے ذمے ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔

پھر جمع عزوجل کے مظہر اول واتم واکمل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے۔آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مطابق ترتیب لوح محفوظ حسب تبلیغ جبریل و تعلیم جلیل صاحب تنزیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہولیں،قرآن عظیم ۲۳برس میں حسب حاجت عبادت متفرق آیتیں ہو کر اُترا، کسی سورت کی کچھ آیات اترتیں پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں پھر سورت اولٰی کی نازل ہوتیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں،

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۶

[2] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

اسی طرح سورہ قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے، قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اوران کے لہجے باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامات مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل ات ن کو مکسور کرکے نِعبُد نِستعین کہتے، لغت قریش میں "تابوت" آخر میں تائے قرشت سے تھا دوسروں کے لغت میں "تابوۃ" ہائے ہوّز سے۔اسی قسم کے بالائی اختیارات بکثرت تھے جن سے معنی کلام بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا، اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا دفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔ لہٰذا حضور پر نور رحمت مہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کرکے دیگر قبائل والوں کے لئے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اتر چکا ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمد اللہ تعالٰی حفّاظ اہلسنّت میں باقی ہے اور باقی رہے گی حتّٰی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کا امر آجائے گا اور وہ اس پر قائم ہوں گے۔ت) سال اخیر میں حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کے ساتھ دَور کیا اور اس تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے استقرار امر ہوا۔ سُوَرا اگرچہ زمانہ اقدس میں مرتب ہوچکی تھیں مگر یکجا مجتمع نہ تھیں متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں سوا ان مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم محفوظ تھا حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا، خلافت خلیفہ بر حق صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابہ کرام حافظان قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنا وعدہ صادقہ "وَاِنَّالَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" [1] (اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ت) پورا فرمانے کو پہلے یہ کریم داعیہ قلب کریم حضرت موافق الرائے بالوحی والکتاب سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ڈالا حضرت فاروق نے بارگاہ صدیقی میں عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت حفّاظ شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوں ہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پاگئے تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہوا کہ جو فعل

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا ہم کیونکر کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلا کر فرمان خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وہی شبہہ پیش کہ کیونکر کیجئے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے، یہاں تک کہ صدیق و فاروق و زید بن ثابت و جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کرلیا گیا، اور وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دار و مدار ہے کہ جو فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا، والحمد للہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہوگئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا

(۲) اس مصحف کے نسخ معظم بلاد اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزّل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جدا تھے دفع فتنہ کے لئے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدہ الٰہیہ تام وکامل ہوا اس لئے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
احمد رضا خاں

فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن

مسئلہ ۲۵۰: از مدرسہ منظر اسلام ۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شان نزول اس آیت شریفہ کا:

"وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝" [1]۔الآیۃ	اوران میں سے کوئی وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیاتھاکہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا توہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہوجائیں گے (ت)

حدیث ثعلبہ ابن حاطب ہے یااور کوئی حدیث؟ حدیث ثعلبہ کی صحیح یاحسن یاضعیف یاموضوع؟ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری ہے یااور کوئی؟

الجواب:

بدری حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے اگرچہ یہ بھی قوم اَوس سے تھا۔اور بعض نے اس کانام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔مگروہ بدری خودزمانہ اقدس حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔اور یہ منافق زمانہ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مرا۔جب اس نے زکوۃ دینے سے انکار کیااور آیہ کریمہ اس کی مذمت میں اتری۔حضور پرنور صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۵

تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زکوۃ لے کر حاضر ہوا حضور نے قبول نہ فرمائی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت میں لایا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تیری زکوۃ قبول نہ فرمائی اور میں قبول کرلوں، ہر گز نہ ہوگا۔ پھر خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافت عثمٰن ذی النورین غنی رضی اللہ عنہ میں لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق وفاروق نے قبول نہ فرمائی میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انہیں کی خلافت میں مر گیا۔ اللہ عزوجل اہل بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرماچکا:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم [1]۔	جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا۔

اوراس منافق کے باب میں فرماتا ہے:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ" [2]	اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔

حاشاللہ نور وظلمت کیونکر جمع ہو سکتے ہیں۔ امام حافظ الشان اصابہ میں فرماتے ہیں:

ثعلبۃ بن حاطب بن عمرو الانصاری ذکرہ موسٰی بن عقبۃ وابن اسحٰق فی البدریین وکذا ذکرہ ابن الکلبی وزاد انہ قتل باحد [3]۔	ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری کو موسٰی بن عقبہ اور ابن اسحاق نے اہل بدر میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابن کلبی نے ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ اُحد میں شہید ہوئے۔ (ت)

تفسیر امام ابن جریر میں ہے:

حدثنی محمد ابن سعد حدثنی	مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا انہوں نے کہا

---

[1] کنزالعمال حدیث ۳۷۹۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۷ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما ان رجلا یقال له ثعلبة ابن ابی حاطب اخلف ماوعده فقصّ الله تعالٰی شانه فی القراٰن ومنهم عاهدالله الٰی قوله یکذبون[1]۔	مجھ سے میرے باپ نے بیان کیااس نے کہامجھ سے میرے چچانے بیان کیااس نے کہامجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیاانہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاایک شخص کو ثعلبہ بن ابی حاطب کہاجاتاہے جس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اللہ تعالٰی نے اس کے حال کو قرآن مجید میں بیان فرمایایعنی "ومنهم من عٰهدالله" سے "یکذبون" تک۔ (ت)

تفسیر معالم میں ہے:

قال الحسن ومجاهد نزلت فی ثعلبة بن ابی حاطب[2] الخ۔	امام حسن اور مجاہد نے کہایہ آیت ثعلبہ بن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی الخ (ت)

تفسیر ابن جریر وثعلبی وغیرہم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

فانزل الله تعالٰی فیه ومنهم من عاهدالله الخ وعند رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم رجل من اقارب ثعلبة فسمع ذٰلك فخرج حتی اتاه فقال ویحك یاثعلبة قد انزل الله فیك کذا وکذا فخرج ثعلبة حتی اتی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	تواللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیاتھا" الخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک شخص موجود تھاجس نے اس آیت کو سنا تووہ وہاں سے نکلا اور ثعلبہ کے پاس آکے کہااے ثعلبہ! تیرے لئے ہلاکت ہو اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں ایساایساحکم نازل فرمایاہے۔توثعلبہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت آیة ۹/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۳

[2] معالم التنزیل(تفسیر البغوی تحت آیة ۹/ ۷۵ دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۶۴

فسأله ان يقبل منه صدقته فقال ان الله منعنى ان اقبل منك صدقتك،ثم اتى ابابكر حين استخلف فقال اقبل صدقتى فقال ابو بكر لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وانا اقبلها؟ فلما ولى عمر اتاه فقال ياامير المؤمنين اقبل صدقتى فقال لم يقبلها،رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولاابو بكر وانا لااقبلها ثم ولى عثمان فاتاه فسأله فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولاابو بكر ولاعمر رضوان الله تعالٰى عليهما وانا لااقبلها منك فلم يقبلها منه وهلك ثعلبة فى خلافة عثمان رضى الله تعالٰى عنه[1] اھ مختصرًا۔	حاضر ہوااور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھے منع فرمادیا ہے کہ میں تیرا صدقہ قبول کروں۔پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنے تو ثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا میرا صدقہ قبول کرلیں۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور میں قبول کرلوں؟ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو ثعلبہ نے آکر کہااے امیر المومنین! میرا صدقہ قبول فرمالیں تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایااور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے قبول فرمایا اور میں بھی اس کو قبول نہیں کرتا۔پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو اس نے آکر صدقہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے قبول فرمایا تو میں بھی اسے قبول نہیں کرتا ہوں۔چنانچہ آپ نے قبول نہیں فرمایا اور آپ ہی کی خلافت میں ثعلبہ مرگیااھ اختصار(ت)

یہ سب اس حدیث ثعلبہ کی تسلیم پر ہے،ورنہ وہ سرے سے ثابت الصحت نہیں۔امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا:

ان صح الخبر ولا اظنه يصح[2]۔	اگر یہ خبر صحیح ہو اور میں اس کو صحیح گمان نہیں کرتا(ت)

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۴

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۸ دارصادر بیروت ۱/ ۱۹۸

اقول: یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب، ابن حاطب کہا۔ ابن جریر وبغوی وثعلبی وابن السکن وابن شاہین وباوردی سب کے یہاں بطریق معاذ ابن رفاعہ عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اور علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **ضعیف**[1]۔ امام دارقطنی نے فرمایا: **متروک**[2] امام بخاری نے فرمایا: **منکر الحدیث**[3]۔ اور فرمایا:

کل من اقول: فیہ منکر الحدیث لاتحل الروایۃ عنہ[4] واللہ تعالٰی اعلم۔	جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: (سوال مذکور نہیں) ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

الجواب:

(بجواب مسئلہ مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہوری)

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیں محفوظ رہیں:

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً "**غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ**"[5] کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تونے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے "**طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ**"[6] فرمایا۔

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ علی بن یزید ۴۸۳۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۰

[2] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[3] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ابان بن حبلہ ۳ دارالمعرفۃ بیروت ۱/

[5] القرآن الکریم ۱/ ۷

[6] القرآن الکریم ۷۳/ ۱۳

اس سے استعارہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کرسکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا: "نہ ان کی جن پر تونے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں" خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۴) سب سے اہم واعظم واقدم والزم مراعات و متشابہات کہ ان میں ہمارے ائمہ کرام سے دو مذہب ہیں:

اول ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، "**اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ**"[1] (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ت) معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، ان سے اگر **قولہ تعالٰی ثم** "**ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ**"[2] کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے: "پھر استواء فرمایا آسمان کی طرف" اگر پوچھئے **استوٰی** کے کیا معنی، تو **لاندری** (ہم نہیں جانتے۔ت) سے جواب ملے گا۔

دوم تاویل کہ متاخرین نے تفہیم جہال کے لئے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شان عزت پر محال نہ ہو۔ اور طرف تجویز و تجارب میں لفظ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو۔ ان سے اگر آیہ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے: "پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال وظاہر کا صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کردیں جیسے کریمہ مذکورہ کا ترجمہ "پھر چڑھ گیا آسمان کو" کہ چڑھنا اور اُترنا شان عزت پر محال قطعی اور جہال کے لئے معاذاللہ موہم بلکہ مصرح بہ جسمانیت ہے۔ یہ ہمارے ائمہ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک۔ اس سے احتراز فرض قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرت قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک ومنزہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے، **وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ جناب محمد یعقوب صاحب بریلی ۵ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے کاحکم ملائکہ کو دیا اور ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس پر ارشاد ہوا: "اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝" [1] کیاتو نے تکبر کیا، کیاتوعالین سے تھا۔ یہ عالین کون لوگ ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

عالی بمعنی متکبر ہے،

قال اللہ تعالٰی: "ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝" [2]۔	پھر ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے جتھے کی طرف بھیجاتو انہوں نے تکبر کیااور وہ تھے ہی متکبر لوگ۔

تو معنی آیت یہ ہوئے کہ رب عزوجل نے شیطان لعین سے فرمایا کہ تو نے جو آدم کو سجدہ نہ کیا یہ ایک تکبر تھا کہ اس وقت تجھے پیدا ہوا، یا تو قدیم سے متکبر ہی تھا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

یقول تعالٰی لابلیس تعظمت عن السجود لاٰدم فترکت السجود لہ استکبارا علیہ،ولم تکن من المتکبرین العالین قبل ذٰلک"ام کنت من العالین" یقول ام کنت کذٰلك من قبل ذا علو وتکبر علی ربک [3]۔	اللہ تعالٰی نے ابلیس سے فرمایاتو نے حضرت آدم کے سجدہ سے اپنے کوبڑا سمجھا اوران پر بڑائی ظاہر کرتے تو نے سجدہ ترک کیا دراصل تو متکبرین میں سے نہ تھا، یا یہ کہ پہلے ہی سے اپنے رب پر علو و تکبر ظاہر کرنے والا تھا۔

یا یہ کہ تکبر خاص تجھی میں پیدا ہوا، یا تیری قوم ہی متکبر ہے۔ معالم میں ہے:

"ام کنت من العالین" المتکبرین یقول استکبرت بنفسك ام کنت من القوم الذین	یاتو عالین متکبرین میں سے تھا۔ فرماتا ہے کہ تو نے خود ہی تکبر کیا، یاتو متکبرین کے گروہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۵و۴۶

[3] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت آیۃ ۳۸/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳/ ۲۱۷

یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونك منهم [1]۔	میں سے تھا سجدہ سے تکبر کیا۔ (ت)

یا عالین کو بمعنی بلند و رفیع المرتبت لیں، اور معنی یہ ہوں کہ تونے جو سجدہ نہ کیا یہ تیرا تکبر تھا کہ واقع میں تجھے آدم پر بڑائی نہیں اور براہ غرور آپ کو بڑا ٹھہرایا، یا واقع ہی تجھے اس پر فضیلت۔ بیضاوی میں ہے:

"استکبرت ام کنت من العالین" تکبرت من غیر استحقاق او کنت ممن علا و استحق التفوق [2]۔	تونے تکبر کیا یا عالین میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ بے استحقاق کے تو غرور میں مبتلا ہوا یا ان میں سے تھا جن کو بلندی اور تفوق حاصل ہے۔

اور یہ معنی نہیں کہ ملائکہ میں کوئی گروہ عالین ہے کہ وہ حکم سجود سے مستثنٰی تھا وان وقع فی کلام سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنه (اگرچہ ہمارے سردار شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں واقع ہوا ہے۔ ت) رب عزوجل نے متعدد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾" [3] تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ فاللام للاستغراق واکدت بکل واکد باجمعون (لام استغراق کے لئے ہے پھر لفظ کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۵: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

(۱) بعد ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں؟

(۲) قرآن مجید میں ناسخ کی آیتیں کتنی ہیں اور منسوخ کتنی؟

(۳) آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت کے بعد بھی حضرت بتول طیبہ طاہرہ سیدتنا مریم بکر تھیں، بکر ہی رہیں، اور بکر ہی اٹھیں گی، اور بکر ہی جنت النعیم میں داخل ہوں گی یہاں تک کہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کے

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۳۸/۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۶۰

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت آیۃ ۳۸/۷۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۳۸/۷۳

نکاح اقدس سے مشرف ہوں گی۔ان کی شان کریم:

"لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ۝۲۰ "[1]	نہ مجھے کسی نے ہاتھ لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔

ظاہر ہے کہ بعد ولادت بھی صادق ہے،اور یہی معنی بکریت ہے،رہا بکارت بمعنی پردہ عروق کا زوال،اولا اس ولادت معجزہ میں ہونا کیا ضرور اور اس کا کہاں ثبوت۔جو بے باپ کے پیدا کر سکتا ہے بے زوال بکارت ولادت دینے پر بھی قادر ہے۔بکر کے لئے بھی منفذ ہوتا ہے جس سے خون آتا ہے،اور بالفرض اس کا زوال ہو بھی تو وہ منافی بکریت نہیں۔بہت ابکار کا یہ پردہ کسی صدمہ یا خون حیض کی حدت وغیرہ سے جاتا رہتا ہے،مگر وہ بکر سے ثیب،نارسیدہ سے شوہر دیدہ نہیں ہو جاتیں بلکہ حقیقۃً بھی بکر ہوتی ہیں،اور حکم شرع میں بھی بکر ہی رہتی ہیں۔ان کا نکاح ابکار کی طرح ہوتا ہے اور وہ ابکار کے لئے وصیت میں داخل ہوتی ہیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

من زالت بکارتها بوثبة اودرور حیض اوجراحة اوکبر بکر حقیقة[2]۔	جس کا پردہ بکارت کودنے،حیض آنے یا زخم یا زیادتی عمری کی وجہ سے زائل ہوا وہ عورت حقیقۃً باکرہ ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار میں ہے:

البکر اسم لامرأة لم تجامع بنکاح ولاغیرہ[3]۔	باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے بہ نکاح یا بلا نکاح صحبت نہ کی گئی ہو۔

بحر وشامی میں ہے:

حاصل کلامهم ان الزائل فی هذا المسائل العذرة ای الجلدة التی علی المحل لاالبکارة فکانت بکرا حقیقة وحکما ولذا تدخل فی الوصیة لابکار	ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ان مسائل میں عذرۃ زائل ہوئی ہے یعنی وہ جھلی جو شرمگاہ میں ہوتی ہے،تو عورت ان صورتوں میں حقیقۃً اور حکماً ہر طرح باکرہ ہوتی ہے۔اس لئے اگر کسی نے بنی فلاں کی باکرہ عورتوں کے لئے

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

بنی فلان[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	وصیت کی تو یہ بھی ان میں داخل ہوگی (ت)

(۲) اس میں اختلاف کثیرہ ہیں۔حازمی کی کتاب الناسخ والمنسوخ اور اتقان وغیرہ میں مفصل بیان ہے اور اختلاف کا بڑا منشاء اختلاف اصطلاح بھی ہے کما لایخفی علی من سیرونظر وتامل وتدبر (جیسا کہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو گھوما پھرا، دیکھا اور غور وفکر کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الدنیا والاٰخرۃ لیس بینی وبینہ نبی۔رواہ احمد[2] والشیخان وابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دنیاوآخرت میں سب سے زیادہ عیسٰی ابن مریم کا ولی میں ہوں، مجھ میں اوران میں کوئی نبی نہیں (اس کو امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا دعوۃ ابراھیم وکان اٰخر من بشر بی عیسٰی بن مریم۔رواہ الطیالسی[3] وابن عساکر وغیرھما عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث صحیحین اصح ماورد فی الباب، فلایعارضہ مایذکر من حدیث خالد بن سنان وغیرہ۔	میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور سب میں پچھلے میری بشارت دینے والے عیسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے (اس کو طیالسی اور ابن عساکر وغیرہ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔ صحیحین کی حدیث اس باب میں صحیح ترین ہے، لہٰذا خالد بن سنان وغیرہ کی روایت سے مذکور حدیث اس کا معارضہ نہیں کرسکتی۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۰، ۴۸۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۲/ ۲۶۴ و ۲۶۵ وسنن ابی داؤد ۲/ ۲۸۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۹

[3] کنزالعمال حدیث ۳۱۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۵

معہذا انبیاء علیہم السلام میں احتیاط یہ ہے کہ:

اٰمنّا بانبیاء اللہ جمیعا لانفرق بین احد من رسلہ۔	ہم تمام انبیاء پر ایمان لائے ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

کہ بعض پر ایمان لائیں اور معاذاللہ بعض پر نہیں، جیساکہ یہود ونصارٰی خذلہم اللہ تعالٰی نے کیا۔اور بالیقین کسی کو نبی ماننے کے لئے تواتر شرط ہے، یہاں احاد کافی نہیں لما تقرران الاحاد لاتفید الاعتماد فی مثل الاعتقاد واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اخبار احاد اعتقادیات جیسے امور میں اعتماد کافائدہ نہیں دیتیں اور اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: مسئولہ سید شرف حسین صاحب ہیڈ محرر سلطان پور ضلع سہارن پور ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

مطلع فرمائیے کہ "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"[1] (اوران کا حکم مانو جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت) کی بابت رشید احمد صاحب "علماء وفقہاء" تجویز فرماتے ہیں اور بعض علماء نے "بادشاہ اسلام" مراد لیا ہے۔لہٰذا آپ اپنی رائے بابت "اولی الامر" کے تجویز فرمائیے کہ کون ہیں جن کی اطاعت قرین اطاعت جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پر ہوگی،اس کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جس وقت یزید ملعون تخت نشین تھا آیا وہ بھی ""اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"" میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس وقت کون "اولی الامر" تھا۔مفصل ومشرح "اولی الامر" کے معنی اس وقت سے اس وقت تک کے تحریر فرمائیے۔

الجواب:

"اولی الامر" میں اصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں کما نص علیہ الزرقانی وغیرہ (جیساکہ اس پر زرقانی وغیرہ نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ کہ سلاطین جن کے بہت احکام خلاف شرع ہوتے ہیں۔یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ کرام وتابعین اعلام تھے وہی "اولی الامر" تھے نہ کہ یزید علیہ مایستحقہ۔ہر رسالت کے زمانہ میں وہ رسول اوراس کی کتاب امام ہوتی ہے **قال تعالٰی** "كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: موسٰی علیہ السلام کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۲

کتاب پیشوا اور مہربانی ہے۔ت) زمانہ ختمیت میں آخر دہر تک قرآن عظیم وحضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام ہیں، جس نے انہیں نہ پہچانا ظاہر کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۷: مسئولہ جناب حافظ سید عبدالجلیل صاحب مارہروی ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خطبہ میں ہے **لایکلّف اللہ نفسا الا دون وسعھا**۔ یہ پڑھنا کیسا ہے اور یہاں دون کا محل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

آیہ کریمہ بدون "دون" ہے، خطبہ میں اگرچہ نہ وہ آیت ہونا ضرور، نہ قرآن عظیم سے اقتباس محذور، مگر زیادت موہومہ خلاف مراد محذور۔ دون زبان عرب میں دس معنی پر مشتمل ہے:

(۱) غیر، "اَىِٕفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ" [1]، ای غیرہ [2]۔	غیر، کیا بہتان سے اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا چاہتے ہو یعنی اس کا غیر۔(ت)
(۲) تحت [3]، "وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ" [4]۔	تحت، اور ہم میں سے کچھ اس سے کمتر ہیں۔(ت)
(۳) فوق، فھی اذن من الاضداد کما افادہ المجد [5]۔	فوق، تو اس صورت میں یہ اضداد کے قبیلہ سے ہوگا جیسا کہ مجد نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔(ت)
(۴) اقل، لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ [6]۔	اقل، پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے(ت)

(۵و۶) وراء وامام، یعنی اس پار یا اس پار۔

کیف الوصول الٰی سعاد و "دونھا" قلل الجبال ودونھن حتوف [7]	وراء وامام، سعاد تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے سامنے بلند چوٹیوں والے پہاڑ ہیں اور ان کے پیچھے موتیں ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۸۶

[2] جلالین تحت الآیۃ ۳۷/ ۸۶ اصح المطابع ص ۳۷۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۱

[5] القاموس المحیط باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۲۵

[6] صحیح البخاری کتاب الزکوۃ ۱/ ۱۸۹ و ۱۹۴ وصحیح مسلم کتاب الزکوۃ ۱/ ۳۱۵

[7] ابجد العلوم علم التعابی فی الحروب ۲/ ۱۶۵

وفی الحدیث من قتل دون اهله فهو شهید[1] ای امامهم فی حفظهم والدفاع عنهم۔ وفی الحدیث لیس دونه تعالٰی منتهٰی[2] ای وراہ۔ وقد جمعها قوله فی الخمر ع: تریك القذی من دونها وهی دونه[3]۔	اور حدیث میں ہے جو اپنے اہل وعیال کے سامنے قتل کیا گیا وہ شہید ہے یعنی ان کے سامنے ان کا دفاع کرتے ہوئے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالٰی سے آگے کوئی منتہی نہیں۔ (ت) اور شراب سے متعلق شاعر کے قول نے ان معانی کو جمع کردیا ہے، یہ شراب تجھے دکھاتی ہے کہ تنکا اس کے آگے ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔ (ت)

(۷) حقیر، ع:

ویقنع بالدون من کان دونا۔[4]	حقیر، حقیر چیز پر قناعت کرلیتا ہے وہ جو حقیر ہوتا ہے۔ (ت)

(۸) شریف،

حکاہ بعض النحاۃ وقال المجد علیه ضد[5]۔	شریف، بعض نحویوں نے اس کو حکایت کیا ہے، اور مجد نے کہا کہ یہ پہلے معنی کی ضد ہے (ت)

(۹) نزدیک تر چیزے بہ نسبت مضاف الیہ۔ مضاف الیہ کی بہ نسبت زیادہ قریب چیز۔

"وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ"[6]۔	اور اس نے ان مردوں کے قریب دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور روک رہی ہیں۔ (ت)
(۱۰) مقارب مضاف الیه مکانا مکانة۔	مضاف الیہ کے قریب مکان۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فیمن قتل دون ماله فهو شهید الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۰

[2] مجمع بحار الانوار باب الدال مع الواو تحت لفظ "دون" مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۲۱۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[5] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[6] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۳

هذا دونك[1] ای قریب۔	یہ تیرے قریب ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ معنی ۷ و ۸ کو تو یہاں سے تعلق ہی نہیں۔اور باقی معانی سب مخالف قرآن ہیں۔قرآن عظیم یہ حصر فرماتا یہ چاہتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر قدرت ووسعت وطاقت۔اور یہاں یہ حصر ہوگا کہ اللہ سبحانہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے سوا، یا طاقت سے نیچے، یا طاقت کے اوپر، یا طاقت سے کم، یا طاقت سے اس پار، یا طاقت سے اِس پار۔اور یہی نیچے اور کم اور اس پار کا حاصل۔دو معنی اخیر میں نکلے گا کہ ان پانچوں معنی میں منتہی تک نہ پہنچنا ملحوظ ہے۔صحاح و صراح و مجمع البحار وغیرہا میں ہے: **معناه تقصير عن الغاية**[2] (اس کا معنی ہے کہ غایت تک نہ پہنچنا۔ت) تو ان پانچوں کا حصر صریح مخالف قرآن ہے اور ان دو یعنی اوپر اور اس پار کا شدید مناقض۔اور سِوا تو صراحۃً نقیض معنی قرآن ہے۔وبعد التیا والتی تاویلات دوراز کار کو گنجائش دی جائے تو ایہام معانی باطلہ نقد وقت ہے اور اسی قدر منع کے لئے بس ہے۔

فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار مجرد ایهام المعنی المحال کاف فی المنع[3]۔والله سبحانه و تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں ہے کہ محض معنی محال کا ایہام ممانعت کے لئے کافی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[2] مجمع البحار تحت لفظ دون ۲/ ۲۱۶ و الصحاح تحت لفظ دون ۵/ ۱۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

رسالہ

الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ

(کاٹنے والی تلوار اس شخص کی گردن پر جو علوم ارحام سے تعلق رکھنے والی آیتوں میں شک ڈالنے والا ہے)

مسئلہ ۲۵۸: از عظیم آباد پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی قاضی محمد عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی نہم جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ مدظلہ دست بستہ تسلیم، اس کے بعد التجا ہے ایک ضروری مسئلہ جلد اندر ہفتہ مدلل ومکمل عقلی ونقلی طور پر لکھ کر ایک مسلمان کی جان بلکہ ایمان کی حفاظت کیجئے، عنداللہ ماجور ہوں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور سے ہے یا اناث سے، حالانکہ ایک آلہ نکلا ہے جس سے سب حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتا ملتا ہے۔

کمترین خادمان

عبدالوحید حنفی الفردوسی منتظم تحفہ عفااللہ تعالٰی عنہ

فتوٰی

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمدلله الذی لایخفٰی علیه شیئ فی الارض ولافی السماء ھوالذی یصوّرکم فی الارحام کیف یشاء، و الصّلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء الاٰتی بکتاب مبین فیه رحمة و شفاء وماحظّ الکٰفرین منه الانقمة وشقاء وعلٰی اٰلهٖ وصحبه البررۃ الاتقیاء الزین ھم فی بطون امھاتھم سعداء ماجَنّ جنین فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ بین غشاء وغطاء اٰمین!	تمام تعریفیں الله تعالٰی کے لئے ہیں جس پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ وہی ہے جو تمہاری صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسے چاہے، اور درودوسلام ہو خاتم الانبیاء پر جو روشن کتاب لے کر تشریف لانے والے ہیں، جس میں رحمت وشفاء ہے، کافروں کا اس سے سوائے انتقام اور بدبختی کے کچھ نہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر جو نیک اور متقی ہیں، اور وہ ماؤں کے پیٹوں میں سعادتمند ہوئے، جبکہ جنین تین تاریکیوں میں پردے اور اندھیرے کے درمیان پوشیدہ رہے۔ آمین! (ت)

مولٰینا حامی سنت ماحی بدعت اکرمکم الله تعالٰی۔ السلام علیکم ورحمۃ الله وبرکاتہ۔ الله تعالٰی جل وعلا سورہ آل عمران شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴿۶﴾"[1]	بیشک الله پر کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسا چاہے، کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا۔

سورہ رعد شریف میں فرماتا ہے:

"اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى	الله جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵و۶

وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ "[1]	اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ اور جتنے پھیلتے یا جو کچھ گھٹتے ہیں اور جو کچھ بڑھتے اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے جاننے والا نہاں وعیاں کا سب سے بڑا بلندی والا۔

سورہ حج شریف میں فرماتا ہے:

"وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى "[2]	اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں مادہ کے پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک مقرر وعدے تک۔

سورہ لقمان شریف میں فرماتا ہے:

" اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ "[3]	بیشک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو اپنی خبر نہیں کہ کہاں مرے گا بیشک اللہ ہی جاننے والا خبر دار۔

اور سورہ ملٰئکہ شریف میں فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۱﴾ "[4]	اللہ نے بنایا تمہیں مٹی سے پھر منی سے پھر کیا تمہیں جوڑے جوڑے اور نہیں گابھن ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور نہ کوئی عمر والا عمر دیا جائے اور نہ گھٹایا جائے اس کی عمر سے مگر یہ سب لکھا ہے ایک نوشتہ میں بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے۔

سورہ حم السجدہ شریف میں فرماتا ہے:

" اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ	اللہ ہی کی طرف پھرا جاتا ہے علم قیامت کا

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۸و۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۵

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۳۴

[4] القرآن الکریم ۳۵ / ۱۱

"وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ"[1]	اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے اور نہ پیٹ رہے کسی مادہ کو اور نہ جنے مگر اس کی آگاہی سے۔

اور سورہ والنجم شریف میں فرماتا ہے:

"هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾"[2]	اللہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے بنایا تم کو زمین سے اور جب تم چھپے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں۔ تو آپ اپنی جان کو ستھرا نہ کہو، اسے خوب خبر ہے کون پرہیزگار ہوا۔

آیات کریمہ میں مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی اپنے بے پایان علوم کے بیشمار اقسام سے ایک سہل قسم کا بہت اجمالی ذکر فرماتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے سب کا سارا حال [۱]پیٹ رہتے وقت اور [۲]اس سے پہلے اور [۳]پیدا ہوتے اور [۴]پیٹ میں رہتے اور [۵]جو کچھ اس پر گزرا اور [۶]گزرنے والا ہے، [۷]جتنی عمر پائے گا [۸]جو کچھ کام کرے گا [۹]جب تک پیٹ میں رہے گا، [۱۰]اس کا اندرونی بیرونی ایک ایک عضو ایک ایک پرزہ جو صورت دیا گیا جو دیا جائے گا [۱۱]ہر ہر رونگٹا جو مقدار مساحت وزن پائے گا، [۱۲]بچے کی لاغری، فربہی، غذا، حرکت خفیفہ زائدہ، انبساط، انقباض اور زیادت و قلّت خون، طمث و حصول فضلات وہوا و رطوبات وغیرہا کے باعث آن آن پر پیٹ جو سمٹتے پھیلتے ہیں غرض ذرّہ ذرّہ سب اسے معلوم ہے ان میں کہیں نہ تخصیص ذکورت وانوثت کا ذکر نہ مطلق علم کی نفی وحصر، تو یہ مہمل و مختل اعتراض پادر ہوا کہ بعض پادریان پادر بند ہوا کی تازہ گھڑت ہے اس کا اصل منشا معنی آیات میں بے فہمی محض یا حسب عادت دیدہ ودانستہ کلام الٰہی پر افتراء و تہمت ہے۔ قرآن عظیم نے کس جگہ فرمایا ہے کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو کسی طرح تدبیر سے اتنا معلوم نہیں کرسکتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اگر کہیں ایسا فرمایا ہو تو نشان دو۔ اور جب نہیں تو بعض وقت بعض اناث کے بعض حمل کا بعض حال بعض تدابیر سے بعض اشخاص نے بعض جہل طویل و عجز مدید بعض آلات بیجان کا فقیر و محتاج ہو کر اس فانی وزائل وبے حقیقت نام کے ایک ذرہ علم وقدرت سے (کہ وہ بھی اسی بارگاہ علیم وقدیر سے حصہ رسد چند روز سے چند روز کے لئے پائے

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۷

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

اور اب بھی اسی کے قبضہ واقتدار میں ہیں کہ بے اس کے کچھ کام نہ دیں) اگر صحرا سے ذرہ سمندر سے قطرہ معلوم کرلیا تو یہ آیات کریمہ کے کس حرف کا خلاف ہوا، وہ خود فرماتا ہے:

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ"[1]	اللہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے کسی چیز کو مگر جتنی وہ چاہے۔

تمام جہان میں روزاول سے ابدالآباد تک جس نے جو کچھ جانا یا جانے گا سب اسی الا بماشاء کے استثناء میں داخل ہے جس کے لاکھوں کروڑوں سر بفلک کشیدہ پہاڑوں سے ایک نہایت قلیل وذلیل وبے مقدار ذرہ یہ آلہ بھی ہے، ایسا ہی اعتراض کرنا ہو تو بے گنتی گزشتہ وآئندہ باتوں کا جو علم ہم کو ہے اسی سے کیوں نہ اعتراض کرے جو صیغہ **یعلم مافی الارحام** میں ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے بعینہٖ وہی صیغہ "**یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ**"[2] میں ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ گزرا اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ جب ان بے شمار علوم تاریخی وآسمانی ملنے میں کسی عاقل منصف کے نزدیک اس آیت کا کچھ خلاف نہ ہوا نہ تیرہ سو برس سے آج تک کسی پادری صاحب کو ان علوم کے باعث اس آیہ کریمہ پر لب کشائی کا جنون اچھلا تو اب ایک ذرا سی آلیا نکال کر اس آیت کا کیا بگاڑ متصور ہوسکتا ہے، ہاں عقل نہ ہو تو بندہ مجبور ہے یا انصاف نہ ملے تو انکھیارا بھی کور ہے **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

ثمّ اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) مفصلاً حق واضح کو واضح تر کروں۔ اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اوّل: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کا وجوب کہ کبھی کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر وتبدل فرق تفاوت کا امکان نہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

ششم: علم کااقصٰی غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آتیہ موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہوسکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اوراس کے غیر سے قطعًا مطلقًا منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کاایسا علم جوان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتاہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کاایسا علم ثابت کرے یقینا اجماعًا کافر مشرک ہے۔ان تمام وجوہ کی طرف آیات کریمہ میں باطلاق کلمہ یعلم اشارہ فرمایاکہ یہاں علم کو مطلق رکھااور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف اور علم کامل بلکہ علم حقیقی حق الحقیقہ وہی ہے جوان وجوہ ستہ کاجامع ہواسی لحاظ پر ہے وہ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ" [1]	جس دن اللہ عزوجل رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا تمہیں کیاجواب ملاعرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

کفارکے پاس ان محبوبان خداصلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم کاتشریف لاناہدایت فرماناان ملاعنہ کاتکذیب وانکار واصرار و استکبار وبیہودہ گفتار سے پیش آناکسے نہیں معلوم مگر حضرات انبیاء عرض کریں گے لاعلم لناہمیں اصلًا علم نہیں،لا نفی جنس کا ہے سلب مطلق فرمائیں گے یعنی وہی علم کامل کہ بحقیقت حقیقہ علم اسی کانام ہے اصلًا اس کاکوئی فرد ہمیں حاصل نہیں،حق حقیقت تو یہ ہے جب اس سے تجاوز کرکے حقیقت عرفیہ یعنی مطلق دانستن کی طرف چلئے خواہ بالذات ہو یابغیر ہو غنی ہو یامحتاج سرمدی ہو یاحادث ابدی ہو یافانی واجب ہو یاممکن ثابت ہو یامتغیر تام ہو یاناقص بالکنہ ہو یابالوجہ بایں معنی مطلق علم کہ ایک آدھ چیز کے جاننے سے بھی صادق زنہار مختص بحضرت عزت عزت عظمتہ نہیں،نہ معاذاللہ قرآن عظیم نے ہر گز کہیں اس کادعوی کیابلکہ جس طرح معنی اول کاغیر کے لئے اثبات کفرہے اس معنے کی غیر سے نفی مطلق بھی کفرہے کہ یہ خود صدہانصوص قرآن عظیم بلکہ تمام قرآن عظیم بلکہ تمام ملل وشرائع وعقل ونقل وحس سب کی تکذیب ہوگی قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں کے لئے بے شمار علوم عظیمہ عطافرمائے اوران کے عطاسے منت رکھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

O قال تعالٰی "وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا ﴿۱۱۳﴾ "[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور سکھادیا اللہ نے تجھے اے نبی! جو تجھے معلوم نہ تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔
O "وَبَشَّرُوۡہُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۲۸﴾ "۔[2]	اور فرشتوں نے ابراہیم کو مژدہ دیا علم والے لڑکے کا۔
O "وَاِنَّہٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰہُ "۔[3]	اور بیشک یعقوب علم والا ہے ہمارے علم عطا فرمانے سے۔
O "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا "۔[4]	سکھادیئے آدم کو سب نام۔
O "وَاذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾ "[5]	اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم واسحٰق ویعقوب قدرت والوں اور علم والوں کو۔
O "یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ"[6]	بلند کرے گا اللہ تعالٰی تمہارے ایمان والوں کو اوران کو جنہیں علم عطا ہوا درجوں میں۔

بلکہ عام بشر کو فرماتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ [7] "عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ "[8]	رحمان نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، اسے بتایا بیان۔ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔
"وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ "[9]	اللہ نے نکالا تمہیں ماں کے پیٹ سے نرے ناداں اور دیئے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل شاید تم حق مانو۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳
[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۸
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۸
[4] القرآن الکریم ۲/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۵
[6] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱
[7] القرآن الکریم ۵۵/ ۱تا۴
[8] القرآن الکریم ۹۶/ ۵
[9] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بلکہ عام تر فرماتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱"[1]	کیاتونے نہ دیکھا کہ اللہ کی پاکی بولتے ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں اور پرندے پرا باندھے سب نے جان لی ہے اپنی اپنی نماز و تسبیح، اور اللہ کو خوب خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

توکوئی اندھے سے اندھا بھی کسی آیت کا یہ مطلب نہیں کہہ سکتا کہ بایں معنی مطلق علم کو غیر سے نفی فرمایا ہے ہاں اس معنی پر علم مطلق غیر سے ضرور مسلوب، اور یہ وجہ ہفتم حصر و تخصیص کی ہے یعنی تمام موجودات و ممکنات و مفہومات وذوات وصفات ونصب واضافات وواقعیات و موہومات غرض ہر شیئ ومفہوم کو علم کا عام وتام ومحیط ومستغرق ہونا کہ غیر متناہی معلومات کے غیر متناہی سلاسل اور ہر سلسلے کے ہر فرد سے غیر متناہی علوم متعلق اور یہ سب نامتناہی نامتناہی نامتناہی علوم معًا حاصل ہوں جن کے احاطے سے کوئی فرد اصلاً خارج نہ ہو جسے فرماتا ہے:

"وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲"[2]	بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہوا۔

اور فرماتا ہے:

"عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۳"[3]	جاننے والا ہر چھپی چیز کا اس سے چھپی نہیں کوئی ذرہ بھر چیز آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے۔

ایسا علم بھی غیر کے لئے محال اور دوسرے کے واسطے اس کا اثبات کفر وضلال **کما بیّنّاہ فی رسالتنا "مقامع الحدید علٰی خدالمنطق الجدید"** (جیساکہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ **"مقامع الحدید علٰی خدّالمنطق الجدید"** میں بیان کر دیا ہے۔ت) **مانحن فیہ** میں مولا سبحانہ وتعالٰی نے اس وجہ ہفتم کی طرف اشارہ فرمایا کل انثٰی میں کلمہ کل اور **ماتحمل من انثٰی**

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳

میں نکرہ منفیہ پھر تاکید بہ من اور مافی الارحام عموم مااور لام استغراق سے،وعلٰی ھذاالقیاس۔اب آلہ محدثہ کی طرف چلئے، فقیر اس پر مطلع نہ ہوا،نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا،ظاہر ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال "فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ" [1] تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہوجائے اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے کہ بعد علوق فم رحم سخت منضم ہو جاتاہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے اوراس جائے تنگ وتار میں جنین محبوس ہوتاہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اورچڑھے ہوتے ہیں اورایک عشائے رفیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلہ عرق جمع ہوتاہے اس پرایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلہ بول مجتمع رہتاہے اس پرایک اورغلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں،ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے،توظاہرًا آلے کا محصل صرف بعض علامات وامارات ممیّزہ منجملہ خواص خارجیہ کا بتاناہوگا جن سے ذکورت وانوثت کا قیاس ہوسکے،جیسے رحم کی تجویف ایمن یاایسر میں حمل کاہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کئے گئے ہوں،اگراسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی بیشتر جنبش،یا حاملہ کی پستان راست یاچپ کے حجم میں افرایش،یاسرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا، یارنگ روئے زن پرشادابی یاتیرگی چھانا،یاحرکات زن میں خفت یاثقل پانا،یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یابیاض غالب رہنی،یاعورت کے خلاف عادت بعض اطعمہ جیدہ یاردیہ کی رغبت ہونی،یاپشم کبود میں زرادند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی اریق حمول اور ظہرتک مثل صائم رہ کرمزہ دہن کاامتحان کہ شیریں ہوایاتلخ،الٰی غیرذٰلك ممایعرفه اهل الفن ولکل شروط یراعیها البصیر فیصیب الظن (اس کے علاوہ جس کو اہل فن جانتاہے اور عقلمند تمام شرائط کو ملحوظ رکھتاہے توگمان درست ہوتاہے۔ت)

اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمتہ سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القافرمائی ہوں جن سے جنین مشاہدہ ہی ہوجاتاہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں عــــہ میں بقدر حاجت کچھ توسیع وتفریح دے کر

عــــہ: ہرسہ غشاہائے مذکورہ وفوق انہا زیروبالا دوطبقہ زہدان برہمہ گرغلاف است ۱۲

تین مذکورہ پردے اوران پراوپر نیچے دوطبقے زہدکے ایک دوسرے پر غلاف ہیں۔۱۲(ت)

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶

روشنی پہنچاکر کچھ شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یازجاجات متخالفۃ الملاایسی وضعیں پائیں کہ اشعہ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم مناظر انعطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں جس طرح آفتاب کاکنارہ کہ ہنوزافق سے دوراور مقابلہ نظر سے محجوب ومستور ہوتاہے بوجہ اختلاف ملاوغلظت عالم نسیم ہمیں محاذات بصر سے پہلے ہی نظرآجاتااور طلوع مرئی کہ وہی ملحوظ فی الشرع ہے پیشتر ہوتاہے یوں ہی جانب غروب بعدزوال محاذات ووقوع حجاب میں کچھ دیرتک دکھائی دیتااور غروب مرئی معتبر فی الشرع غروب حقیقی کے بعد ہوتاہے، ولہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے جب کبھی موامرات زیجیہ سے محاسبہ کیا اوراسے مشاہدہ بصری سے ملایا ہے ہمیشہ نہار عرفی کونہار نجومی پراس سے بھی زائد پایاہے جوطرفین طلوع وغروب میں تفاوت افقین حسی وحقیقی بحسب ارتفاع قامت معتدلہ انسانی وتفاضل نیم قطر فاصل میان حاجت ومرکز کامقتضٰی ہے نیزاسی لئے فقیر کامشاہدہ ہے کہ قرص شمس تمام وکمال بالائے افق مشہور ہونے پر بھی ظلمت شب مطلع ومغرب میں نظرآتی ہے حالانکہ مخروط ظلی وشمس میں ہرگزنیم دورسے کم فصل نہیں اوراختلاف منظرآفتاب غایت قلّت میں ہے کہ مقدار عسر قطرتک بھی نہیں پہنچتا۔ خیر کچھ بھی ہو ہم یہی صورت فرض کرتے ہیں کہ مجرد کسی امارت خارجہ کی بناپر قیاس ہی نہیں بلکہ بذریعہ آلہ اعضائے جنیں باچناں وچنیں حجابات وکمیں مشہود ہوجاتے ہیں بہر حال آخر تمام منشاومبنائے اعتراض مہمل صرف اس قدر کہ جوعلم قرآن عظیم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کے لئے خاص مانا تھاہمیں اس آلے سے حاصل ہوجاتاہے حالانکہ لاواللہ "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝" [1] کیابڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکلتاہے وہ تونہیں کہتے مگر جھوٹ۔ ہم پوچھتے ہیں اس آلے سے تم کو اُتناہی علم دیاجووجہ ہشتم عام وشامل میں ہے جس کا باری عزوجل سے خاص جاننا محال اور خود بحکم قرآن عظیم کفروضلال تھاجب تواعتراض کتنامالیخولیااور کس درجہ کاجنون ہے کہ سرے سے مبنی ہی باطل وملعون ہےاس قسم علم یعنی دانستن کواگرچہ کیساہی ہو حضرت عزت عزت عظمتہ سے قرآن عظیم نے کب خاص مانا تھااس قسم کے کروڑوں علم عام انسان بلکہ حیوانات کوروز ملتے رہتے ہیں اور قرآن عظیم خود غیر خداکے لئے انہیں ثابت فرماتاہے ایک اس کے ملنے میں کیانئی شاخ نکلی کہ آیت الٰہی کاخلاف ہوگیا یہ بھی اس "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ۝" [2] (انسان کو سکھایاجووہ نہیں جانتا تھا)

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

[2] القرآن الکریم ۹۶/ ۵

کے ناپید کنار صحراؤں سے ایک ذلیل ذرہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے سکھایا آدمی کو جو اسے معلوم نہ تھا، دیکھو ابھی تمہیں آیت سنا چکا ہوں کہ اللہ نے تمہیں نکالا ماں کے پیٹ سے نرے جاہل کہ کچھ نہ جانتے تھے پھر تمہیں عقل وہوش وچشم وگوش دیئے کہ اس کا حق مانو، تم نے اچھا حق مانا کہ اسی کی برابری کرنے لگے، اور اگر یہ مقصود کہ اس سے تمہیں ان سات وجوہ مخصوصہ بحضرت باری عزوجل سے کسی وجہ کا علم مل گیا تو یہ اس سے بھی لاکھوں درجہ بدتر جنون ہے۔ کیا یہ علم تمہارا ذاتی ہے، عطائے الٰہی سے نہیں؟ اہل کتاب کہلاتے ہو شاید، ایسا خدائی دعوی تو نہ کرو۔ ابھی چند روز ہوئے تم اس آلے سے جاہل تھے اللہ عزوجل نے تمہیں تمہاری بساط کے لائق عقل دی، ریاضی سکھائی، دنیا کمانے کی راہ بتائی، تمہارے ذہن میں اس کا طریقہ ڈالا، آنکھیں ہاتھ جوارح دیئے جن کے ذریعہ سے کام کرسکو، جس چیز کا کوئی آلہ بناؤ اور جس چیز پر اسے استعمال میں لاؤ انہیں تمہارے لئے مسخر کیا اسباب مہیا کرکے تمہارے دل میں اس کا خیال ڈالا پھر تمہارے جوارح کو کام کی طرف مصروف فرمایا پھر محض اپنی قدرت کاملہ سے بنادیا اور اس کا بننا تمہارے ہاتھوں پر ظاہر ہوا تم سمجھے ہم نے اپنی قدرت اپنے علم سے بنالیا اندھے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کرتے ہیں جو ظاہری سبب کے غلام اور حلقہ بگوش اور مسبّب وخالق وعالم وقادر حقیقی سے غافل وبیہوش ہیں "کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾"[1] (اللہ تعالٰی یونہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ت) جیسے قارون ملعون جسے اللہ عزوجل نے بے شمار خزانے دیئے دنیا بھر کی نعمتیں بخشیں جب اس سے کہا گیا "اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْکَ"[2] بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی، تو کافر کیا بکتا ہے "اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ"[3] یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو مجھے آتا ہے۔ پھر بدلا دیکھا کس مرنے کا چکھا:

"فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۟ فَمَا کَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۟ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾"[4]	دھنسادیا ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئے اس کے کچھ یار کہ اسے بچالیتے اللہ کی گرفت سے اور نہ وہ مدد لاسکا۔

اور اس علم کا غنی نہ ہونا خود بدیہی کہ ایک بے جان آلے کی بودگی پر ہے جب تک آلہ نہ تھا تو ڈاکٹر صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۷

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۸

[4] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۱

کچھ نہ کہہ سکتے تھے کہ میم صاحب کے پیٹ میں مس میڈیم ہے یا باوالوگ، ازلی ابدی واجب کیسے کہہ سکتے ہو جب تم خود ہی حادث فانی باطل ہو، ازلی بڑی چیز ہے ایام حمل ہی مدتوں اپنے جہل وعجز کااقرار کرناپڑے گاجب تک نطفہ صورت نہ پکڑے پانی کی بوند یاخون بستہ یا گوشت کاٹکڑارہے، ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹری کچھ نہیں چل سکتی کہ نر نظرآتا ہے یامادہ۔ کیا تمہارا علم ثابت وناقابل نقصان وزیادت ہے استغفر اللہ قبل مشاہدہ کی حالت کو مشاہدہ اجمالی، مشاہدہ اجمالی کو نظر تفصیلی، نظر تفصیلی بالائی کو نظر بعد تصریح عملی سے ملاؤ۔ حالت التفات وذہول کافرق دیکھو پھر طریان نسیان توسرے سے ارتفاع ہے۔ کیا تمہارا علم کامل ہے، حاش للہ اضافات بتانے کی کیاقدرت کہ وہ غیر متناہی ہیں مثلاً اس کے بدن کا کوئی ذرہ لے لیجئے اور اس کی ماں کے بدن اور تمام اجسام عالم میں جتنے نقطے فرض کئے جاسکتے ہیں اس کے بدن کے ہر ذرے کا اس ہر نقطہ ارضی وسماوی وشرقی وغربی وجنوبی وشمالی ونزدیک ودور وموجود وحال وماضی واستقبال سے بعد بتاؤ یہ لاتعد ولاتحصٰی خطوط جوہر نقطہ جسم جنین سے تمام نقاط عالم تک نکل کر بے حدوبے شمار زاویے بناتے آئے ہر زاویے کی مقدار بولو، نہ سہی یہی بتادو کتنے خطوط پیدا ہوں گے، نہ سہی یہی کہہ دو کہ تمام اجسام جہان میں کتنے نقطے نکلیں گے، نہ سہی اتناہی کہو کہ صرف جنین کے بدن میں کس قدر نقاط مانے جائیں گے اور جب یہ ادنٰی علم جوعلوم الٰہیہ متعلقہ بجنین کے کروڑہا کروڑ حصوں سے ایک حصہ بھی نہیں ایک جنین میں بھی اس قلیل کے اقل القلیل حصے کاجواب نہیں دے سکتے اگرچہ دنیا بھر کے ڈاکٹر وپادری اکٹھے ہوجاؤ تو باقی علوم کی کیا گنتی ہے حالانکہ واللہ العظیم یہ تمام علوم تمام نسبتیں تمام خطوط تمام نقاط تمام زاویے تمام مقادیر گزشتہ وموجودہ وآئندہ تمام جن وبشر وحیوانات کے تمام حملوں میں رب العزت آن واحد میں معاً تفصیلاً ازلاً ابداً جانتا ہے اور یہ اس کے بحار علوم سے ایک قطرہ بلکہ بے شمار یم سے ادنٰی نم ہے اور یہ سب کاسب مع ایسے ایسے ہزارہاعلوم کے جن کی اجناس کلیہ تک بھی وہم بشری نہ پہنچ سکے شمارافراد درکنار سب انہیں دو کلموں کے سرخ میں داخل ہیں کہ یعلم مافی الارحام جانتاہے جوکچھ پیٹ میں ہے۔ تمہاری تنگ نظری کوتاہ فہمی دولفظ دیکھ کر ایسے سستے سمجھ لئے کہ ایک آلے کی ناچیز وبے حقیقت ہستی پر علم ارحام کے مدعی بن بیٹھے، ہاں نصب واضافات کو جانے دوکہ نامتناہی معدود ومحدود ہی اشیاء بتاؤ اور وہ بھی کسی ایک جنین کی نسبت اور وہ بھی خاص اپنے گھر کے کہ آدمی کو گھر کاحال خوب معلوم ہوتا ہے اپنا اور اپنی جورو کاواقعہ توخود اسی پر گزرا اس کے سامنے ہی گزرا اور اوپر سے مدد دینے کو آلہ موجود کوئی پادری صاحب آلہ لگا کر بولیں کہ جس وقت ان کی میم صاحب کو پیٹ رہانطفہ کتنے وزن کا گراتھا اس میں کتنے حیوان منوی تھے

گرتے وقت رحم کے کس حصہ پر پڑا، رحم میں کتنی دیر بعد کون سی خمل و نقرہ میں مستقر ہوا، جب سے اب تک کتنا خون حیض اس کے کام آیا، یہ اصل نطفہ کس کس غذا کے کس کس کے جز اور کتنے وزن کا فضلہ تھا وہ کہاں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی کھانے کے کتنی دیر بعد اس نے صورت نطفیہ اخذ کی تھی جب سے اب تک ایک ایک منٹ کے فاصلہ پر اس کی وزن و مساحت وہیأت میں کیا کیا اور کتنا کتنا تغیر ہوا، حوادث مذکورہ بالا کے باعث جب سے اب تک میم صاحبہ کی رحم شریف کئی بار اور کتنی کتنی دیر کو اور کس کس قدر سمٹی پھیلی، بچہ کتنی دفعہ اور کس کس قدر اور کدھر کدھر کو پھرا یا، ہر جنبش پر وضع اعضا میں کیا کیا تغیر ہوا، یہی سب احوال اب سے پیدا ہونے تک کس کس طرح گزریں گے منٹ منٹ پر وضع ووزن ومساحت ومکان وحرکت وسکون و غذا واحوال جنین ورحم میں کیا کیا تغیرات ہوں گے، باوالوگ رحم شریف میں کب تک بسیں گے، کس گھنٹے منٹ سکنڈر تھڈ پر برآمد ہوں گے، پہلے کون سا عضو آگے بڑھائیں گے، اس وقت کتنے فربہ کتنے دراز ہوں گے، دروازہ برآمد کی وسعت کس مقدار مخصوص تک چاہیں گے، آسانی گزر کو کتنی رطوبت کی پچکاریاں ساتھ لائیں گے، آپ کئی بار زور لگائیں گے، میم صاحبہ سے کتنے کرائیں گے، کون سی چیخ پر باہر آئیں گے، برآمد بھی ہوں گے یا کچے ہی گر جائیں گے، جی بچے تو کیا عمر پائیں گے، کہاں کہاں بسیں گے، کیا کیا کھائیں گے، کس کس مشن میں لونڈے پڑھائیں گے، **الی غیر ذٰلك مما لایعد ولایحصی** (اس کے علاوہ جن کی گنتی اور شمار نہیں کیا جاسکتا۔ت)

واللہ کہ تمام عالم کی تمام ماضی وموجود ومستقبل حملوں رحموں کے ایک ایک ذرہ احوال مذکورہ وغیر مذکورہ گزشتہ وموجودہ و آئندہ کو رب العزت عزوجل کا علم ازلاً ابداً معاً تفصیلاً محیط ہے اور یہ سب انہیں دوپاک کلمہ یعلم ما فی الارحام (جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے۔ت) کی شرح میں داخل۔ تم اپنے ہی گھر کے ایک ہی پیٹ کے مختصر احوال کے کروڑوں حصوں سے ایک حصہ کا بھی ہزارواں حصہ نہیں بتا سکتے اور عالم ارحام بننے کے مدعی نہ سہی ماضیہ وآتیہ کو بھی جانے دو، صرف موجودہ ہی لو اور حالات میں بھی فقط موجودہ ہی پر قناعت کرو۔ کیا انہیں کو تمہارا علم عام ہے **سبحان اللہ** **اوّلاً** ان کا بھی علم بالفعل کہاں تمام عالم میں جتنے حمل اس وقت موجود ہیں سب کی گنتی تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا سب کے حال پر اطلاع کجا۔ **ثانیاً** اچھا علم بالفعل سے بھی گزر وصرف بذریعہ آلہ امکان علم ہی پر قناعت کرو کہ گو ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر جو پاس آئے اور قدرت ملے تو آلہ لگا کر جان سکتے ہیں اگرچہ صاف ظاہر کہ یہ علم نہ ہوا کھلا جہل واقرار جہل ہوا، تاہم موجود حملوں میں آدمی کے حمل اور ہر گونہ جانور طیر ووحش وسباع و بہائم وہوام سب کے سب گابھ داخل، ذرا کوئی پادری صاحب آلہ آپ لگا کر یا کسی ڈاکٹر صاحب سے

لگوا کر بتائیں تو کہ چیونٹی کے پیٹ میں کَے انڈے ہیں، ان میں کتنی چیونٹیاں کتنے چیونٹے ہیں۔ایک چیونٹی کیا خفاش کے سب پرند اور نیز مچھلیاں، سانپ، گرگٹ، گوہ، ناکا، سقنقور وغیرہا لاکھوں جانور کَے انڈے دیتے ہیں پادری صاحب کی حکمت سب جگہ بیکار ہے کیا یہ یعلم مافی الارحام میں داخل نہ تھے۔**ثالثًا** اور اتروں فقط بچے ہی والوں پر قناعت سہی کیا ان سب کے پیٹ آلے کے قابل ہیں۔**رابعًا خامسًا تا عاشرًا** وغیرہ، اس سے بھی درگزروں فقط قابل آلہ فقط انسان بلکہ فقط امریکا یا انگلستان بلکہ فقط پادریان بلکہ فقط پادری فلاں بلکہ ان کے گھر کا بھی فقط ایک ہی پیٹ بلکہ وہ بھی فقط اسی وقت جب بچہ خوب بن لیا اور اپنی نہایت تصویر کو پہنچ چکا اور وہ بھی فقط اتنی ہی دیر کے لئے جبکہ میم صاحبہ کے پیٹ میں آلہ لگا ہوا ہے کلام کروں اب لو لاکھوں عموم کے دریا سمٹ کر صرف بالشت بھر کی ایک ہی گھڑیا کی تلاش رہ گئی کیوں پادری صاحب کیا آپ کے مافی الرحم میں صرف بچہ کا آلہ تناسل داخل ہے کہ نرمادہ بتایا اور یعلم مافی الارحام صادق آیا اس کے اعضائے اندرونی کیا رحم میں نہیں جنین کے دل ودماغ گردے شش سپرز مثانے تلخہ امعا معدے رگ پٹھے عظم عضلے ایک ایک پرزے کا وزن مقدار مساحت طول عرض عمق فربہی لاغری کے اختلافات غرض سب حالات صحیح صحیح محقق مفصل نہ فقط شرابی کی زق زق یا اندھے کی اٹکل بیان کرو۔اچھا جانے دو اندرونی اعضائے آلہ وآلہ پرست سب کورے کورہیں بیرونی ہی سطح کا حصہ سہی۔بولو میس میڈم جو پیٹ میں جلوہ آرا ہیں، ان کے سر پر کتنے بال ہیں، ہر بال کا طول کس قدر، عرض کتنا، عمق کس قدر، وزن کتنا، جلد میں مسام کتنے ہیں، ہر سوراخ کے ابعاد ثلثہ کیا کیا ہیں، ان میں کتنے باہم ایک دوسرے سے ۱۳/ ۹ کی نسبت رکھتے ہیں ہر ایک باقی سے کتنا متفاوت ہے بغل اور سینے اور ران اور پیر اور دونوں لب بالا چاروں لب زیرین وغیرہا جوڑوں وصلوں میں ہر ایک کا زاویہ کس حد ونہایت تک پھیل سکتا ہے۔کئی درجے دقیقے ثانیے عاشرے وغیرہا تک پہنچتا ہے دس تجاویف [عـــہ] ظاہرہ میں طبعًا

عـــہ: پنج درنصف بالا صماخین ومنخرین ودہن وپنج درنصف زیریں ثقبہ درقلہ جبل الزہرہ کہ سترہ وناف تا مند وسہ درداماں از انہا دو در ابرۃ الزہرہ کہ بطر د نوف خوانندہ یکے پائینش کہ مہبل گویند کہ وپنجم فرجہ پسین ۱۲۔

پانچ اوپر والے نصف میں، دو کانوں کے اندر، دوناک کے اندر اور ایک منہ۔اسی طرح پانچ نیچے والے نصف میں، جبل الزہرہ کے بالائی حصہ میں سوراخ جسے سرہ اور ناف کہا جاتا ہے اور تین اس کے داماں میں ہیں جن میں سے دوابرہ زہرہ میں جن کا نام بظر اور نوف ہے اور نیچے کی طرف جسے مہبل کہتے ہیں اور پانچواں سوراخ پیچھے کی طرف۔۱۲۔(ت)

وقسراً کہاں تک پھیلنے کی قابلیت ہے کہ اس سے ذرہ بھر قسر زائد واقع ہو توقطعاً خارق ہو اور اس حد تک یقینا تحمل کے قابل ولائق ہو تجاویف حاصلہ وتجاویف صالحہ میں ہر جگہ کتنا تفرقہ ہے۔الٰی غیر ذٰلك من الاحوال الزاھرۃ فی السطوح الظاھرۃ (اس کے علاوہ روشن احوال، ظاہر سطحوں میں۔ت) یہ تمام تفاصیل تو یعلم ما فی الارحام کے لاکھوں سمندروں سے ایک خفیف قطرہ بھی نہیں اسی کو بتادو۔

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾"[1]	پھر اگر نہ بتاؤ اور ہر گز نہ بتاسکوگے توڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پہاڑ، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

بالجملہ اس اعتراض کی ایک بہت ناقص نظیر یہ ہوسکتی ہے کہ بادشاہ تمام روئے زمین اپنی مدح کرے، میں ہوں مالک خزائن عامرہ میں ہوں صاحب اموال متکاثرہ، میرے لئے ہیں بلاد وقری کے محصول، پہاڑوں کے حاصل، صحراؤں کی کانیں، دریاؤں کے محاصل، یہ سن کر ایک بے ادب، گستاخ، فقیر، قلاش، گدیہ گر، بے معاش، لنجھا، بولا، اندھا، ہیولے چوتڑوں کے بل گھسٹتا بادشاہ ہی کے کسی گاؤں میں بادشاہ ہی کی رعیت سے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بادشاہ ہی کے دیئے ہوئے مال سے ایک پھوٹی کوڑی مانگ لائے اور سربازار تالیاں بجائے کہ لیجئے بادشاہ تو اپنے ہی آپ کو مالک خزائن واموال ومحاصل معادن وبحار وجبال بتاتا تھا یہ دیکھو مدتوں مصیبت جھیل کر پاپڑ بیل کر ہم نے بھی ایک کانی کوڑی پائی ہے کیوں ہم بھی مالک خزائن ومحاصل بحار ہوئے یا نہیں مسلمانوں نہ فقط مسلمانوں ہر قوم کے عاقلوں کیا اس اندھے کا ہلکا سا لقب مجنون نہ ہوگا کیا اس سے نہ کہا جائے گا کہ او بے عقل اندھے کیا بادشاہ نے کہیں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے خزانہائے عامرہ کے سوا ممکن نہیں کسی کے پاس کوئی پھوٹی کوڑی نکل سکے اگرچہ ہماری عطا کی ہوئی ہو، حاش للہ سلطان نے تو جابجا صاف فرمادیا ہے کہ ہم نے اپنی رعایا کو بہت اموال کثیرہ عطایائے عزیزہ انعام فرمائے ہیں اور ہمیشہ فرمائیں گے، ہاں اصل مالک ہمارے سوا کوئی نہیں نہ ہمارے برابر کسی کا خزانہ ہو، او مجنون اندھے! کیا یہ بھیک کی کوڑی لاکر تو اس کا ذاتی مالک بے عطائے سلطان ہوگیا یا اس پھوٹی کوڑی سے تیرا مال خزائن شاہی کے برابر ہولیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

اور جب کچھ نہیں تو کس ملعون بناء پر فرمان شاہی کی تکذیب کرتا اور قہر جبّار قہار سے نہیں ڈرتا ہے۔ہاں ہاں یہ پادری معترض اس اندھے سے بھی بہت بدتر حالت میں ہے اندھا فقیر اور وہ بادشاہ کبیر دونوں ان باتوں میں کانٹے کی تول برابر ہیں کہ دونوں مالک بالذات نہیں، دونوں مالک حقیقی نہیں، دونوں کی ملک مجازی حادث، دونوں کی ملک فانی زائل، دونوں حقیقت میں نرے محتاج، دونوں بے شمار خزانوں کے مجازًا بھی مالک نہیں، پھر اس کوڑی کو اس کے خزائن سے ایک نسبت ضرور کہ دونوں محدود اور ہر متناہی کو دوسری متناہی سے کچھ نسبت ضرور دے سکتے ہیں اگرچہ نسبت نما میں ہزار صفر لگا، بخلاف علم حقیقی خالق و علم اسمی مخلوق جن میں اصلًا کوئی تناسب ہی نہیں وہ ذاتی یہ عطائی، وہ غنی یہ محتاج، وہ ازلی یہ حادث، وہ ابدی یہ فانی، وہ واجب یہ ممکن، وہ ثابت یہ متغیر، وہ کامل یہ ناقص، وہ محیط یہ قاصر، وہ ازلًا ابدًا نامتناہی در نامتناہی در نامتناہی، یہ ہمیشہ ہر وقت معدود و محدود، پھر متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت بتاہی نہیں سکتے کہ یہ اس کا فلاں حصہ ہے، بھلا اس اندھے کو تو ہر عاقل مجنون کہتا ان اندھوں کو کیا کہا جائے، یہ تو مجنون سے بھی کئی لاکھ درجے بدتر ہوئے، اور اندھے پن میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر، اس کی آنکھیں تو باقی ہیں اگرچہ بے نور ہیں، یہاں آنکھوں کا نشان تک نہیں، ہاں ہاں کون سی آنکھیں، یہ دو چتلی کوڑیاں نہیں جو خرو خوک سب کے منہ پر لگی ہوتی ہیں بلکہ ہیئے کی، جنہیں قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ "[1]	تو ہے یوں کہ ان کافروں کی آنکھیں اندھی نہیں وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

والعیاذ باللہ رب العٰلمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خیر کسی کافر سے کیا شکایت مجھے تو ان ناسمجھ مسلمانوں سے تعجب آتا ہے جو مہمل و بے معنے شکوک واہیہ سن کر متحیر ہوتے ہیں، سبحان اللہ اللہ اللہ اللہ کہاں اللہ رب السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشہادہ سبحٰنہ وتعالٰی اور کہاں کوئی بے تمیز بونگا ہیولی ہنقہ ناپاک ناشتہ کھڑے ہو کر موتنے والاع

ببیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی

(دیکھا کہ تو نے کس سے قطع تعلق کیا اور کس کے ساتھ منسلک ہوا ہے۔ت)

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی

[1] القرآن الکریم ۲۲ / ۴۶

پاک باندی ستھری کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہو اسے دوسرے کا گائیں، خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے لوٹیوں کے بھوکے روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دَر دَر چبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گزری ادھر موت کے بعد کفار کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے۔ طرفہ خدا جس پر لعنت آئے جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون۔ تف تف وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اسی کے گوشت پر دانت رکھیں، اف اف وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بیہودہ کلام گھڑیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زِہ زِہ بندگی خَہ خَہ بندگی خَہ خَہ تعظیم، پَہ پَہ تہ-ذیب قَہ قَہ تعلیم (مثال کے لئے دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۳ ورس [عہ۱] ۱۵ تا ۱۸) خدا کا معاذاللہ زنا کی خرچی کو مقدس ٹھہرانا اور اپنے مقربوں کے لئے اسے چن رکھا کہ کھائیں اور مستائیں۔ ایضًا کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس [عہ۲] ۳۰ تا ۳۸ سیدنا لوط علیہ الصلٰوۃ والسلام کا معاذاللہ اپنی دختروں سے

عــــہ۱: وہ عبارت یہ ہے (۱۵) اس دن ایسا ہوگا کہ صور کسی بادشاہ ایام کے مطابق ستر برس تک فراموش ہوجائیں گی، اور ستر برس کے پیچھے صور کو چھنال کے مانند گیت گانے کی نوبت ہوگی۔ (۱۶) او چھنال جو کہ فراموش ہوگئی ہے بربط اٹھالے اور شہر میں پھرا کر تار کو خوب چھیڑ اور بہت سی غزلیں گا تاکہ تجھے یاد کریں (۱۷) کیونکہ ستر برس کے بعد ایسا ہوگا کہ خداوند صور کی خبر لینے آئے گا اور پھر وہ خرچی کے لئے جائے گی اور روئے زمین کی ساری مملکتوں سے زنا کرے گی (۱۸) لیکن اس کی تجارت اور اس کی خرچی خداوند کے لئے مقدس ہوگی اس کا مال ذخیرہ نہ کیا جائے گا اور رکھ چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کے سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔

عــــہ۲: (۳۰) اپنی دونوں بیٹیوں سمیت پہاڑ پر جارہا (۳۱) پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا (۳۲) آؤ ہم باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں (۳۳) پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

زنا کرنا بیٹیوں کا باپ سے حاملہ ہو کر بیٹے جننا۔ ایضًا کتاب دوم اشمویل نبی باب ۱۱ ورس عـــہ۱ ۲ تا ۵ سید نا داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا اپنے ہمسائے کی خوبصورت جورو کو ننگی نہاتے دیکھ کر بلانا اور معاذاللہ اس سے زنا کرکے پیٹ رکھانا، ایضًا کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ ورس عـــہ۲ یکم تا ۲۱ معاذاللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۳۴) دوسرے روز پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جاکے اس سے ہم بستر ہو (۳۵) سو اس رات چھوٹی اس سے ہمبستر ہوئی (۳۶) سولڑکی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۷) اور بڑی ایک بیٹا جنی اس کا نام موآب رکھا وہ موآبیوں کا جو اب تک ہیں باپ ہو (۳۸) اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اس کا نام بنی عمی رکھا وہ بنی عمون کا جو اب تک ہیں باپ ہو اھ مختصرًا ۱۲۔

عـــہ۱: (۲) ایک دن شام کو داؤد چھت پر ٹہلنے لگا وہاں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہارہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی (۳) تب داؤد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا حتی اور یاہ کی جورو (۴) داؤد نے لوگ بھیج کے اس عورت کو بلالیا اور اس سے ہمبستر ہوا وہ اپنے گھر چلی گئی (۵) اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اھ مختصرًا۔

عـــہ۲: (۱) خداوند کا کلام مجھے پہنچا اس نے کہا (۲) اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) انہوں نے مصر میں زناکاری کی وے اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں ان کی بکر کے پستان چھوئے گئے (۴) ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیبہ اور وے میری جوروان ہوئیں (۵) اہولیبہ جن دنوں میں میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اسوریوں پر عاشق ہوگئی (۶) وے سرلشکر اور حاکمان تھے دلپسند جوان ارغوانی پوشاک (۷) اس نے ان سب کے ساتھ چھنالہ کیا (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اس نے مصر میں کی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انہوں نے اس کی بکر پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر اُنڈیلی تھی (۹) اس لئے میں نے اس کے یاروں کے ہاتھ میں، ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تھی کردیا (۱۰) انہوں نے اس کو بے ستر کیا (۱۱) اس کی بہن اہولیبہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے (باقی برصفحہ آئندہ)

خدا کی دوجوروؤں کاقصہ اور سخت شرمناک الفاظ میں ان کی بے حد زناکاریوں سے شہوت رانیوں کاتذکرہ نیاعہد نامہ پورلیس رسول کاخط کلیٹوں کو باب ۳ ورس ۱۳ انصاری کے یسوع مسیح مصنوع کاملعون ہونا الٰی غیر ذٰلک ممالایعد ولایحصی۔

"اٰمَنَّابِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَاوَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ ۚ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ	ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب اوران کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسٰی وعیسٰی اور جو عطاکئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بدتر ہوئی، اس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور جواس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر چڑھتے اور دل پسند جوان تھے، عاشق ہوئی (۱۳) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہو گئی (۱۴) بلکہ اس نے زناکاری زیادہ کی کیونکہ جب اس نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں شنگرف سے کھچی تھیں (۱۵) کمروں پر ٹپکے کسے سروں پر اچھی رنگین پگڑیاں (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ ان پر مرنے لگی اور قاصدوں کوان کے پاس بھیجا (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اورانہوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیااور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی تواس کاجی ان سے بھر گیا (۱۸) تب اس کی زناکاری علانیہ ہوئی اوراس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسامیراجی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھاویسامیرادل اس سے بھی ہٹا (۱۹) تسپر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی زناکاری پر زناکاری کی (۲۰) سووہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کابدن گدھوں کاسابدن اور جن کاانزال گھوڑوں کاساانزال تھا (۲۱) اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کہ جس وقت مصری تیری جوانی کے پستانوں کے سبب تیری چھاتیاں ملتے تھے یاددلائی اھ ملخصًا۔

عـــہ۲: مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکا دیا گیاسو لعنتی ہے ۱۲۔

اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ "[1]	میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ (ت)
" اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ "[2]	ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ (ت)
" اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ "[3]	وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)
فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ "[4]	توخرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس ہے کہ ان کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔ (ت)

اللہ اللہ یہ قوم یہ قوم یہ سراسر لوم یہ لوگ یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ جنہیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلندی وعظمت والا ہے۔ت) یہ پہلی اپنی ساختہ بائبل توسنبھالیں قاہر اعتراض باہر ایراد اس پر سے اٹھالیں، انگریزی میں ایک مثل کیاخوب ہے کہ شیش محل کے رہنے والا پتھر پھینکنے کی ابتدا کرے یعنی رب جبار قہار کے محکم قلعوں کو تمہاری کنکریوں سے کیاضرر پہنچ سکتاہے، مگرادھر سے ایک پتھر بھی آیاتو حجارۃ من سجّیل (کنکر کا پتھر۔ت) کاسماں کعصف ماکول (کھائی ہوئی کھیتی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸و۱۹

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

کامزہ چکھادے گا۔

"وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ" [1] واٰخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصّلٰوۃ والسلام علی خاتم النبیین سیّدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔اور درودوسلام ہو آخری نبی پر جو ہمارے آقا ومولا محمد مصطفٰی ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔آمین! (ت)

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن

المصطفٰی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

الصمصام علی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مسئلہ ۲۵۹: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ شمس الدین صاحب

قرآن پاک میں "لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾"[1] (نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے۔ت) اہل نار کی حالت لکھی ہے حالانکہ انسان کو حیات یا ممات کا ہونا ضروری ہے، پس بعد اثبات وجود کے ارتفاع نقیضین کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب:

قرآن عظیم محاورہ عرب پر اُترا ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔(ت)

اور عرب بلکہ تمام عرب و عجم کا محاورہ ہے کہ ایسی کرب شدید و مصیبت مدید کی زندگی کو یوں ہی کہتے ہیں کہ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں، لاحیی فیرجی ولا میت فیرثی (نہ زندہ ہے کہ امید رکھی جائے اور نہ مردہ ہے کہ مرثیہ کہا جائے۔ت) اس کا بیان دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ:

"یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ"[3]	اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔

یاتیہ الموت من کل مکان یہ "لایحیی" اور ماھو بمیت یہ "لایموت فیھا" ہوا، اور موت وحیات نقیضین نہیں کہ انسان نہ موت ہے نہ حیات، بلکہ ان میں تقابل تضاد ہے اگر موت وجودی ہے اور عدم وملکہ اگر عدمی۔

والاول ھو الصحیح عندی الظاھر قولہ تعالٰی "خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ"[4] والحدیث	اور اول ہی میرے نزدیک صحیح ہے اللہ تعالٰی کے ظاہر فرمان کی وجہ سے کہ اس نے موت اور

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۷۴ و ۸۷/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۶۷/ ۲

ذبح الکبش یوم القیمۃ[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	حیات کو پیدا کیا، اور قیامت کے دن مینڈھے کو ذبح کرنے والی حدیث کی وجہ سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از میرٹھ چمار دروازہ لنگڑی مسجد مکان جناب قاری مولوی محمد اسحاق صاحب مسئولہ محمد یعقوب صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۱ھ

آیت "فَلَمَّآ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ"[2] (جب ان کو رجفہ نے پکڑا۔ ت) میں ایک شخص رجفہ کے معنی "کڑکڑانے" کے کہتا ہے، اور ایک شخص کہتا ہے کڑکڑانے کے معنی نہیں ہیں بلکہ رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں جلالین شریف میں اور دیگر تفاسیر میں اور لغت کی کتابوں میں رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں کڑکڑانے کے نہیں ہو سکتے۔۔ وہ شخص پہلا یہ کہتا ہے کہ درایت اس کو چاہتی ہے کہ رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہوں اور یہی ہیں کیونکہ ان کا کڑکڑانا عذاب کا سبب ہوا تھا اس واسطے رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ پہلے کا قول صحیح ہے جو رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے کرتا ہے یا ثانی کا جواب کہ معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اور پہلا شخص **من فسر برائہ**[3] (جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی۔ ت) کا مصداق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اہلسنت وجماعت کے موافق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

رجفہ کے معنی یہ کڑکڑانا محض باطل وبے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افتراء اور اس کا استدلال کہ وہ سبب استدلال آیت میں دوسری تحویل اور لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف تبدیل ہے کہ اخذ عذاب حقیقت ہے اور سبب کی طرف اسناد مجاز یا بحذف مضاف تقدیر وبال کی جائے، بہر حال محض بلا وجہ بلکہ بلا مجال وحی عدول بہ مجاز ہے کہ باطل ونا مجاز ہے۔ اسی قصہ میں دوسری

---

[1] روح البیان تحت الآیۃ وفدیناہ بذبح عظیم ۲۳/ ۴۷۷ و مرقاۃ المفاتیح تحت الحدیث ۵۵۹۱، ۹/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۵

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹، احیاء العلوم کتاب آداب تلاوۃ القرآن الباب الرابع مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۲۸۹

جگہ "فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ"[1] (توتم کو صاعقہ نے پکڑا۔ت) فرمایا صاعقہ کے معنی میں بھی اسی دلیل سے یہی کڑکڑانا ہوگا بلکہ جہاں جہاں قرآن عظیم نے اقوال کفار پر نار یا حمیم یا غساق وغیرہا کاذکر فرمایا ہے ان سب کے معنی میں یہی کڑکڑانا آئے گا کہ یہی اس عذاب کا سبب ہوا ایسی بات علم تو علم عقل سے بعید ہے۔ وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۱: از احمد آباد گجرات دکن محلّہ جماپور مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۵/رجب ۱۳۳۶ھ

اخرج محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمٰن۔	محمد بن جریر طبری نے محمد بن ابراہیم سے تخریج کی کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ اسی طرح ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی کرتے تھے۔ (ت)

یہ روایت تفسیر ابن جریر میں اور تفسیر درمنثور میں اور تفسیر کبیر میں کس آیت کی تفسیر میں ہے؟

الجواب:

درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۸:

اخرج ابن المنذر وابن مردویہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأتی اُحد اکل عام فاذا تفوہ الشعب سلم علی قبور الشھداء فقال سلٰم علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار	ابن منذر اور ابن مردویہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لاتے تھے۔ جب گھاٹی کی فراخی میں داخل ہوتے تو قبور شہداء پر سلام کہتے ہوئے یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

وابوبکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[1]	سیدنا ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

ابن جریر جلد ۱۳ص ۸۴:

حدثنی المثنی ثنا سوید قال اخبرنا ابن المبارك عن ابراهیم بن محمد عن سهیل بن ابی صالح عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنهم۔[2]	مجھے مثنی نے بحوالہ سوید حدیث بیان کی۔سوید نے کہا ہمیں ابن المبارک نے خبر دی، انہوں نے ابراہیم بن محمد سے، انہوں نے سہیل بن ابو صالح سے، انہوں نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کابدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر کبیر جلد ۵ص ۲۹۵:

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان یأتی قبور الشهداء رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة هکذا کانوا یفعلون رضی اللہ تعالٰی عنهم۔[3]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کابدلہ تو آخرت کا گھر کیا ہی خوب ملا۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر نیشاپوری جلد ۱۳ص ۹۲:

وروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے

[1] الدر المنثور تحت آیت ۱۳/ ۲۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۶۸-۵۶۷
[2] جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعة المیمنة مصر ۱۳/ ۸۴
[3] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعة المیمنة مصر ۱۹/ ۴۵

انہ کان یأتی قبور الشھداء علٰی رأس کل حول فیقول سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[1]۔فقط	اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔(ت)

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور بازار سبزی منڈی مرسلہ محمد امین تاجر ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقسیم قرآن شریف برائے فیض پیرائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ تیس پارہ پر ہے، کوئی پارہ سورت سے شروع ہوا اور کوئی رکوع سے اور کوئی درمیان رکوع سے، اور کوئی پارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا، اس کے واسطے کوئی قاعدہ ہے جس کی رعایت ہر پارہ میں ہے یا بلارعایت قاعدہ کلیہ مقرر کردی ہے؟ الحمد کو پارہ اول سے علیحدہ رکھا ہے اور ربما سے ایک آیت چھوڑدی شروع سورت سے اس کا سراور جو کچھ اوراس میں مرعی ہے حضور ہی بیان فرماسکتے ہیں اور ہم جہلا کی تسکین حضور پرنور ہی کے قلم سے ہوسکتی ہے۔

الجواب:

پاروں پر تقسیم امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہ کی نہ کسی صحابی نہ کسی تابعی نے۔ معلوم نہیں اس کی ابتدا کس نے کی، یہ بہت حادث ہے، ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتداء کی اس نے اپنے پاس کے مصحف شریف کو تیس حصوں پر کہ باعتبار عدد اوراق مساوی تھے تقسیم کرلیا اور یہ تقسیم ان ان مواقع پر آکے واقع ہوئی، اور یہی ان بلاد میں رائج ہوگئی، سب جگہ اس پر اتفاق بھی نہیں بلکہ شام وغیرہ کی تقسیم اس سے کچھ مختلف ہے۔ بہر حال یہ کچھ ضروری بات نہیں نہ اس کے ماننے میں حرج۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۳: از بارکپور محلّہ مرغی محال متصل کنجڑام حال مرسلہ حافظ محمد جعفر پیش امام ۱۰/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید بااعراب خداوند کریم کی طرف سے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا یا اعراب بعد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درست کیا گیا؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی عبارت کریمہ نازل ہوئی عبارت میں

[1] غرائب القرآن تحت آیۃ ۱۳/ ۲۴ مصطفی البابی مصر ۱۳/ ۸۳

اعراب نہیں لگائے جاتے حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثل امیر المومنین عثمٰن غنی وحضرت زید بن ثابت وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے لکھتے ان کی تحریر میں بھی اعراب نہ تھے یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۴: از موضع پاکڑی ضلع گوڑگانوہ ڈاکخانہ ڈہنیہ مسئولہ محمد یسین خاں ۱۰/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تفسیر قادری معتبر ہے یا غیر معتبر؟

الجواب:

یہ اُردو کتاب ہے میں نے نہیں دیکھی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

محافل ومجالس

(میلاد و گیارہویں شریف وغیرہ)

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ ۱۲۹۹ھ

(نبی تہامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام تعظیمی پر اعتراض کرنے والے پر قیامت قائم کرنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۶۵: از ریاست مصطفٰی آباد عرف رامپور بضمن سوالات کثیرہ ۱۲۹۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کیا ہے، بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث رکھتے اور اسے بدیں وجہ کہ

قرون ثلٰثہ میں نہ تھا بدعت سیئہ وحرام سمجھتے اور کہتے ہیں ہمیں صحابہ وتابعین کی سند چاہئے ورنہ ہم نہیں مانتے۔ان کے اقوال کا حل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

الحمدلله الذی باذنه تقوم السماء والصّلٰوة والسلام علٰی من قامت به ارکان الشریعة الغرّاء سیّدنا و مولانا محمد الذی قامت فی مولده ملئکة العلیا وعلٰی اٰله وصحبه القائمین باٰداب تعظیمه فی الصبح و المساء واشهد ان لااله الا الله وحده، لاشریك له و ان محمدا عبده، ورسوله، قیم الانبیاء صلوات الله و سلامه علیه وعلیهم ماقامت تسبیح القیام اشجار الغبراء وسجدت للحی القیوم نجوم الخضراء اٰمین! قال القائم ببعض الضراعة الٰی صاحب المقام المحمود والشفاعة عبدالمصطفٰی احمدرضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفرالله له واقامه مقام السلف الکرام البررة الکلمة اٰمین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس کے حکم سے آسمان قائم ہے۔درود وسلام ہو اس ذات پر جس کے ذریعے روشن شریعت کے ارکان قائم ہیں وہ ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کے میلاد کے وقت عالی مرتبت ملائکہ نے قیام کیا، اور آپ کی آل واصحاب پر جو صبح وشام آپ کے لئے آداب تعظیم کی بجاآوری میں قائم رہے، میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلاہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ انبیاء کرام کے متولی و نگران ہیں،آپ پر اور تمام انبیاء پر درود وسلام ہو جب تک غبار آلود درخت تسبیح کے ساتھ قائم رہیں اور جب تک آسمان کے ستارے بارگاہ حی وقیوم میں سجدے کرتے رہیں،آمین! مقام محمود اور شفاعت کے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عاجزانہ قیام کرتے ہوئے کہتاہے عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اسے سلف صالحین کا قائم مقام بنائے۔آمین۔ (ت)

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت فرما۔ت)

یہاں دو مقام واجب الاعلام ہیں:

اولاً: اس مقام مبارک پر اپنے طور پر کتب وفتاوائے علماء قدست اسرارھم سے حکم بیان کرنا جس سے بعونہٖ موافقین کے لئے ایضاح حق واضاحت باطل ہو، اور منصب فتوٰی اپنے حق کو واصل ہو۔

ثانیاً: اس مغالطہ کاجواب دیناجو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر واصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرون ثلٰثہ میں نہ تھاتوبدعت وضلالت ہوا۔اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہ وہی کرتے اس فعل اوراس کے مثال امورنزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اسی قدرہے جس کی بناپر اہلسنت وسوادِاعظم ملت وہزاران ائمہ شریعت وطریقت کو معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خداوترس روزجزادل میں نہیں لاتے۔مقام افتاء اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جانہیں مگرایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبانہیں، لہٰذافقیر مقام دوم میں چنداجمالی جملے حاضر کرے گا جن کے مبانی دیکھئے حرفے چند اور معانی سمجھئے توبس جامع و بلند۔وباللہ التوفیق فی کل حین وعلیہ التوکل وبہ نستعین والحمدللہ رب العٰلمین۔

مقام اوّل: اللہ عزوجل نے شریعت غرا، بیضا، زہرا، عامہ، تامہ، کاملہ، شاملہ اتاردی اور بحمدہٖ تعالٰی ہمارے لئے ہمارادین کامل فرما دیااور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرما دی۔قال اللہ تعالٰی:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ"[1] والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی من بہ انعم علینا فی الدنیا والدین وبہ ینعم ان شاء اللہ تعالٰی فی الاٰخرۃ الٰی ابدالاٰبدین۔	آج میں نے تمہارے لئے تمہارادین کامل کردیااور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔(ت) تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کاپروردگار ہے اور درود نازل ہو اس ذات پر جس کے صدقے اللہ تعالٰی نے دین ودنیا کی نعمتیں ہمیں عطافرمائیں۔اوران کے طفیل ان شاء اللہ ابدالآباد تک آخرت کی نعمتیں بھی ہمیں عطا ہوں گی۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

الحمدلله ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: **حسبنا کتاب الله**[1]۔ (ہمیں قرآن عظیم بس ہے)

مگر قرآن عـــہ عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح اس سے نکال لیناعام کو نامقدور ہے اس لئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے: **اوّل:**

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ"[2]	جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) لو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لئے ہے تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"[3]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شیئ ہر چیز ہر موجود کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی وللہذا فرمایا:

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"[4]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کے لئے بیان فرمادو جو کچھ ان کی طرف اُترا ہے۔

یعنی اے محبوب! تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو، لہٰذا آیۃ کریمہ اولٰی میں **نزلنا علیك** فرمایا جو خاص حضور کی نسبت ہے اور آیۃ کریمہ ثانیہ میں **ما نزّل الیھم** فرمایا جو نسبت بہ امت ہے۔ **دوم:**

"فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ	علم والوں سے پوچھو جو تمہیں

عـــہ: قرآن امام حدیث ہے، حدیث امام مجتہدین، مجتہدین امام علما، علماء امام عوام الناس۔ اس سلسلہ کا توڑنا گمراہ کا کام۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ " عــــہ[1]	نہ معلوم ہو۔

مصنف نے یہاں معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

اقول: ھذا من محاسن نظم القراٰن العظیم امر الناس ان یسئلوا اھل العلم بالقراٰن العظیم وارشد العلماء ان لایعتمدوا علی اذھانھم فی فھم القراٰن بل یرجعوا الی مابیّن لھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم فردالناس الی العلماء والعلماء الی الحدیث و الحدیث الی القراٰن وان الی ربك المنتھٰی فکما ان المجتھدین لوترکوا الحدیث ورجعوا الی القراٰن فضلوا کذٰلك العامة لوترکواالمجتھدین ورجعوا الی الحدیث فضلوا ولھذا قال الامام سفٰین بن عیینة احد ائمة الحدیث قریب زمن الامام الاعظم و الامام المالك رضی اللہ تعالٰی عنھم الحدیث مضلة الاالفقھاء نقلہ عنھم الامام ابن الحاج مکی فی مدخل۔[2]	**میں کہتاہوں** کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایااس کی طرف رجوع لائیں تولوگوں کو علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہاء ہے توجس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑدیتےاور قرآن کی طرف رجوع کرتے بہک جاتے یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں توضرور گمراہ ہوجائیں، اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہاکہ امام اعظم وامام مالک کے زمانہ کے قریب حدیث کے اماموں سے تھے فرمایا کہ حدیث بہت گمراہ کردینے والی ہے مگر فقہاء کو، اسے امام ابن حاج مکی نے مدخل میں نقل فرمایا ۱۲ مصحح غفرلہ (ت)

عــــہ: اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے: "بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ "[3] الاٰیۃ۔	روشن دلیلیں اور کتابیں لے کر اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

[3] تعلیقات المصنف علی معالم التنزیل تحت الآیۃ ۱۶/ ۴۴، ۴۳

حوادث غیر متناہی ہیں احادیث میں ہر جزئیہ کے لئے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی ان کا حفظ وضبط نامقدور ہوتا پھر مدارج عالیہ مجتہدان امت کے لئے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے نیز اختلافات ائمہ کی رحمت ووسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہٰذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف استعارہ فرمایا اس کی تفصیل وتفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ ف تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل وتفصیل مجمل وتقیید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آئے ہر زمانہ کے حوادث تازہ احکام اس زمانے کے علماء کرام، حاملان فقہ وحامیان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے **حتی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک** (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اپنا امر لے آئے اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں۔ت) درمختار میں ہے:

ولایخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلٰی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبرائۃ ذمتہ[1]۔	زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

جزم بذٰلك اخذ امما رواہ البخاری من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ قولہ وعلٰی من لم یمیز عبر بعلی المفیدۃ للوجوب للامر بہ فی قولہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر	شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لئے

[1] الدرالمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

ف: حوادث کا پیدا ہوتے رہنا اور ان کے احکام کا۔ اور ایک یہ کہ جو ہر بات پر کہے صحابہ تابعین کی سند لاؤ۔ یا امام ابوحنیفہ کا قول دکھاؤ، وہ مجنون ہے یا گمراہ۔

واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو۔	ان کنتم لاتعلمون۔[1]

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

| جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے ملاتو حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطافرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگرفرض کیاجائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کرجائے توشارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملاہواہے وہ کٹ جائے گااور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔برادرم! غور کر، اگررسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے تونہ متون کی شرح | مافصّل عالم مااجمل فی کلام من قبله من الادوار الا للنور المتصل من الشارع صلی الله تعالٰی علیه وسلم فالمنة فی ذٰلك حقیقة لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الذی هو صاحب الشرع لانه هوالذی اعطی العلماء تلك المادة التی فصلوا بهاما اجمل فی کلامه کما ان المنة بعده لکل دور علٰی من تحته فلوقدر ان اهل دور تعدوا من فوقهم الی الدورالذی قبله لانقطعت وصلتهم بالشارع ولم یهتدوا لایضاح مشکل ولا تفصیل مجمل، وتامل یااخی لولاان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فصل بشریعته مااجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علٰی اجماله کما ان الائمة المجتهدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنة لبقیت السنة علٰی اجمالها وهکذا الی عصرناهذا، فلولاان حقیقة الاجمال |

[1] ردالمحتار مقدمة الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳

سارية فی العالم کلّه ماشرحت الکتب ولاترجمت من لسان الٰی لسان ولاوضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح۔[1]	لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں پھر متون وشروح وحواشی وفتاوٰی وقتًا فوقتًا تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ نصاب الاحتساب وفتاوٰی عالمگیری زمانہ سلطان عالمگیر انار اللہ تعالٰی برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم وصاحبین کا نص لاؤ تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاوٰی اسعدیہ وفتاوٰی حامدیہ و طحطاوی علی مراقی الفلاح وعقود الدریہ وردالمحتار ورسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہورہا ہے دو اول کے سوا یہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل واربعین تک پر اعتماد ہورہا ہے کیا مائۃ مسائل واربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالا ہیں عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھا سکتے ہیں اب ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹو گراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یا امام ابوحنیفہ یا یہ نہ سہی ہدایہ یا درمختار یا یہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار یا یہ سب جانے دو شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ، تو اسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جاسکتا ہے، ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں۔ خطبہ عـــہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی،

عـــہ: ان کا بیان کہ حادث ہو کر مستحب ٹھہریں۔

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل وممایدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوام علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷

درمختار میں ہے:

يندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمّين۔[1]	خطبہ میں چاروں خلفاء کرام اور دونوں عم کریم سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لئے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفاء کرام کا ذکر نہ کیا تھا سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔ اذان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ درمختار میں فرمایا:

التسليم بعد الاذان حدث فی ربيع الاٰخر سنة سبع مائة واحدى وثمانين فی عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة۔[2]	اذان کے بعد صلوٰۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشاء شب دوشنبہ میں حادث ہوا پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلوٰۃ کہی گئی پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی اور یہ ان نوپیدا باتوں سے ہے جو شرعًا مستحب ہیں۔

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے اسی وقت کے علماء معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے مجلس میلاد مبارک و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہو گئی ان پر انہیں علماء کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانہ میں ان کا وجود تھا جیسے مجلس مبارک کے لئے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی وامام خاتم الحفّاظ جلال الدین سیوطی وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالٰی جن کے نام وکلام کی تصریح بار بار کر دی گئی۔ یونہی مسئلہ قیام میں ان علماء کرام کی سند لی جائے جن کا ذکر شریف آیا ہے وباللہ التوفیق بحمداللہ تعالٰی موافقین اہل حق وانصاف ودین کے لئے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا ان کی پروا کیا۔ وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علماء کرام کو مانیں ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل افہام واوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذاللہ مشرک گمراہ بتاتے ہیں، جو ان میں بظاہر نام تقلید

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱
[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

لیتے ہیں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے اہوائے باطلہ کے سامنے قرآن وحدیث کی تو سنتے نہیں پھر ائمہ کی کیا گنتی ان کے منہ سے تقلید امام اور ان سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جانیں ورنہ حالت وہ ہے جوان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر جو کہے "اللہ ورسول نے غنی کردیا" وہ مشرک[1]، حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

"اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" [2]	اللہ ورسول نے انہیں دولتمند کردیا اپنے فضل سے۔

محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے کیا کہا یہ کہ:

"اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾" [3]	میں تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا حالانکہ وہ معنی عطا میں متعین بھی نہیں، بخش بہر وحصہ کو کہتے ہیں تو جبریل کہ صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں دین اسمٰعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن عظیم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء نہ جبریل نہ خود رب العلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم۔ یہ بحث فقیر کے اور رسائل عـــہ میں مفصل ملے گی، یہاں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ مخالفین کی نہ ماننے کی پروا کیا ہے انہوں نے اور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے لہٰذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق ویقین کی طرف کریں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین۔ مولٰی عزوجل توفیق دے تو یہاں منصف غیر متعصب کے لئے اسی قدر کافی کہ یہ فعل مبارک اعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام صدہا سال سے بلاد دار الاسلام میں رائج و معمول، اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرر ومقبول، شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع

عـــہ: خصوصًا کتاب مستطاب "اکمال الطامہ علٰی شرك سوی بالامور العامہ" مصحح ۱۲۔

---

[1] تقویۃ الایمان

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

ان الحکم الا للہ[1]، وانما الحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مما عفا عنہ[2]۔	حکم نہیں ہے مگر اللہ تعالٰی کے لئے۔ اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا، اور جس پر سکوت فرمایا وہ معاف شدہ چیزوں میں سے ہے (ت)

علی الخصوص حرمین طیبین مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ صلی اللہ تعالٰی علٰی منورھما وبارک وسلم کہ مبدء و مرجع دین وایمان ہیں وہاں کے اکابر علماء ومفتیان مذاہب اربعہ مدتہامدت سے اس فعل کے فاعل وعامل و قائل و قابل ہیں ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا بلکہ بلاشبہہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا۔ علامہ عـــہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں:

قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی الائمۃ دیناً وورعاً تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی وتابعہ علٰی ذٰلک مشائخ الاسلام فی عصرہ فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد فیہ قول الصرصری	بیشک وقت ذکر نام پاک سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمہ اللہ تعالٰی سے پایا گیا جوامت مرحومہ کے عالم اور دین و تقوٰی میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی بعض علماء یعنی انہیں امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابو نصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبرٰی میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت

عـــہ: کتب علماء سے قیام کا ثبوت۔

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۹، المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

مدحہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ قلیل لمدح المصطفٰی الخط بالذھب علٰی ورق من خط احسن من کتب وان تنھض الاشراف عند سماعہ قیاماً صفوفاً او جثیاً علی الرکب فعند ذٰلک قام الامام السبکی وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر بذٰلک المجلس ویکفی مثل ذٰلک فی الاقتداء۔[1]	کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑا ہے کہ سب سے اچھا خوشنویس ہواس کے ہاتھ سے چاندی کے پتّر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے اور جولوگ شرف دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سن کر صف باندھ کر سروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی وجملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اوراس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر پیروی کے لئے کفایت کرتا ہے انتہی (ت)

اقول: یہ امام صرصری صاحب قصیدہ نعتیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبیل الہدٰی والرشاد میں اپنے زمانے کا حسان اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا محب صادق فرمایا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہ الشریف کی جلالت شان ورفعت مکان توآفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل ومجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں، اور اس زمانے کے اعیان علماء ومشائخ اسلام کا ان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمداللہ تعالٰی متبعین سلف صالحین کے لئے ایک کافی سند ہے آخر نہ دیکھا کہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایا اسی قدر اقتداء کے لئے بس ہے، عالم کامل عارف باللہ سید سند مولٰینا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کا رسالہ عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرمین محترمین ودیگر بلاد دارالاسلام میں رائج ہے اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اوران مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے اپنے اسی رسالے مبارکہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمة ذوروایة ودرایة فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایة مرامہ ومرماہ۔[1]	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو صاحب روایۃ و درایۃ تھے تو شادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مراد و مقصود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

فاضل اجل سیدی جعفر بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علٰی عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہ محدث مولانا ابن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر لاشك فی استحبابہ واستحسانہ و ندبہ یحصل لفاعلہ من الثواب الاوفرو الخیر الاکبر لانہ تعظیم ای تعظیم للنبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا اللہ بہ من ظلمات الکفر الی الایمان وخلصنا اللہ بہ من نار الجھل الی جنات المعارف والایقان فتعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ مسارعة الٰی رضاء رب العٰلمین واظہار اقوی شعائر الدین ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیرلہ عند ربہ۔[2]	قرأت مولد شریف میں ذکر ولادت شریف سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بیشک مستحب و مستحسن ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر و فضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی ہے تعظیم ان نبی کریم صاحب خُلقِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالٰی ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچاکر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کا آشکار ہونا اور جو تعظیم کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر (مترجم بالاردویة) جامعۃ الاسلامیہ لاہور ص ۲۵و۲۶

[2] اثبات القیام

پھر بعد نقل دلائل فرمایا:

فاستفید من مجموع ماذکرنا استحباب القیام له صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند ذکرولادته لما فی ذٰلك من التعظیم له صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایقال القیام عندذکرولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم بدعة لانا نقول لیس کل بدعة مذمومة کما اجاب بذٰلك الامام المحقق المولی ابوذرعة العراقی حین سئل عن فعل المولد أمستحب اومکروه وهل ورد فیه شیئ اوفعل به من یقتدی به فاجاب بقوله الولیمة واطعام الطعام مستحب کل وقت فکیف اذا انضم الٰی ذلك السرور بظهورنورالنبوة فی هذاالشهر الشریف ولانعلم ذٰلك عن السلف ولایلزم من کونه بدعة مکروهة فکم من بدعة مستحبة بل واجبة اذا لم تنضم بذٰلك مفسد والله الموفق[1]۔	یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ قیام تو بدعت ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی، جیسا کہ یہی جواب دیا امام محقق مولی ابوذرعہ عراقی نے، جب ان سے میلاد کو پوچھا تھا کہ مستحب ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہوا ہے، یا کسی پیشوا نے کی ہے؟ تو جواب میں فرمایا ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے پھر اس صورت میں کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارکہ میں ظہور نبوت کی خوشی مل جائے، اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

قداجتمعت الامة المحمدیة من اهل السنة و الجماعة علی استحسان	بیشک امت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ سے اہلسنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام

[1] اثبات القیام

القیام المذکور وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ۔[1]	مستحسن ہے اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

امام علامہ مدالقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جرت عادۃ القوم بقیام الناس اذا انتھٰی المداح الٰی ذکر مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار السرور التعظیم الخ نقلہ المولی الدمیاطی۔[2]	یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکر میلاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تولوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے الخ (مولٰینا دمیاطی نے اس کو نقل فرمایا۔ت)

علامہ ابوزید رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں:

استحسن القیام عند ذکر الولادۃ۔[3]	ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے۔

خاتمۃ المحدثین زین الحرم عن الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقرأۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واطعام الطعام وغیر ذٰلك ممّا یعتاد الناس فعلہ من انواع البرفان ذٰلك	یعنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم سے حضور کی شب ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

[1] اثبات القیام
[2] اثبات القیام
[3] رسالۃ المیلاد للعلامہ ابی زید

كله من تعظيمه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وقد افردت مسئلة المولد ومايتعلق بها بالتاليف واعتنى بذٰلك كثيرمن العلماء فالفوا فی ذٰلك مصنفات مشحونة بالادلّة والبراهين فلا حاجة لنا الى الاطالة بذٰلک۔[1]	تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اور اس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علماء دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل وبراہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

شیخ مشائخنا خاتمۃ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیہ سیدنا برکتنا علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

القيام عندذكر مولده الاعطر صلى الله تعالٰى عليه وسلم استحسنه جمع من السلف فهو بدعة حسنة۔[2]	ذکر مولد اعطر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعتِ حسنہ ہے۔

پھر علامہ انباری کی موارد الظمآن سے نقل فرماتے ہیں:

قام الامام السبكى وجميع من بالمجلس وكفى بمثل ذٰلك فی الاقتداء[3] اھ ملخصًا۔	امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس نے قیام کیا اور اس قدر اقتداء کے لئے بس ہے۔

مولانا جمال عمر قدس سرہ کے اس فتوٰی پر موافقت فرمائی مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامۃ الورٰی علم الہدٰی مولانا وشیخنا وبرکتنا السید السند احمد وزین دحلان شافعی اور مولٰینا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولٰینا حسین بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرھم اکابر علما نے نفعنا اللہ تعالٰی بعلومھم آمین۔ یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں:

استحسنه كثير من العلماء وهو حسن	اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا، اور وہ حسن ہے

---

[1] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ دار الشفقۃ استانبول ترکیا ص ۱۸

[2] فتاوٰی جمال بن عمر المکی

[3] فتاوٰی جمال بن عمر المکی

لمایجب علینا تعظیمه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم [1]۔	کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے۔

مولٰینا محمد بن یحیٰی حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذ یحضرروحانیته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فعند ذٰلك یجب التعظیم والقیام [2]۔	ہاں ذکرولادت حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روح اقدس حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تواس وقت تعظیم وقیام ضرور ہوا۔
قوله رحمه اللّٰه تعالٰی یجب القیام الخ اقول: اراد التاکد فی محل الادب کقول القائل لحبیبه حقك واجب علیّ وھو من المحاورات الشائعة بینھم کمالا یخفی علٰی من تتبع کلماتھم واما حضور روحانیته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فعلی مافصل ونقح ابی و مولائی مقدام العلماء الکرام فی کتابه اذاقة الاٰثام و اللّٰه تعالٰی اعلم۔	مولانا علیہ الرحمہ کا قول کہ قیام واجب ہے الخ میں کہتا ہوں اس سے مولانا موصوف نے محل ادب میں تاکید کاارادہ فرمایا ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے، یہ عربوں میں مشہور محاورات میں سے ہے، جیسا کہ ان کے کلام کے تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں، رہا حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روحانیت کاجلوہ گرہونا، تو اس کی تفصیل وتنقیح علماء کے پیشوا میرے آقا ووالد گرامی نے اپنی کتاب اذاقۃ الآثام میں کردی ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مولٰینا عبداللہ بن محمد مفتی حنفیّہ فرماتے ہیں: استحسنه کثیرون [3] (اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا ہے)

1
2
3

شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبداللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

تو ارثه الائمة الاعلام واقره الائمة والحکام من غیر نکیر منکرو ردّراد ولهذا کان حسنا ومن یستحق التعظیم غیره صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویکفی اثر عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنهما ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن [1]۔	یہ قیام مشہور بر ابر اماموں میں متوارث چلا آتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برابر رکھا اور کسی نے رَدّ وانکار نہ کیا لہٰذا یہ مستحب ٹھہرا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہل اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی۔

فتوائے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظّمہ مولٰینا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولانا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبدالکریم بن عبدالحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبدالجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیار حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتوٰی مزیّن بخطوط ومواہیر علماء ممدوحین فقیر نے بچشم خود دیکھا اور مدتوں فقیر کے پاس رہا جس میں اکثر مسائل متنازع فیہا پر بحث فرمائی ہے اور دلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر باطل ومردود ٹھہرایا ہے، اس میں دربارہ قیام مذکور ہے:

واما قیام اهل الاسلام عند ذکر ولادته علیه الصّلٰوة والسلام فی ذٰلك المحفل اشاعة للتعظیم واظهار	یعنی ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم واظہار احترام کے لئے قیام کرنا

1

الاحترام فقد صرح فی انسان العیون المشهور بالسیرۃ الحلبیۃ باستحسانه کذٰلك وقال العلامة البرزنجی فی رسالة المولد قداستحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمة ذو درایة وروایة فطوبٰی لمن کان تعظیمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم غایة مرامه ومرماہ[1] انتھی بلفظه اما الحکم بحرمة ذٰلك التعظیم وممانعته بدلیل عدم ذکرہ بالخصوص فی السنة فھو فاسد عند جمھور المحققین قال فی عین العلم والاسرار بالمساعدۃ فیما لم ینه عنه وصار معتادا بعد عصرھم حسنة وان کان بدعة[2] الخ **اقول:** والدلیل علٰی ھذا ماروی ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه مرفوعًا وموقوفًا ماراٰہ المسلمون حسنًا فھو عندالله حسن[3] وقوله علیه الصلٰوۃ والسلام خالقوا الناس باخلاقھم رواہ الحاکم وقال صحیح علٰی شرط الشیخین[4]۔ وقال الامام حجة الاسلام فی	بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے۔اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمہ ذودرایت وروایت کے نزدیک مستحب ہے توخوشی ہو اسے جس کی غایت مراد ومرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے **انتھی** اور اس تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث میں مذکور نہیں حرام و ممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے۔ عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شروع میں نہی نہ آئی اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہی ہو الخ **میں کہتا ہوں** اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور خود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے۔ اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ان کی عادتوں کے مطابق برتاؤ کرو۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور

[1] عقدالجوھر فی مولدالنبی الازھر للبرزنجی (مترجم بالاردویة) جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵و۲۶

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت واٰفات اللسان امرت پریس لاہور ص ۴۱۲

[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۷۸

[4] اتحاف السادۃ المتقین، بحوالہ الحاکم، کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

الاحیاء الادب الخامس موافقة القوم فی القیام اذا قام واحد منهم فی وجد صادق غیر ریاء اوتکلف اوقام باختیار من غیر وجد فلابد من الموافقة فذٰلك من ادب الصحبة ولکل قوم رسم ولابد من مخالقة الناس باخلاقهم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیها حسن العشرة و تطییب القلب و قول القائل ان ذٰلك بدعة لم یکن فی الصحابة فلیس کل مایحکم باباحته منقولًا عن الصحابة و انما المحذور بدعة تراغم سنة ماثورة ولم ینقل النهی عن شیئ من هذا وکذٰلك سائر انواع المساعدات اذا قصد بها تطییب القلب، و اصطلح علیها جماعة، فالاحسن المساعدة الافیما ورد فیه نهی لایقبل التاویل[1] انتهی کلام الامام حجة الاسلام باختصار المرام۔	امام حجۃالاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: "پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش و تکلف یا بلاوجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین اس کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے، اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیساکہ حدیث میں وارد ہوا اور خصوصًا جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کی خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے صحابہ سے ثابت نہیں، تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کاکاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدتیں جب ان کے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کرلیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے، مگر ان باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں"۔ یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد تھا کہ باختصار منقول ہوا، انتہٰی۔

[1] احیاء العلوم کتاب السمع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبعة المشهد الحسینی قاهرہ ۲/ ۳۰۵

آخر روضۃ النعیم میں جو فتوائے علماء کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے ۸ حضرات علماء مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن وخوبی محفل میلاد شریف مذکور:

<table>
<tr>
<td>والحاصل ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف وقرائته بحضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادۃ الرسول الامین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ورش ماء الورد والقاء البخوروتزیین المکان وقرأۃ شیئ من القراٰن والصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واظہار الفرح والسرور فلاشبہۃ فی انه بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ شریفۃ مستحسنۃ اذلیس کل بدعۃ حرامًا، بل قدتکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو وسائر العلوم المعینیۃ علٰی فہم الکتاب والسنۃ کماینبغی، ومندوبۃ کبناء الربط والمدارس، ومباحۃ کالتوسع فی الماکل والمشارب اللذیذۃ والثیاب کما فی شرح المناوی علی جامع الصغیر عن تہذیب النووی فلاینکرھا الامبتدع لااستماع لقوله بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔</td>
<td>یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنااور حال ولادت مسلمانوں کو سنانا اور خیرات ومبرات بجالانا اور ذکر ولادت رسول امین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبوئیں سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن پڑھنا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنااور فرحت وسرور کا ظاہر کرنا بیشک بدعت حسنہ مستحبہ فضیلت اور شریفہ مستحسنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رَد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا، کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیساکہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیاتوان امور کاانکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا، اس کی بات سننا نہ چاہئے بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزادے، واللہ تعالٰی اعلم۔</td>
</tr>
</table>

[1] روضۃ النعیم

اس فتوٰی پر مولٰینا عبدالجبار وابراہیم بن خیار وغیرہما تیس ۳۰ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکہ معظّمہ میں میلادو قیام کااستحباب علمائے سلف سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

فالمنکر لهذا مبتدع بدعة سیئة مذمومة لانکاره علی شیئ حسن عند الله والمسلمین کماجاء فی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال مارأه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن والمراد من المسلمین هٰهنا الذین کملواالاسلام کالعلماء العالمین وعلماء العرب والمصروالشام والروم والاندلس کلهم رواه حسناً من زمان السلف الی الاٰن فصارالاجماع والامرالذی ثبت به اجماع الامة فهو حق لیس بضلال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالة فعلی حاکم الشرع تعزیر المنکر۔والله تعالٰی اعلم۔[1]	پس مجلس وقیام کامنکر بدعتی ہے اوراس منکر کی بدعت سیئہ و مذمومہ کہ اس نے ایسی چیز پر انکار کیاجوخدااوراہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیساکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آیاہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل، اوراس مجلس وقیام کوعرب و مصروشام وروم واندلس کے تمام علمائے سلف نے آج تک مستحسن جاناتواجماع ہوگیااور جوامر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پراجتماع نہیں کرتی۔پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزادے۔واللہ تعالٰی اعلم انتہی۔

اس فتوٰی پر حضرت سید العلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ وجناب مستطاب شیخنا وبرکتنا سراج الفضلا مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیّہ ومولانا حسن مفتی حنابلہ ومولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس ۴۵ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علماء جدہ عـــہ میں مجیب اول مولانا ناصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اوراس میں قیام وتعیّن یوم وتزئین مکان واستعمال خوشبو وقرأت قرآن واظہار سرور و اطعام طعام کی نسبت فرماتے ہیں:

بهٰذه الصورة المجموعة من	جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعًا

عـــہ: فتاوٰی ۱۰ از علمائے جدہ

[1] روضۃ النعیم

الاشیاء المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعًا لا ینکرھا الامن فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق و البغض لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکیف یسوغ لہ ذٰلک مع قولہ تعالٰی ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب[1]۔	بدعت حسنہ ہے جس کاانکار نہ کرے گامگروہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیونکر رواہوگا حالانکہ حق تعالٰی فرماتاہے جوخدا کے شعائروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں عـــہ۱۔

مولانا عباس بن جعفر بن صدیق فرماتے ہیں:

مااجاب بہ الشیخ العلامۃ فھو الصواب لایخالفہ الا اھل النفاق ومافی السوال فھو حسن کیف وقد قصد بذٰلک تعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاحرمنا اللہ تعالٰی من زیارۃ فی الدنیا ولامن شفاعۃ فی الاخرٰی ومن انکر من ذٰلک فھو محروم منہما۔[2]	شیخ علامہ ناصر بن احمد بن علی نے جوجواب دیاوہی حق ہے اس کے خلاف نہ کریں گے مگر منافقین، اور جوکچھ سوال میں مذکورہے سب حسن ہے، اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہوتی ہے، اللہ تعالٰی ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیامیں اورنہ ان کی شفاعت سے آخرت میں، اور جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔ عـــہ۲

مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:

اعلم ان ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماوقع من المعجزات والحضور لسماعہ	جان توکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت ومعجزات کاذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بیشک سنت ہے مگر یہ ہیئت مجموعی جس میں

عـــہ۱: فتوٰی ۹ علماء مکہ معظّمہ ومفتیان مذاہب اربعہ۔

عـــہ۲: منکر زیارت وشفاعت سے محروم ہے۔

1

2

سنة بلاشك وريب لكن من هٰذه الصورة المجموعة من الاشياء المذكورة كما هو المعمول فی الحرمين الشريفين وجميع ديار العرب بدعة حسنة مستحبة يثاب فاعلها ويعاقب منكرو مانعها[1]۔	قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیساکہ حرمین شریفین اور تمام دیار عرب کا معمول ہے اور یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور منکر ومانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

نعم اصل ذكر المولد الشريف وسماعه سنة وبهٰذه الكيفية المجموعة بدعة حسنة مستحبة وفضيلة عظيمة مقبولة عندالله تعالٰی كما جاء فی اثر عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ما راٰه المسلمون حسنًا فهو عندالله حسن، والمسلمون من زمان السلف الی الاٰن من اهل العلم والعرفان كلهم رواه حسنا بلا نقصان فلاينكر ولايمنع من ذٰلك الامانع الخير والاحسان وذٰلك عمل الشيطٰن۔[2]	ہاں اصل ذکر مولد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعت حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت پسندیدہ خدا ہے کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود میں وارد "جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے" اور مسلمان سلف سے آج تک علماء اولیاء سب اسے مستحسن بلانقصان سمجھتے آئے تو اس سے منع و انکار نہ کرے گا مگر وہ کہ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے۔

مولانا احمد جلیس لکھتے ہیں:

الحمدلله وكفٰی والصلٰوة علی المصطفٰی نعم ذكر ولادة النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم ومعجزة وحلية والحضور	خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود۔ ہاں ولادت و معجزات وحلیہ شریفہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاذکر کرنا اور

1

2

لسماعه وتزيين المكان ورش ماء الورد والبخور بالعود تعين اليوم والقيام عند ذكر ولادته صلى الله تعالٰى عليه وسلم واطعام الطعام وتقسيم التمرو قرائة شيئ من القراٰن كلها مستحبة بلاشك وريب والله تعالٰى اعلم بالغيب۔[1]	اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکنا اور اگر بتی سلگانا، اور دن مقرر کرنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا بلاشک وشبہہ مستحب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالغیب۔

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں:

امّة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من العرب والمصر و الشام والروم والاندلس وجميع بلاد الاسلام مجتمع علی استحبابه واستحسانه[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت عرب ومصر وشام وروس وروم واندلس وتمام بلاداسلام اس کے استحباب واستحسان پر اجماع واتفاق کئے ہوئے ہے۔

اور اسی طرح احمد بن عثمان واحمد بن عجلان ومحمد صدقہ وعبدالرحیم بن محمد زبیدی نے لکھااور تصدیق کیاتھا، فتاوائے علمائے جدّہ میں مولانا یحیٰی بن اکرم فرماتے ہیں:

الّف فی ذٰلك العلماء وحثوا علٰی فعله فقالوا لاینکرها الامبتدع فعلٰی حاکم الشریعة ان یعزره۔[3]	علماء نے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا اس کاانکار نہ کرے گا مگر بدعتی، توحاکم شرع پر اس کی تعزیر لازم۔

مولانا علی شامی فرماتے ہیں:

لاینکر هذا الا من طبع الله علٰی قلبه وقد نص علماء السنة علٰی	اس کاانکار نہ کرے گا مگروہ جس کے دل پر خدانے مہر کردی اور بیشک علمائے اہلسنت نے

1
2
3

ان ھذا من المستحسن المثاب علیہ وردّ وارد الحسن علٰی منکرہ[1] الخ۔	صریح فرمائی کہ یہ مستحسن و کار ثواب ہے منکر کا خوب رَد فرمایا۔

مولانا علی بن عبداللہ لکھتے ہیں:

لایشك فیہ الا مبتدع یلیق بہ التعزیر[2]۔	اس میں شک وہی کرے گا جو بدعتی قابل سزا ہوگا۔ عـــہ۱

مولانا علی طحان لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام فیہ مستحب ومن انکر ذٰلك فھو جحود لایعرف مراتب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[3]	مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں۔ عـــہ۲

مولانا محمد بن داؤد بن عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

مستحب یثاب فاعلہ ولاینکرہ الا مبتدع۔[4]	مستحب کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی ہوگا۔

مولانا محمد بن عبداللہ لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام عند ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکل شیئ فی السوال حسن بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن یستحق التعظیم غیرہ۔[5]	مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں یہ سب تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔

مولانا احمد بن خلیل لکھتے ہیں:

ھو الصواب اللائق بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعلٰی حاکم الشریعۃ	یہی حق ہے اور تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مناسب۔ پس حاکم شریعۃ مطہرہ پر لازم

عـــہ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عـــہ۲ منکر کو رسالت کی قدر نہیں۔

1

2

3

4

5

المطہرۃ زجر من انکر وتعزیرہ[1]۔	کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔ عــــہ۱

مولانا عبدالرحمٰن بن علوی حضرمی لکھتے ہیں:

استحسنو القیام تعظیماله اذاجاء ذکر مولده صلی الله تعالٰی علیه وسلم وماصار تعظیماله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فوجب علینا اداؤه والقیام به ولاینکر ما ذکرنا الامبتدع مخالف عن طریق اهل السنة و الجماعة لااستماع واصغاع لکلامه وعلٰی حاکم الاسلام تعزیره۔[2]	علماء نے فتوٰی وقت ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کی تعظیم کے لئے قیام مستحسن سمجھا اور جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہوگیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی مخالف طریقہ اہلسنت وجماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل نہ توجہ کے لائق، اور حاکم اسلام پر اس عــــہ۲ کی تعزیر واجب ہے۔

بالجملہ سردست اس قدر کتب فتاوٰی وافعال واقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کے استحسان واستحباب کی سند صریح حاضر ہے جس میں سو ۱۰۰ سے زائد ائمہ وعلماء کی تحقیق وتصدیق روشن وظاہر اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے فتوے چھپے ہیں پچاس ۵۰ سے زیادہ مہر ودستخط ہیں اب منصف انصاف کرے آیا اس قدر علماء ۱مکہ معظمہ و۲مدینہ منورہ و۳جدہ ۴وحدیدہ و۵روم و ۶شام و۷مصر و۸دمیاط و۹یمن و۱۰زبید و۱۱بصرہ و۱۲حضر موت و۱۳حلب و۱۴حبش و۱۵برزنج و۱۶برع و۱۷کرد و۱۸داغستان و۱۹اندلس و۲۰ہند کا اتفاق قابل قبول ارباب عقول نہ ہوگا، یامعاذاللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع وبدمذہب، اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب ومستحسن ماننے والے ٹھہریں گے، تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات اِیں وآں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سیکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے ایک زبان ہو کر بلند آواز سے فرمایا ہے، بیشک مستحب ہے، وہ کون ہے جو اسے برا کہتا ہے، ذرا ہمارے سامنے آئے، اس وقت ان کی

عــــہ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عــــہ۲: منکر واجب التعزیر ہے۔

1

2

شوکت وجبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کامنہ چراغ لے کر دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جاکران کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے اور یوں تو: ؎

چوں شیر اں بر فتند از مرغزار　　　　زندروبہ لنگ لاف شکار [1]

(جب جنگلات اور سبزہ زار سے شیر چلے جائیں تو لنگڑی لومڑی بھی شکار کی ڈینگیں مارنے لگتی ہے۔ت)

جسے چاہئے کہہ دیجئے کہ وہ کیا تھا ہم ان کی کب مانتے ہیں، ان کا قول کیا حجت ہوسکتا ہے، یہ بھی نہ سہی، بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلطی وخطا ہوجائے تو نقل وروایت میں تو معاذاللہ کذب وافتراء نہ کریں گے، اب اوپر کی عبارتیں دیکھئے کہ کتنے علمائے اہلسنت وجماعت وعلمائے بلاد دارالاسلام کا اس فعل کے استحباب واستحسان پر اجماع نقل کیا ہے، کیا اجماع اہلسنت بھی پایہ قبول سے ساقط، اور ہنوز دلیل وسند کی حاجت باقی ہے، اچھا یہ بھی جانے دو، اور چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب یہاں کسی طرح کا دینی بندوبست ونظام نہ رہا اور ہر ایک کو جو منہ پر آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت وموقع پاکر بہک اٹھے ہیں، قادح اجماع جانو، تاہم ہماری طرف سواد اعظم میں تو شک نہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ [2]	بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔

اور فرماتے ہیں:

انما یاکل الذئب القاصیۃ۔ [3]	بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے۔

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء واعیان قضاۃ ومشائخ اسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لئے حجت کافیہ تھا

1

2 المستدرك للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۶-۱۱۵

3 السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ باب فرض الجماعۃ فی غیر الجمعہ علی الکفایۃ دار صادر بیروت ۳/ ۵۴

جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی، جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی وعلامہ انباری وغیرہما علماء نے تصریح فرمائی نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دارالاسلام کے خواص و عوام میں صدہا سال سے شائع وذائع ہے اور ہزارہا علماء واولیاء اس پر اتفاق واجماع فرمائیں جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو، صد حیف ہزار افسوس کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب معاذاللہ بدعتی وگمراہ وخطاکار ٹھہریں اور سچے پکے سنی بنیں تو یہ چند ہندی جنہیں اس ملک میں احکام اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کردی "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ" [1] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

ف[۱] یہ مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی، اس کے سوا دلائل متکاثرہ وحجج باہرہ وبراہین قاہرہ قرآن وحدیث واصول وقواعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل وتوضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل وتفضیح پر طرز بدیع ونہج نجیح حضرت حجۃ الاسلام بقیۃ السلف تاج العلماء راس الکملا سیدی ومولائی خدمت والد ماجد حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی نے رسالہ مستطابہ **اذاقۃ الاٰثام لمانعی عمل المولد والقیام** میں بما لامزید علیہ بیان فرمائی، جسے تحقیق عدیل وتدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو، رہا یہ کہ قیام ذکر ولادت شریف کے وقت کیوں ہے، اس کی وجہ نہایت روشن، اولاً صدہا سال سے علماء کرام وبلاد دارالاسلام میں یونہی معمول، ثانیاً ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذات اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت وقت قدوم معظم بجالائی جاتی ہے اور ذکر ولادت شریف حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

لطیفہ نظیفہ: ہمارے ف[۲] فرقہ اہلسنت وجماعت پر رحمت الٰہیہ کی تمامی سے ہے کہ اس مسئلہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

ف۱: تحقیق ذکر ولادت شریفہ

ف۲: ایک بڑے وہابی میاں نذر حسین دہلوی کا کلام اور اس سے ڈنکے کی چوٹ ثبوت قیام۔

میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست و پا زدن باقی نہیں وہ بزور زبان قیام کو بدعت و ناجائز کہے جاتے ہیں مگر ان کے امام تو مولٰی و مرشد و آقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سروسردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں جن کی نسبت وہابیہ ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بیباک کشور توہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ ممانعت مجلس و قیام مسمّٰی بہ غایۃ الکلام میں لکھا:

زبدۃ المحققین وعمدۃ المحدثین ومولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی از اولیائے عصر واکابر علمائے این زمان ست[1] الٰی آخرا لہذیان۔	محققین میں افضل اور محدثین کے معتمد مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی اس زمانے کے اولیاء واکابر علماء میں سے ہیں۔ خرافات کے آخر تک۔ (ت)

یہ حضرت من حیث لایشعر جواز واستحباب قیام تسلیم فرماچکے، امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت و ذکر حضور اصطفا علیہ افضل التحیۃ والثناء سن کر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آئے اور اس سے ملا مجتہد دہلوی بھی انکار نہیں کر سکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے مستند علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی سبل الہدٰی والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی اب سنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوٰی میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے: تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے۔ امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الامام المجمع علی جلالتہ واجتہادہ[2]۔	وہ امام جن کی جلالت واجتہاد پر اجماع ہے۔ (ت)

یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام تو کیا ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مؤدی ہوا اور اجتہاد بیشک حجت شرعیہ ہے۔ اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم، اور سنئے اسی فتوٰی میں ہے جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہو سکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت

---

[1] غایۃ الکلام بشیر الدین القنوجی

[2] فتاوٰی حدیثیہ مطلب فیما جری من ابن تیمیہ الخ مطبع جمالیہ مصر ص ۸۵

نہیں ٹھہر سکتا، جوایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ تومظہر حکم خدا ہے، نہ مثبت۔اب تومانناپڑے گا کہ جو شخص قیام کوبدعت وضلالت کہے وہ خود خبیث بدعتی احبار ورہبان پرست ہے۔اور سنئے تمام لطائف جوایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت وارد۔مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کردیا کہ اسی فتوے میں ہے خدانے مجتہدوں کواس لئے بنایاہے کہ جوواقعہ تازہ پیداہواس کاحکم بیان کریں تواس کا اماموں پر طعنہ بعینہٖ قرآن وحدیث پر طعن ہے اورایسی جگہ حدیث من احدث الخ پڑھنااول توجھوٹ دوسرے کتنابے محل الخ اس مقام کازیادہ احقاق وکمال اوردلائل مانعین کاازہاق وابطال فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے رسالہ الصارم الالٰھی علٰی عمائد المشرب الواھی پر محمول کہ رَدفتوائے مولوی نذیرحسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے وہاں ان شاء اللہ العزیز فیض الٰہی نئے طور سے بندہ اذل ارذل کے لئے کارفرمائے عنایت ہوگا جوکچھ لکھاجائے گا محض اقرار واعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہوگا، **واللہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والااورمدد کرنے والا ہے۔بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ توگناہ سے بچنے کی طاقت ہے اورنہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

مقام دوم: اس مقام کی شرح وتفصیل مفضی نہایت اطناب وتطویل کہ اگراس کاایک حصہ بیان میں آئے توکتاب مستقل ہوجائے معہذا ہمارے علمائے عرب وعجم بحمداللہ اس سے فارغ ہوچکے کوئی دقیقہ احقاق حق وابطال کا اٹھانہ رکھاعلی الخصوص حضرت حامی سنن وماحی الفتن حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سیدی خدمت والدم روّح اللہ روحہ ونوّر ضریحہ نے کتاب مستطاب **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** میں وہ تحقیقات بدیعہ وتدقیقات منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعد **ان شاء اللہ تعالٰی** حق کے لیے نہیں مگر غایت انجلاء بیان باطل کو نصیب نہیں مگر بے موت بے امان، **والحمد للہ رب العالمین**، لہٰذا فقیر یہاں چنداجمالی نکتوں پربر سبیل اشارہ وایماء اکتفاکرتا ہے اگراسی قدر چشم انصاف میں پسندآیا فبہا ورنہ **ان شاء اللہ تعالٰی** فقیر تفصیل وتکمیل کے لئے حاضر **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اور نہیں ہےطاقت گناہ سے بچنے کی،اورنہ ہی نیکی کرنے کی مگر بلندی،عظمت اور قدرت والے معبود کی توفیق سے۔ت)

نکتہ اف: اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت اوراس کی

ف: نکتہ ا: اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

برائی پر دلیل شرعی ناطق، صرف وہی ممنوع ومذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز ومباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز وحرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے اور جائز ومباح کہنے والوں کو ہر گز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال مااحل الله فی کتابه والحرام ماحرّم الله فی کتابه وماسکت عنه فهو مما عفاعنه۔[1]	حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة۔[2]	اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

شیخ شرح میں فرماتے ہیں:

وایں دلیل ست برآنکہ اصل دراشیاء اباحت است۔[3]	یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (ت)

نصر کتاب الحجۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال الله عزوجل خلقکم وهو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم وانزل علیکم کتابا وحدلکم	بیشک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا تھا تو تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا، اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجه ابواب الاطعمه باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۹، المستدرك للحاکم کتاب الاطعمه دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الاطعمه تحت حدیث ۴۲۲۸ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸/ ۵۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الاطعمه الفصل الثانی تحت حدیث ۴۲۲۸ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۰۶

فیہ حدودا امرکم ان لاتعتدوھا وفرض فرائض امرکم ان تتبعوھا وحرم حرمات نھاکم ان تنتھوھا وترک اشیاء لم یدعھا نسیئًا فلاتکلفوھا و انما ترکھا رحمۃ لکم۔[1]	میں تمہارے لئے کچھ حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمہیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑدیں کہ بھول کر نہ چھوڑیں ان میں تکلف نہ کرو اور اس نے تم پر رحمت ہی کے لئے انہیں چھوڑا ہے۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔[2]	یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یامکروہ کہہ کر خداپر افتراء کردو کہ حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھوالصحۃ واما القول بالفساد اوالکراھۃ فیحتاج الٰی حجۃ من الکتاب والسّنّۃ اواجماع الامۃ۔[3]	یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یاحدیث یااجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

اوراس کے لئے بہت آیات وحدیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف وخلف کے کلام میں اس کی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے "اومدہوش بے عقل، خدااور رسول کاجائزنہ کہنااور بات ہے اور ناجائز کہنااور بات۔ یہ بتاؤکہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدااور رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے۔[4]" الخ اھ ملخصًا۔

[1] کتاب الحجۃ

[2] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[3] رسالہ الاقتداء بالمخالف

[4] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

پس مجلس میلاد و قیام وغیرہا بہت امور متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے، ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز کہا ہے اور ثبوت نہ دو اور ان شاء اللہ تعالٰی ہر گز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع مطہر پر افتراء کیا،

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾"[1]	بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

سبحان اللہ الٹا سند کا مطالبہ ہم سے۔

نکتہ ۲ ف: عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک علماء میں شائع و ذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہوچکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجھم سلفا وخلفا بالعمومات من غیر نکیر۔[2]	متقدمین و متاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے (ت)

اسی میں ہے:

العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق۔[3]	مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] مسلم الثبوت الفصل الخامس مسئلۃ للعموم صیغ مطبع انصاری دہلی ص ۷۳

[3] مسلم الثبوت فصل المطلق مادل علی فرد منتشر مطبع انصاری دہلی ۱۱۹

ف: نکتہ ۲: مطلق حکم اس کی تمام خصوصیتوں میں جاری رہتا ہے۔

تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے:

العمل بہ ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق۔[1]	اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے (ت)

یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے: "جب عام و مطلق چھوڑا تو یقینا اپنے عموم واطلاق پر رہے گا عموم واطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلانکیر رائج ہے۔"[2] اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت،

قال اللہ تعالٰی "اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:) خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا۔

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء ف واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، معہذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد مجالس ومحافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک وتعالٰی نے انہیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے جنہیں حق سبحانہ وتعالٰی نے ایسے درجے دیئے اس وقت یہ کلام کریمہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط" [4] (اور کوئی وہ ہے جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔ت) کی قبیل سے ہوگا، چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ" [5] (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ ت) و آیۃ کریمہ "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی" [6] (وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ت) کے طور پر ہو جائے گا۔ حق سبحانہ وتعالٰی اپنے

1

[2] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

[6] القرآن الکریم ۹/ ۳۳

ف: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بعینہٖ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" [1] (اور بلند کیا ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر۔) امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں اس آیۃ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں:

جعلتك ذكرا من ذكري فمن ذكرك ذكرني۔ [2]	یعنی حق تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا تو جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد وصلوٰۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لئے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی ہاں جو کوئی ان طرق کو ممنوع کہے وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے، اسی طرح نعمت الٰہی کے بیان واظہار کا ہمیں مطلقًا حکم دیا گیا،

قال اللہ تعالٰی "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" [3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔

اور ولادت اقدس حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان واظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان واظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور چاہئے کہ جس قدر ہوسکے لوگ جمع کئے جائیں اور انہیں ذکر ولادت باسعادت سنایا جائے اسی کا نام مجلس میلاد ہے، علٰی ہذا القیاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقًا ثابت، قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ" [4]	اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو۔

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

وقال تعالٰی " وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ "[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔
قال " وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ؕ "۔[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن ومحمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہوجائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لئے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظّم میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم[3]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالٰی کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام ف۱ کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم واکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجالاتے ہیں بیشک حسن ومحمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانّٰی لھم ذٰلک (اور یہ ان کے لئے کہاں سے ہوگا۔ت)

تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین وتبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔

نکتہ ۳ ف۲: ہم پوچھتے ہیں تمہارے نزدیک کسی فعل کے لئے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[3] الجوہر المنظم مقدمہ فی آداب السفر الفصل الاول المکتبۃ القادریۃ فی الجامعۃ النظامیہ لاہور ص ۱۲

ف۱: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نفیس طریقہ۔

ف۲: نکتہ ۳: منکروں کی عجیب ہٹ دھرمی۔

کہ قرآن وحدیث میں اس کا نام لے کر جائز کہا یا منع کیا ہو یا اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت میں داخل ہونا کفایت کرتا ہے۔ بر تقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس وقیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ، بر تقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے خصوصیت کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکرو تحدیث وتعظیم وتوقیر کے تحت میں داخل ہیں جائز نہیں مانتے۔

نکتہ ۴ ف: حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرون وزمان کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن و حدیث میں بایں ہیئت کذائی کہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانے میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو ضلالت و گمراہی، حالانکہ شرعاً وعقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح پر قابو نہیں، نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانے میں ہو برا ہے، آخر بلوائے مصر وواقعہ کربلا وحادثہ حرہ وبدعات خوارج وشناعات روافض و خباثات نواصب وخرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ زمانہ صحابہ وتابعین میں حادث ہوئے مگر معاذاللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس وتصنیف کتب وتدوین علوم ورَد مبتدعین وتعلیم نحو وصرف وطریق اذکار وصور اشغال اولیائے سلاسل قدست اسرارہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوئے مگر عیاذاً باللہ اس وجہ سے بدعت نہیں قرار پاسکتے، اس کا مدار نفس فعل کے حسن وقبح پر ہے، جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت وہ بیشک حسن ہوگا چاہے کہیں واقع ہو اور جس کام کی برائی تصریحاً یا تلویحاً وارد وہ بیشک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو جمہور محققین ائمہ وعلمانے اس قاعدے کی تصریح فرمائی اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں۔ امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ "کسی چیز کا نوپیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو[1]"۔ اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا ومولانا حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور کہ "صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رَد کرے[2]" اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اثبات القیام

[2] احیاء العلوم کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبع المشهد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

ف: نکتہ ۴: منکرین کی حماقت کہ انہوں نے زمانہ کو حکم بنایا ہے۔

ایں ہمہ گرچہ بدعت ست واز صحابہ وتابعین نقل نہ کردہ اند لیکن نہ ہرچہ بدعت بودنہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد پس بدعت مذموم آں بود کہ بر مخالفت سنّت بود[1]۔	یہ سب امور اگرچہ نوپید ہیں اور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں ہیں مگر ایسا بھی نہیں، ہر نئی بات نا جائز ہو کیونکہ بہت ساری نئی باتیں اچھی ہیں، چنانچہ مذموم بدعت وہ ہوگی جو سنت رسول کے مخالف ہو۔(ت)

امام بیہقی وغیرہ علماء حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

المحدثات من الامور ضربان احدھما احدث مما یخالف کتابًا اوسنّةً اواثرًا اواجماعًا فھٰذہ البدعة ضالة والثانی ما احدث من الخیر ولا خلاف فیه لواحد من ھٰذہ وھی غیر مذمومة۔[2]	نوپیدا باتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ ہیں کہ قرآن یا احادیث یا آثار اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت وگمراہی ہے، دوسرے وہ اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

والبدعة ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحة الا فھی من قسم المباح۔[3]	بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔ اب مجلس وقیام وغیرہما امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں محض باطل ہوگیا، ہاں اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعًا کوئی برائی ہے ورنہ اگر

---

[1] کیمیائے سعادت رکن دوم اصل ہشتم باب دوم انتشارات گنجینہ ایران ص ۳۸۸۔۸۹

[2] القول المفید للشوکانی باب ابطال التقلید ۱/ ۷۸

[3] فتح الباری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۵۶۔۵۷

کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود، اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعًا محمود ہوتا ہے **کما فی البحر الرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت) کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی وجہالت تھا **والحمدﷲ** (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)

نکتہ ۵ ف: بڑی مستند ان حضرات کی حدیث:

خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم [1]۔	سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا۔(ت) ہے۔

اس میں **بحمداللہ** ان کے مطلب کی بو بھی نہیں، حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر دوسرا پھر تیسرا، اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائے گا، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق ماموربہ کے تحت میں داخل ہو شنیع ومذموم ٹھہرے گا، جو اس کے ثبوت کا دعوی رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔اے عزیز! یہ تو بالبداہۃ باطل کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں شر مطلقًا نہ تھا نہ ان کے بعد خیر مطلقًا رہی، ہاں اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خداترس متقی پرہیزگار تھے بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے، پھر یہ کن میں، یہ انہیں لوگوں میں جو علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے، ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں منبع ومجمع خیر رہے ہیں مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے تھے اور جو جاہل تھے وہ علماء کے فرمانبردار، اس لئے شر وفساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامن علم سے وابستہ ہے اس کے بعد علم کم ہوتا گیا، جہل نے فروغ پایا، جاہلوں نے سرکشی وخودسری اختیار کی، لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا، اب یہ یہیں نہ دیکھ لیجئے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس وقیام کو مستحب ومستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے، انہیں سرتابیوں نے اس زمانے کو زمانہ شر بنادیا۔تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں اس زمانہ مابعد کے جہّال کی طرف راجع

---

[1] جامع الترمذی ابواب الشہادات امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۴

ف: نکتہ ۵: حدیث خیرالقرون قرنی کا مطلب

ہیں ان سے کون استدلال کرتا ہے، نہ ہمارا عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہو جائے گی۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابر امت مستحب و مستحسن جانیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے، والحمدللہ ربّ العٰلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

نکتہ ۶ ف: اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اخرج الحاکم وصححه عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقالوا سل لنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی من ندفع صدقاتنا بعدک، فقال الی ابی بکر قال فان حدث بابی بکر حدث فالی من، فقال الی عمر قالوا فان حدث بعمر حدث، فقال الی عثمان قالوا فان حدث بعثمٰن حدث فقال ان حدث بعثمان حدث فتبالکم الدهر تبا[1] اھ ملخصاً۔	امام حاکم نے تخریج و تصحیح فرمائی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھوں حضور کے بعد ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ کسے دیں، فرمایا ابوبکر کو، عرض کی اگر ابوبکر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عمر کو۔ عرض کی اگر عمر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عثمان کو۔ عرض کی اگر عثمان کو کوئی حادثہ منہ دکھائے فرمایا اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو، فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے ہمیشہ پھر خرابی ہے اھ ملخصاً۔
و اخرج ابونعیم فی الحلیة والطبرانی عن سهل بن ابی حثمة رضی الله تعالٰی عنه فی حدیث طویل قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اتی علی ابی بکر اجله وعمر اجله وعثمٰن اجله فان	(ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک طویل حدیث میں تخریج فرمائی۔ ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال کریں ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ مر جائے

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة امر النبی صلی الله علیه وسلم لابی بکر بامامة الناس فی الصلوٰة دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

ف: نکتہ ۶: حدیث خیر القرون کی دوسری طرح سے بحث۔

استطعت ان تموت فمت[1]۔ اخرج الطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویحك اذامات عمر فان استطعت ان تموت فمت[2]۔ حسنه الامام جلال الدین وفی الحدیث قصۃٌ۔	تو مر جانا۔ (طبرانی نے کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج فرمائی، فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس جب عمر مرجائیں تو اگر مرسکے تو مر جانا۔ (امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس کو حسن قرار دیا، اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ت)

اب تمہارے طور پر چاہئے کہ زمانہ پاک حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بلکہ صرف زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہو اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا و مولٰینا امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ میں وہ معاذاللہ سب شر و قبیح ومذموم وبدعت ضلالت قرار پائے، خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مزہ یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون بھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی انہیں احادیث اور ان کے امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ اور بتاگئے ہیں، دیکھئے ازالۃ الخفا میں کیا کچھ فرمایا ہے، حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:

بنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیحی ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست کہ قرن اول از زمانہ ہجرت آنحضرت ست صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تازمانہ وفات وی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما وقرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی	اس استدلال کی بنیاد ایک صحیح توجیہ پر ہے جس پر اکثر احادیث شاہد ہیں وہ یہ ہے کہ قرن اول حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے آپ کی وفات کے زمانے تک ہے، اور قرن ثانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ابتدائے خلافت سے وفات فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ہے، اور قرن ثالث سیّدنا

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ سہل بن ابی حثمہ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۱۸۱

عنہ وہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است قرن در لغت قوم متقارنین فی السن بعد ازاں قومے راکہ درریاست وخلافت مقترن باشد قرن گفتہ شد چوں خلیفہ دیگر باشند ووزرائے حضور دیگر وامرائے امصار دیگر ورؤسائے جیوش دیگر وسپاہان دیگر وحربیان دیگر وذمیان دیگر تفاوت قرون بہم می رسد[1]۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ خلافت ہے اور ہر قرن تقریبًا بارہ سال کا ہے۔قرن لغت میں اس قوم کو کہتے ہیں جو عمر میں قریب قریب ہوں، پھر اس کااطلاق اس قوم پر ہونے لگاجو ریاست وخلافت میں مقترن ہو۔جب خلیفہ دوسرا ہو،اس کے وزراء وامراء، سپہ سالار، فوج، حربی اور ذمی دوسرے ہوں توقرن بدل جاتاہے۔(ت)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قرن اول زمان آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بوداز ہجرت تاوفات وقرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین بعدازاں اختلافہا پدید آمد وفتنہاظاہر گردیدند[2]۔	قرن اول سرکاردوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت سے وصال تک کا زمانہ ہے اور قرن ثانی شیخین یعنی صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کازمانہ ہے اور قرن ثالث سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ ہے اس کے بعد اختلافات نمودار ہوئے اور فتنے ظاہر ہوئے۔(ت)

بالجملہ اس قدر میں توشک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقینا ساقط۔والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ ۷ ف: اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کاموجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں توبسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بسند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل امتی مثل المطر لایدری	میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ

[1] ازالۃ الخفاء فصل چہارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۷۵

[2] ازالۃ الخفاء فصل چہارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۱

ف: نکتہ ۷: حدیث قرن کا تیسرا جواب۔

اولہ خیر ام اٰخرہ۔[1]	نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ است ازبودن ہمہ اُمت خیر چنانکہ مطر ہمہ خیر ونافع ست۔[2]	یہ تمام امت کے خیر ہونے کی طرف اشارہ جیساکہ بارش تمام کی تمام خیر اور فائدہ مند ہوتی ہے۔(ت)

امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

لاتزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم اوخالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون علی الناس۔[3]	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا انہیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انہیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

گماں مبر کہ درزمان شرور ہمہ کس شریر بودہ اند وعنایت ہائے الٰہی در تہذیب نفوس بیکار افتاد بلکہ اینجا اسرار عجیب ست ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند درہر زمانہ طائفہ رامہبط انوار وبرکات ساختہ اند۔[4]	یہ گمان مت کر کہ برے زمانے کے سب لوگ برے ہوتے ہیں اور عنایات الٰہی ان کی تہذیب نفوس میں بیکار ثابت ہوتی ہے بلکہ اس جگہ عجیب راز ہیں۔ شراب کے تمام عیوب تو تم نے بیان کردیئے کچھ اس کی خوبی بھی بیان کرو۔ عامی کا دل رکھنے کے لئے حکمت کا بالکل انکار نہ کرو۔ قدرت ہر زمانے میں بندگان خدا کے ایک گروہ کو انوار و برکات کا مرکز بناتی ہے۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الامثال ۲/ ۱۱۰ ومسند احمد بن حنبل عن انس بیروت ۳/ ۱۴۳
[2] اشعۃ اللمعات کتاب المناقب والفضائل باب ثواب ہذہ الامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۷۵۳
[3] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳
[4] ازالۃ الخفاء فصل پنجم تنبیہات تتمہ مقصد بالا سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۴۵

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص، اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علماء و عرفائے مابعد میں بلحاظ اصول عموم واطلاق شائع ہوئے، **والحمدللہ**۔

نکتہ ۸ ف: صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے محاورات و مکالمات دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانے میں ہونے پر مدار خیریت نہیں، دیکھئے بہت نئی باتیں کہ زمانہ پاک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انہیں برا کہتے اور نہایت تشدد وانکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوئیں کہ ان کو بدعت و محدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حسن بتاتے۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نعمت البدعة هذه۔[1]	کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نماز چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

انهما بدعة ونعمت البدعة وانها لمن احسن ما احدث الناس[2]۔	بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

احدثتم قيام رمضان فدوموا عليه ولا تتركوه۔[3]	تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کئے جاؤ اور اسے کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو یہاں تو صحابہ نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا، اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اخرج بنا من عند هذا المبتدع۔[4]	نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم فصل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۳ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۲/ ۴۲۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۴۴۶ ۸/ ۲۱۸ والدر المنثور تحت الآیة ۵۷/ ۲۷ ۸/ ۶۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب التثویب فی الاذان والاقامة المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۷۵

ف: نکتہ ۸: حدیث قرن کا چوتھا جواب۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ بآواز پڑھتے سنا، فرمایا:

ای بنی محدث ایاك والحدث۔[1]	اے میرے بیٹے! یہ نوپیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔

یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انہیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہٖ زمانہ تابعین وتبع تابعین میں رائج رہا ہے۔ اپنے زمانہ کی بعض نوپیدا چیزوں کو منع کرتے بعض کو جائز رکھتے اور اس منع واجازت کے لئے آخر کوئی معیار تھا اور وہ نہ تھا مگر نفس فعل کی بھلائی برائی، تو باتفاق صحابہ وتابعین وتبع تابعین قاعدہ شرعیہ وہ قرار پایا کہ حسن حسن ہے اگرچہ نیا ہو اور قبیح قبیح ہے اگرچہ پرانا ہو، پھر ان کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے، ہماری شرع بحمداللہ ابدی ہے، جو قاعدے اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے، معاذاللہ زید وعمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

نکتہ ۹ ف: یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں زمانہ صحابہ میں پیش ہو کر رَد ہوچکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ وسیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قرار پاچکا کہ بات فی نفسہٖ اچھی ہونا چاہئے اگرچہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامة فاذا عمر ابن الخطاب عندہ،	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی ترك الجھر امین کمپنی دہلی ۱/ ۳۳

ف: نکتہ ۹: حدیث قرون کا پانچواں جواب اور اس کارَد کہ پیشواؤں نے نہ کیا تم کیسے کرتے ہو اور زمانہ صدیق میں وہابیت پر صحابہ کبار کا اتفاق۔

قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قداستحر یوم الیمامۃ بقراء القراٰن وانی اخشی ان استحر القتل بالقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القراٰن وانی ارٰی ان تامر بجمع القراٰن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذٰلك ورأیت فی ذٰلك الذی رأی عمر قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لانتھمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القراٰن واجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علیّ مما امرنی بہ من جمع القراٰن قال قلت لابی بکر کیف	توفرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میرے پاس آئے ہیں اورانہوں نے کہاہے کہ یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتاہوں کہ اگر حاملان قرآن تیزی سے شہید ہوتے گئے توقرآن کاایک بڑا حصہ ختم ہوجائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اورایک جگہ لکھنے کاحکم دیں، صدیق اکبر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ کام کیاہی نہیں تم کیونکر کروگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایااگرچہ حضوراقدس سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیامگر خداکی قسم کام توخیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں پھر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھ سے اس معاملہ میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خداتعالٰی نے میرا سینہ اس امرکے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رائے سے موافق ہو گئی۔ زید بن ثابت نے کہاابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا نوجوان مرد عاقل ہو ہم تمہیں متہم بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ تم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھاکرتے تھے پس قرآن تلاش کرواوراس کو جمع کرو، اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کواٹھانے کی تکلیف دیتے توقرآن جمع کرنے سے جس کاانہوں نے مجھے حکم دیا تھازیادہ بھاری نہ ہوتا، میں نے کہاوہ کام تم کیسے کروگے جو

تفعلون شیئًا لم یفعله رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال هو والله خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القراٰن واجمعه[1] الحدیث۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ اچھاکام ہے،ابوبکر صدیق میرے ساتھ بحث کرتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سینہ کھولا تھا پھر میں نے قرآن تلاش کرنا اور جمع کرنا شروع کیا۔الحدیث۔

دیکھو زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا توان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ یہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہو نا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے،بلکہ یہی جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کام نہ کیا پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔اب غضب کی بات ہے ان حضرات کو سودا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہو چکی پھر اکھیڑیں۔

نکتہ ۱۰ف: جواعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کچھ انہوں نے نہ کیا تم کرتے ہوئے،لطف یہ ہے کہ بعینہٖ وہی اعتراض اگر قابل تقسیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارد مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ وتابعین کسی نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے،ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ وتابعین ہی کرتے تبع تابعین کیا اس سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جوانہوں نے نہ کیا یہ کریں گے اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہوا اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ کیوں نہ کرتے تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے علٰی ہذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں انہیں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۵

ف: نکتہ ۱۰: اس کا رد کہ تم کیا اگلوں سے محبت وغیرہ میں زیادہ ہو۔

بزہد وورع کوش وصدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰی

(زہد، تقوٰی، سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مت بڑھا۔ت)

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعال خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ غرض یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بناء پر عیاذًا اللہ عیاذًا باللہ تمام صحابہ وتابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں مگر اصل وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق، وہ نہ کریں تو تبع پر الزام نہیں، وہ نہ کریں تو ہم پر مضائقہ نہیں۔ بس اتنا ہونا چاہئے کہ شرع کے نزدیک وہ کام برا نہ ہو۔ عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کا قطعًا نہ کرنا تو حجت نہ ہوا اور تبع کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کے اجازت ملی مگر تبع میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب پچھلوں کے لئے راستہ بند ہوگیا اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خاں شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کرلو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انہوں نے بے دھڑک فرمایا "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا سب بدعت وگمراہی ہے"۔ اب چاہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معاذاللہ گمراہ ٹھہرایا اور اعدائے دین کے پیرومرشد عبداللہ بن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا، انّا للہ وانّا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت)

مجلس وقیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی اللہ تعالٰی اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

نکتہ ۱۱ف: امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[1]۔	کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

[1] المواھب اللدنیہ

ف: نکتہ ۱۱: نہ کرنا اور ہے اور منع کرنا اور۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگرست و منع فرمودن چیزے دیگر[1] اھ ملخصًا۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

نکتہ ۱۲ف: سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست،

حقیقت الامر یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کو اعلاء کلمۃ اللہ وحفظ بیضاء اسلام ونشر دین متین وقتل قہر کافرین واصلاح بلاد وعباد واطفائے آتش فساد واشاعت فرائض وحدود الٰہیہ واصلاح ذات البین ومحافظت اصول ایمان وحفظ روایت حدیث وغیرہا امور کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امر جزئیہ مستحبہ تو کیا معنی بلکہ تاسیس قواعد واصول وتفریع جزئیات وفروع وتصنیف وتدوین علوم ونظم دلائل حق ورد شبہات اہل بدعت وغیرہا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرماسکے۔ جب بفضل اللہ تعالٰی ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کردی اور مشارق ومغارب میں ملت حنفیّہ کی جڑ جم گئی۔ اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت وبخت سازگار پاکر بیخ وبن جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کرکے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب تو بے خلش صرصر واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھو دیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیقی کی ندیاں بہائیں۔ علماء واولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں ہواخواہان دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر باریاں فرمائیں یہاں تک کہ یہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باغ ہرا ابھرا پھلا پھولا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتّوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا، الحمدللہ رب العالمین، اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے یہ کنچھیاں جواَب پھوٹیں جب کہاں تھیں، یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواَب جھومتی ہیں نوپیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جواَب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ، او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے

---

[1] تحفہ اثناعشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلٰثہ طعن ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

ف: نکتہ ۱۲ اصل بات اور اگلے لوگوں میں نہ ہونے کی وجہ۔

محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھِر گئے اور لاکھوں روپوں کا مال واسباب بھی تھا اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا، یہ واقعہ چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہوگیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا برا جان کر چھوڑا تھا۔ اللہ تعالٰی کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین!

نکتہ ۱۳ف۱: ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے چندہ لینا اور طلباء کے لئے مطبع نولکشور سے فیصدی دس روپیہ کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور بہ تخصیص روز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا، جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا، دعوتیں اڑانا، مناظروں کے لئے جلسے اور پنچ مقرر کرنا، مخالفین کی رَد میں کتابیں لکھوانا چھپوانا، واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا، صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ اکابر واصاغر طائفہ میں بلانکیر رائج ہیں قرون ثلٰثہ میں کب تھی اور ان پیشوایان فرقہ جدیدہ کا توذکر ہی کیا ہے جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مہر ثبت کریں، مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتوی، حج کو جائیں تو کمشنر دہلی وبمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں، شاید یہ تین باتیں قرون ثلٰثہ میں تھیں یا تمہارے لئے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہی باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم ومحبت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال وشیر مادر، ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی الاکبر۔

نکتہ ۱۴(ف۲): واجب الحفظ۔ افسوس! کیا الٹا زمانہ ہے اور امور تعظیم وادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی داب رہا کہ ورود وعدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی بلکہ صریحًا

ف۱: نکتہ ۱۳ مسئلہ قرون کا چھٹا جواب وہابیہ کی ہٹ دھرمی۔

ف۲: نکتہ ۱۴ تعظیم محبوبان خدا میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر چاہو نئے طریقے نکالو سب حسن ہیں جب تک کسی خاص طریقے کی شرع میں ممانعت نہ ہو۔

قاعدہ کلیہ بنایا:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔ کما صرح بہ الامام المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس سیدی کمال الملّة والدین محمد فی فتح القدیر [1] وتلمیذہ الشیخ رحمہ اللہ السندی فی المنسك المتوسط واقرہ الفاضل القاری فی المسلك المتقسط واثرہ فی العالمگیریة وغیرھا۔	جس بات کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے (جیسا کہ امام، محقق علی الاطلاق، فقیہ النفس، میرے آقا، کمال الملة والدین محمد نے فتح القدیر میں تصریح فرمائی اوران کے شاگرد شیخ سندی علیہ الرحمۃ نے منسک المتوسط میں وضاحت فرمائی اور فاضل قاری علیہ الرحمۃ نے اس کو برقرار رکھا اور عالمگیریہ وغیرہ میں اس کو ترجیح دی ہے۔ت)

اورامام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہر طرح بہتر ہے جب تک کہ الوہیت اللہ میں شریک نہ ہو، اسی لئے سلفاء وخلفاء جس مسلمان نے کسی نئے طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب کیا اس ایجاد کو علماء نے اس کے مدائح میں شمار کیا نہ یہ کہ معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہرایا یہ بلا انہی مدعیان دین وادب میں پھیلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں فلاں نے کب کیں حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو فلاں نے کیں نہ فلاں نے کیں مگر یہ بھی طرفہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گھٹانے مٹانے کے لئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر یہ کہ اللہ تعالٰی کے بعد سے زیادہ بزرگی والے آپ ہیں۔ت)

اور بلطائف الحیل جہاں تک بن پڑے اور محبت و تعظیم میں کلام کرتے جائیں آخران کا امام اکبر تفویۃ الایمان [2] میں تصریح کر چکا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو یہ ایمان ہے یہ دین ہے اور دعوی ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خیر بات بڑھتی ہے مطلب پر آیئے۔ ہاں تو اگر میں ان امور کا استیعاب کروں جو درباره آداب و تعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے، لہٰذا چونکہ مثالوں پر اقتصار کر رہا ہوں:

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

مثال۱: سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بآنکہ مثل سیدنا عبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ اتباع سلف وصحابہ کرام کااحداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے۔اس پران کے ایمان ومحبت کاتقاضا ہواکہ ادب وحدیث خوانی میں وہ باتیں علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرااوران کی غایت ادب ومحبت پردلیل قرارپایا۔امام علامہ قاضی عیاض رحمۃاللہ تعالٰی علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

قال مطرف کان اذا اتی الناس مالکا خرجت الیھم الجاریۃ فتقول لھم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث اوالمسائل فان قالوا المسائل خرج الیھم، وان قالوا الحدیث دخل مغتسلہ واغتسل وتطیب ولبس ثیابا جُددا ولبس ساجہ وتعمم ووضع علی رأسہ ردائہ وتلقی لہ منصّۃ فیخرج ویجلس علیھا وعلیہ الخشوع لایزال یبخر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غیرہ ولم یکن یجلس علی تلك المنصّۃ الا اذا حدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن اویس فقیل المٰلك فی ذٰلك فقال احب وان اعظم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا احدث بہ الا علی طھارۃ متمکنا[1]۔	مطرف نے کہاجب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے ایک کنیزآکرپوچھتی شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہویافقہ ومسائل؟اگرانہوں نے جواب دیا فقہ ومسائل،جب توآپ تشریف لاتے اوراگرکہاکہ حدیث، توپہلے غسل فرماتے خوشبولگاتے نئے کپڑے پہنتے طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے چادرسرمبارک پررکھتے ان کے لئے ایک تخت مثل تخت عروس بچھایاجاتااس وقت باہرتشریف لاتے اوربنہایت خشوع اس پرجلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگربتی سلگاتے اوراس تخت پراسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی۔حضرت سے اس کاسبب پوچھا،فرمایا میں دوست رکھتاہوں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کروں اورمیں حدیث بیان نہیں کرتاجب تک وضوکرکے خوب سکون ووقارکے ساتھ نہ بیٹھوں۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الثانی الباب الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۸،۳۹

مثال ۲: اسی میں ہے:

كان مالك رضى الله تعالىٰ عنه لايركب بالمدينة دابة وكان يقول استحى من الله تعالىٰ ان اطأتربة فيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحافر دابة[1]۔	امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالٰی سے کہ جس زمین میں حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرماہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔

مثال ۳: اسی میں ہے:

قد حكى ابوعبدالرحمٰن السلمى عن احمد بن فضلوية الزاهد وكان من الغزاة الرماة ان عقال ما مسست القوس بيدى الاعلىٰ طهارة منذ بلغنى ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اخذ القوس بيده[2]۔	امام ابوعبدالرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیرانداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی جب سے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کمان دست اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴: امام ابن حاج مالکی کہ متشددین مانعین سے ہیں اوراحداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں مدخل میں فرماتے ہیں:

وتقدمت حكاية بعضهم انه جاوربمكة اربعين سنة ولم يبل فى الحرم ولم يضطجع فمثل هذا تستحب له المجاورة اويؤمر بها[3]۔	بعض صالحین چالیس برس مکہ معظّمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم میں پیشاب نہ کیا اور نہ لیٹے۔ابن الحاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب یایوں کہئے کہ اسے مجاورت کاحکم دیاجائے گا۔

مثال ۵: اسی میں ہے:

[1] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۴۸

[2] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۴۸

[3] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دارالکتب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

وقدجاء بعضهم الٰی زیارته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلم یدخل المدینة بل زار من خارجها ادبا منه رحمه الله تعالٰی مع نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقیل له الاتدخل؟ فقال امثلی یدخل بلاد سید الکونین صلی الله تعالٰی علیه وسلم لااجد نفسی تقدر علٰی ذٰلك اوکماقال[1]۔	یعنی بعض صالحین زیارت نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے بلکہ باہر سے زیارت کرلی، اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ، اس پر کسی نے کہا اندر نہیں چلتے، کہا کیا مجھ سا داخل ہو سیدالکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر میں، میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال۶: اسی میں ہے:

قال لی سید ابومحمد رحمه الله تعالٰی لما ان دخل مسجدالمدینة ماجلست فی المسجد الاالجلوس فی الصلٰوة وکلامًا هذامعناه ومازلت واقفا هناك حتی دخل الرکب۔[2]	یعنی مجھ سے میرے سردار ابومحمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا میں جب مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدہ نماز کے سوا نہ بیٹھا اور برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلہ نے کوچ کیا۔

مثال۷: اس کے متصل انہیں امام سے نقل کرتے ہیں:

ولم اخرج الٰی بقیع ولاغیره ولم ازر غیره صلی الله تعالٰی علیه وسلم وکان قدخطر لی ان اخرج الٰی بقیع الغرقد فقلت الٰی این اذهب، هذاباب الله تعالٰی المفتوح للسائلین والطالبین والمنکسرین والمضطرین والفقراء والمساکین و	میں حضوری چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی، اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں پھر میں نے کہا کہاں جاؤں گا یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکستہ اور بے چاروں اور مسکینوں کے لئے اور وہاں

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سیدالاولین والآخرین دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سیدالاولین والآخرین دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

لیس ثم من یقصد مثلہ فمن عمل علٰی ھذا ظفر ونجح بالماْمول والمطلوب او کما قال[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے، فرماتے ہیں پس جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفراللہ تعالٰی لہ بھی اس فتوے کو انہیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اور اپنے رب کریم تبارک وتعالٰی کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتوٰی نہ صرف قیام ہی میں بیان کافی و برہان شافی ہو بلکہ بحول اللہ تعالٰی اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل پر مشعل ہدایت ہو جائے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین، اٰمین، اٰمین!

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

محمدی حنفی سنی قادری
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

نقل عبارات ومواہیر فضلائے بدایوں وعلمائے رامپور وغیرہم

ذٰلك الجواب العجاب ھو الصواب لاریب فیہ ولاارتیاب فللہ در المجیب المثاب حیث اتی بالتحقیق الحق فیما اجاب۔

العبد محمد گوہر علی عفی عنہ

مولوی گوہر علی ۱۲۹۹

الحمدللہ مااجاب بہ مولٰینا المحقق واستاذنا المدقق دام فضلہ ومدظلہ فھو الحق فلا فریہ وخلاف باطل بلامریہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عبداللہ عفی عنہ

عبداللہ عفی عنہ ۱۲۹۹

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والاٰخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

فللّٰه در المجیب المثاب حیث افاد واطاب واجاد واباد اهل الجحود المستحقین للعقاب۔ ۱۲۹۹ محمد ارشاد حسین احمدی المجیب مصیب ویثاب والجواب صحیح وصواب۔ حررہ الفقیر الحقیر المظفر مطیع رسول اللہ القادر المدعو بمحمد عبدالمقتدر العثمانی القادری الحنفی غفر اللہ تعالٰی بجاہ نبیه الکریم علیه افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔ عبدالمقتدر	اصاب من اجاب حررہ الفقیر عبدالقادر انصاری محمد عبدالقادر محب رسول قادری الجواب صواب ۱۲۸۵ امداد حسین قد اصاب من اجاب حافظ بخش محمد ۱۳۰۲ صح الجواب بلا ارتیاب ۱۲۹۸ عبدالرزاق بن عبدالصمد

نعم الجواب وجد التحقیق للتصدیق والصواب ولعمری النهار لعروۃ وثقی لطالب الرشد وتستغنی بها عما سوی کیف لا ومن له ادنی بصیرۃ وروی فانه یریها احدی من تفاریق العصار یهتدی بها الی صراط مستقیم و طریق السوی ومن جعل اللہ له نور عین بصیرۃ یکحل الانصاف والتقی فانه لاحمد رضا الفاضل المجیب الذی بذل جهده للحق وسعی وجمع الادلة واوفی واتی بتحقیق مرضٰی واستقصٰی حتی صار بمقابلة اهل الضلال ومصداقا للقول الدائر المثل السائر لکل فرعون موسٰی وکذٰلك یحق اللہ الحق ویقذفه علی الباطل فیه معه فاذا هو زاهق واهوٰی ومن کان فی هذہ الوریقة اعمٰی فهو

فی الاٰخرۃ اعلٰی واضل سبیلا وربکم اعلم۔ العبد محمد سلامت اللہ

العبد محمد سلامت اللہ

محمد سلامت اللہ ابوالذکا سراج الدین ۱۲۹۶

صح الجواب واصاب من اجاب
کتبہ عبدہ الاواہ محمد شاہ عفی عنہ

محمد شاہ ۱۳۰۴

الجواب صحیح والمجیب نجیح
کتبہ محمد سلطان احمد عفی عنہ

سلطان احمد

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبیّ تہامۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۶۶: از باکپور مرغی محال مسجد حافظ محمد جعفر صاحب مرسلہ پیش امام صاحب ۱۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام مولود شریف فرض ہے یاواجب ہے یاسنت؟ عمرو کہتاہے کہ قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہوناچاہئے اور زید کہتاہے کہ ہاتھ چھوڑ کر ہوناچاہئے توبتلایئے کہ کس کی بات سچ ہے؟

الجواب:

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونابہتر ہے جیساحاضری روضہ انور کے وقت حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقف کمایقف فی الصلٰوۃ۔[1]	ایسے کھڑاہو جیسے نماز میں کھڑاہوتاہے(ت)

اسی طرح لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار وغیرہا کتب معتبرہ میں ہے۔ قیام مجلس مبارک مستحب ہے اور مجلس کھڑی ہو توسنت، اور ترک میں فتنہ، یاالزام وہابیت ہوتوواجب **کمافی ردالمحتار فی قیام الناس بعضھم لبعض**[2] (جیساکہ رد المحتار میں بعض لوگوں کے بعض کی خاطر کھڑے ہونے کے بارے میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از حسیب والہ ضلع بجنور تحصیل دہانپور مرسلہ منظور ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو میلاد مروّج ہے مع زیب وزینت واہتمام، اس کے متعلق شرع شریف میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

مسلمانوں کو جمع کرکے ولادت اقدس وفضائل علیہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یاشیرینی تقسیم کرنی بلاشبہہ جائز ومستحب ہے، اور جائز زینت فی نفسہٖ جائز، اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ وتعظیم ذکرانور قطعًا مستحب۔ اللہ عزوجل فرماتاہے:

"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ "[3]	(اور اپنے رب کی نعمت کاخوب چرچا کرو۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسك مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فی البیع وآخر فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵،۲۴۶

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

اور فرماتا ہے: "وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ"[1] (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ت) اور فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"[2]۔	تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت، اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ"۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۵

[2] القرآن الکریم ۱۰/۵۸

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری ومریدی

مسئلہ ۲۶۸: (سوال مفقود ہے)

الجواب:

"نہ وہ باتیں" خیال میں ہیں نہ یہی یاد کہ میں نے کیا بتائے تھے مگر اس وقت جو نظر کی اب بھی بہ نگاہ اوّلیں تین ہی مطلب ذہن میں آئے۔ عجب نہیں کہ یہ وہی مطالب ہوں جو اس وقت فکر میں آئے تھے یا غیر ہوں۔

شاعر "ارباب تمکین" سے نہیں جو ایک حال پر مستقیم و مستقر رہے بلکہ "اصحاب تلوین" میں سے ہے جن پر واردات مختلفہ مقتضٰی قضایائے مختلفہ وارد ہوتے ہیں وہ اپنے ان احوال گوناگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

" میخواہم " (میں خواہش کرتا ہوں۔ت) توظاہر ہے کہ عشق میں "اہل بدایت" کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی خواہش یہی کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔

اور " نمی خواہم " (میں خواہش نہیں کرتا۔ت) تین مقامات مختلفہ سے ناشیئ ہے جن میں ایک دوسرے سے اعلٰی ہیں۔

مقامِ اوّل: ادنٰی مقام "جوشش عشق ورشک ہے" یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گر ہو مگر "حبیب ورقیب" شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت رقیب نہ ہوگی۔ اور رویت رقیب ہرگز منظور نہیں، اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے، رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا۔ اور دیدار حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقامِ دوم: اوسط "مقام فنائے ارادہ درارادہ محبوب" یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔ جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا مقام وارد ہوتا ہے میں اپنی اس خواہش دلی سے درگزر کرتا ہوں۔

میل من سوئے وصال وقصد اوسوئے فراق　　　ترک کام خود گرفتم تابرآید کام دوست

(میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا مقصد ترک کردیا تاکہ دوست کا مقصد پورا ہوجائے۔ ت)

؎ فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب　　　کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

فراق ووصل کیا چاہتا ہے دوست کی رضامندی طلب کر کیونکہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا افسوسناک ہوگا۔ ت)

مقام سوم: "اعلٰی مقام فناء فی المحبوب" کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے غیر واضافات ونسبت وتعلقات کہاں سے آئیں۔ رقیب کا غیر ہونا ظاہر، اور رویت حبیب کا تصور بھی تصور غیر ہے کہ رؤیت تین چیزوں کو چاہتی ہے: رائی، مرئی، اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں کہ حبیب وہ جس سے محبت ہو۔ اور محبت کو ہر دو حاشیہ محب ومحبوب واضافت بینھما سے چارہ نہیں۔ جب میں ہمہ تن فناء فی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب ورویت وعدم رویت کو کون سمجھے، اور ارادہ وخواست کدھر سے آئے۔ لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

اللھم ارزقنا ھذا المقام فی رضاك وصل وسلم وبارك علٰی مصطفاک	اے اللہ! ہمیں اپنی رضا میں یہ مقام عطا فرما۔ اور اپنے منتخب محبوب، اس کی آل، اصحاب

وآلہ واولیائہ وکل من والاک۔ اٰمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	اور اپنے ہر محب پر درود وسلام وبرکت نازل فرما، آمین۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۶۹: از تریا ضلع بریلی مسئولہ امداد حسین صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدار صاحب کا سلسلہ بیعت کرنے کا ہے یا نہیں؟ تھا یا توڑ دیا، کیاان کے خاندان میں بیعت ہونا روا ہے یا نہیں؟ کل وجہ تسمیہ اس سلسلہ کی تحریر فرمائیے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب: حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ الشریف اکابر اولیائے عظام سے ہیں، مگر ولی ہونے کو یہ ضرور نہیں کہ اس سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہو۔ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں صرف چند صاحبوں سے سلسلہ بیعت ہے، باقی کسی صحابی سے نہیں۔ پھر ان کی ولایت کو کس کی ولایت پہنچ سکتی ہے۔ اس خاندان کا جو سلسلہ اکابر میں چلا آیا ہے وہ محض تبرک کے لئے ہے۔ جیسے حدیث شریف کا سلسلہ، باقی افاضہ کا اجراء اس سے نہ ہوا، جیسا کہ حضرت سید نا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی نے سبع سنابل شریف میں فرمایا: توجسے بیعت صحیحہ سلاسل نافذہ منفقہ میں ہو وہ اپنے مشائخ سے تبرکًا اس سلسلہ کی بھی سند لے لے توحرج نہیں، اور اسی پر اکتفاء، اور خصوصًا اہل فسق جو اکثر اس سلسلہ کا غلط نام بدنام کرنے والے ہیں ان سے رجوع، یہ باطل اور ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰، ۲۷۱: محمد جعفر خاں الملقب بہ عارف ابوالحسینی قادری محلّہ چودھری بدایوں ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین وطریقت کیاارشاد فرماتے ہیں کہ مثلًا زید نے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور چند روز کے بعد پیر نے خلافت بھی مرحمت فرمائی، پھر بعد چند روز کے جامہ طریقت بھی پہنایا یعنی فقیر بنایا، مگر اس کے بزرگ خاندان مداریہ سے بیعت کرتے چلے آئے ہیں اور نیز زید کا باپ سرگروہ بھی تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زید کو خاندان مداریہ کا طالب ہونا ضروری ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کو اپنے بزرگوں کے خاندان کے طالب ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

دوم طالب اور مرید میں کیافرق ہے:

الجواب:

اول، ان سے طالب ہونا ہرگز کچھ ضرور نہیں، بلکہ جب افضل السلاسل سلسلہ علیہ، عالیہ،

صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ میں شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر فخر بیعت نصیب ہو چکا ہے تو اسے دوسری طرف اصلاً توجہ وپریشان نظر ہی نہ چاہئے۔

دوم: مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبت شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے۔اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیض شیخ ہی جانے، ورنہ دودِر کبھی فلاح نہیں پاتا۔اولیائے کرام فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔(ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ "[2]۔نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ایک مثال بیان فرماتا ہے، ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک ہوں اور ایک نرے ایک مولٰی کا۔کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔سب خوبیاں اللہ کو ہیں بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از کیمپ صدر بازار بریلی مسئولہ امام علی شاہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم بندہ مولوی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔بعد ادائے آداب و تسلیمات کے عرض رسا ہوں، گزارش یہ ہے کہ ایک جگہ ایسا جھگڑا آپڑا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان غوثیہ والے ایک صاحب یعنی خاندان محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحب نے مداریہ خاندان والوں سے کہا کہ ہمارا خاندان بڑا ہے، تم لوگ ہمارے یہاں بیعت ہو۔انہوں نے کہا یعنی مداریہ والوں نے جواب دیا کہ ہمارا خاندان تمہارے خاندان سے اچھا نہیں ہے، اور اچھا بھی ہے تو خدا کے یہاں خاندان نہ پوچھا جائے گا بلکہ عمل پوچھا جائے گا۔خاندان غوثیہ والوں نے ثبوت پیش کیا کہ حضرت غوث پاک کے بارے میں جناب رسول مقبول صلی اللہ

1

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔مداریوں نے دریافت کیاکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گردن پر بھی اور حضرات حسنین علیہما السلام خواجہ حسن کی گردن پر بھی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت خواجہ حبیب عجمی اور مدار صاحب کی گردن پر تھا یا نہیں؟ خاندان غوثیہ والوں نے جواب دیا کہ مدار صاحب کی گردن پر قدم تھا۔ اور جو صاحبان پہلے گزر چکے ہیں ان پر نہیں خاندان مداریہ والوں نے جواب دیا: ہمارا خانوادہ طیفوریہ دوئم اور تمہارا خانوادہ طوسیہ ہفتم ہے، ہمارے خاندان سے تمہارا خاندان بعد میں ہوا۔اور مداریہ کہتے ہیں کہ مدار کارتبہ غوث سے اعلٰی ہے۔جناب کو تکلیف دے کر عرض ہے کہ مدار کے کیا معنی ہیں؟ اور جو درجہ مداریہ ہے اس کی کیا تشریح ہے؟ اوران دونوں خاندان والے صاحبان میں کون حق پر ہیں اور کون سے نہیں؟ سوآپ کے اور کوئی عالم صاحب اس مرحلہ کو طے نہیں کرسکتے بلکہ یہاں تک نوبت ہوگئی ہر دوجانب سے آمادہ فساد پر ہوجائیں تو عجب نہیں۔ماشاء اللہ آپ عالم باعمل ہیں اور جملہ خاندان عالیہ سے سند یافتہ ہیں۔اہل علم میں فساد ہونا موجب سبکی کا ہے۔اور دونوں خاندان والے جناب کے قول کو صادق ہونے پر مضبوط ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مولوی صاحب فرمائیں گے وہ ہم دونوں صاحبان کو منظور ہے۔اللہ پاک جناب کو ہم سیہ کاروں پر ہمیشہ ہمیشہ سلامت اور قائم رکھے۔حضور کے ہونے سے جملہ صاحبان اہل آلام کو ہر طرح کی تقویت حاصل ہے۔زیادہ حد ادب!

الجواب:

عوام کو ایسے امور میں بحث کرنا سخت مضرت کا باعث ہوتا ہے۔مبادا کسی طرف گستاخی ہوجائے تو عیاذًا باللہ سخت تباہی و بربادی، بلکہ اس کی شامت سے زوال ایمان کااندیشہ ہے، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس اللہ سرہ العزیز ضرور اکابر اولیاء سے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کامرتبہ بہت اعلٰی وافضل ہے۔غوث اپنے دَور میں تمام اولیائے عالم کا سردار ہوتا ہے۔اور ہمارے حضور امام حسن عسکری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد سے سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تشریف آوری تک تمام عالم کے غوث اور سب غوثوں کے غوث اور سب اولیاء اللہ کے سردار ہیں اور ان سب کی گردن پر ان کاقدم پاک ہے۔امام ابوالحسن علی بن یوسف بن حمریر لخمی بن شطنوفی قدس سرہ العزیز نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں بسند مسلسل دو اکابر اولیاء اللہ معاصرین حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت سیدی احمد ابن ابی بکر حریمی وحضرت ابوعمرو عثمان ابن صریفینی قدس اللہ اسرارہما سے دو حدیثیں روایت فرمائیں۔

پہلی کی سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی صالح ابن احمد بن علی البغدادی المالکی سنۃ احدی وسبعین وستمائۃ قال اخبرنا الشیخ ابوالحسن البغدادی المعروف بالخفاف قال اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر ن الحریمی بہ سنۃ ثمانین وخمسامئۃ۔[1] اور دوسری سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی قال اخبرنا شیخ ابومحمد عبداللطیف البغدادی المعروف الصریفینی[2]۔ اور ان دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے کہ دونوں حضرات کرام نے فرمایا:

واللہ مااظھر اللہ تعالٰی ولایظھر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[3]	یعنی خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مانند نہ کوئی ولی عالم میں ظاہر کیا نہ ظاہر کرے۔

نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں حضرت سیدی ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کو فرماتے سنا:

مااوصل اللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبد القادر اعلاہ ولاسقی اللہ حبیبا کاسًا من حبہ الاوکان الشیخ عبدالقادر اھناہ، ولاوھب اللہ لمقرب حالا الا وکان الشیخ عبدالقادر اجلہ، وقد اودعہ اللہ تعالٰی سرّا من اسرارہ سبق بہ جمھور الاولیاء وما اتخذ اللہ ولیا کان اویکون الا وھو متادب	یعنی اللہ تعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر کا مقام اس سے اعلٰی ہے، اور جس پیارے کو اپنی محبت کا جام پلایا شیخ عبدالقادر کے لئے اس سے بڑھ کر خوشگوار جام ہے اور جس مقرب کو کوئی حال عطافرمایا شیخ عبدالقادر کا حال اس سے اعظم ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے اسرار سے وہ راز ان میں رکھا ہے جس کے سبب ان کو جمہور اولیاء پر سبقت ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے جتنے ولی ہوگئے یا ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا

[1] بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[2] بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[3] بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

معہ الٰی یوم القیٰمۃ۔[1]	ادب کریں گے۔

یہ شہادتیں ہیں حضرت خضر اور حضرات اولیاء کرام کی، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

واللہ تعالٰی اعلم علمہ احکم۔

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور محلّہ پرانی سبزی منڈی کی مسجد متصل چوک مرسلہ عبدالرشید ۸ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی درویش کہتاہے کہ پیر کی شکل پر متشکل ہو کر خداوند تعالٰی مرید سے ملاقات کرتاہے اور دلیل کتاب "انتباہ" شاہ ولی اللہ صاحب کی لاتاہے۔ مضمون کتاب ہذا یہ ہے کہ:

| حضرت سلطان الموحدین وبرہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضیخاں صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنین می فرمودن کہ صورت مرشد کہ ظاہرًا دیدہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالٰی است بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ خلق اٰدم علٰی صورۃ الرحمٰن ومن راٰنی فقد رأی الحق۔
گر تجلی ذات خواہی صورت انساں ببیں
ذات حق را آشکارا اندر وخنداں ببیں[3]
اکثر علماء دریں عبارت مذبورا مخالف ہستند، بادلیل معتبرہ عندالشرع شریفہ ہرچہ حق باشد۔بیّنوا توجروا۔ | حضرت گرامی مرتبت، موحدوں کے بادشاہ، عاشقوں کی برہان، متکلمین کی حجت، شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضی خاں، صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت جو ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے وہ حق سبحانہ وتعالٰی کا مشاہدہ ہے۔آب وگل کے پردہ کے بغیر، کیونکہ اللہ تعالٰی نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے حق کو دیکھا۔"اگر تو تجلی ذات کا خواستگار ہے تو انسان کی صورت دیکھ۔ذات حق کو اس میں واضح طور پر ہنستا ہوا دیکھ"۔اکثر علمائے کرام عبارت مذکورہ کے مخالف ہیں، جو کچھ حق ہے معتبر دلیل شرعی کے ساتھ بیان فرمائیں، اجر دیئے جاؤگے۔(ت) |

[1] بھجۃ الاسرار ذکر ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مطبوعہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۶

[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۹۲ و ۹۳

الجواب:

قول مذکور گستاخی اور دریدہ دہنی ہے، اور عبارت انتباہ سے اس پر استدلال غلط فہمی، عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لم یقظہ عــــہ و قضیضہ، مظاہر و مجالی حضرت خالق عزوجل جلالہ ہے۔

فی الاٰفاق وانفسکم افلاتبصرون o ماراًیت شیئا الاورأیت اللہ فیہ۔[1]	آفاق میں اور خود تم میں نشانیاں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں، میں کسی شیئ کو نہیں دیکھتا مگر اس کے ساتھ میں اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (ت)

مظہر اول و اعظم واجل واتم واکمل کہ مظہر ذات ہے ذات اقدس حضور انور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات ہے، باقی تمام عالم حسب استعداد اس پر تو اصلی کا پرتو درپرتو بواسطہ ووسائط ہے۔ شیخ جس میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور بصفت ہدایت وارشاد وتربیت متجلی ہے اور عالم ملکوت عالم ملک سے ازکی واصطفٰی واجلی وابہٰی واحلٰی ہے، تو اس سے مشاہدہ ایک زیادہ صاف و مجلی آئینہ سے مشاہدہ ہے ورنہ متجلی شکل و تشکل سے منزہ و متعالی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴: از مقام موضع سرنیاں ضلع بریلی بتاریخ ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے پیرومرشد کا کیا حق ہے مرید کے روپیہ واسباب میں کتنا مرشد کو دے اور کتنا مرید اپنے خرچ میں لائے۔ وہ بات تحریر فرمائی جائے جس سبب سے پیر کے حق سے چھوٹے، تاکہ قیامت میں مواخذہ نہ ہو، اور اگر پیرومرشد کی عدولی کرے، اور جیسا کہ مرید کو حکم ہوا اس پر عمل نہ کرے، ایسے مرید کے لئے کیا حکم ہے اور قیامت میں مواخذہ ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

پیر واجبی پیر ہو، چاروں شرائط کا جامع ہو، وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اس کے حقوق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حقوق کے پرتو ہیں جس سے پورے طور پر

عــــہ: کل کا کل (المنجد) عبدالمنان اعظمی۔

[1] الحدیقۃ الندیۃ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۳

عہدہ برا ہونا محال ہے، مگر اتنا فرض ولازم ہے کہ اپنی حد قدرت تک ان کے ادا کرنے میں عمر بھر ساعی رہے۔ پیر کی جو تقصیر رہے گی اللہ ورسول معاف فرماتے ہیں پیر صادق کہ ان کا نائب ہے یہ بھی معاف کرے گا کہ یہ تو ان کی رحمت کے ساتھ ہے۔ ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ مرشد کے حق باپ کے حق سے زائد ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ باپ مٹی کے جسم کا باپ ہے اور پیر روح کا باپ ہے، اور فرمایا ہے کہ کوئی کام اس کے خلاف مرضی کرنا مرید کو جائز نہیں۔ اس کے سامنے ہنسنا منع ہے، اس کی غیبت میں اس کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنا منع ہے، اس کی اولاد کی تعظیم فرض ہے اگرچہ بے جا حال پر ہوں، اس کے کپڑوں کی تعظیم فرض ہے، اس کے بچھونے کی تعظیم فرض ہے، اس کی چوکھٹ کی تعظیم فرض ہے، اس سے اپنا کوئی حال چھپانے کی اجازت نہیں، زا اپنے جان ومال کو اسی کا سمجھے۔

پیر کو نہ چاہئے کہ بلاضرورت شرعی مریدوں کو مالی تکلیف دے، انہیں جائز نہیں کہ اگر اسے حاجت میں دیکھیں تو اس سے اپنا مال دریغ رکھیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی ملک اور بندہ بے دام سمجھے، اس کے احکام کو جہاں تک بلاتاویل صریح خلاف حکم خدا نہ ہوں حکم خدا اور سول جانے۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع نیشٹھ ضلع امرتسر ڈاک خانہ خاص متصل اسٹیشن اٹاری

مسئولہ سید رشید الدین صاحب عرف سید محمد عبدالرشید بریلوی ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صاحب ارشاد مرفوع الاجازت شیخ کا اپنی زوجہ کو بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کہے کہ اپنی منکوحہ کو بیعت کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام بتاتا ہے، کیونکہ زوجہ بیٹی بن جاتی ہے اور نکاح نہیں رہتا بلکہ فسخ ہو جاتا ہے اور نیز یہ دلیل بھی بیان کرتا ہے کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ کسی نے خلفائے راشدین میں سے ایسا کیا اور نہ کسی سلف صالحین میں سے اپنی زوجہ کو بیعت کیا ہے۔ پس یہ قول اس شخص کا صحیح ہے یا غلط ومردود؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب اللہ سے بیان کرو۔ حساب والے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب:

زوجہ کو مرید کرنا جائز ہے، تمام امت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مرید ہی ہوتی ہے پھر وہ انہیں میں سے تزوّج فرماتے ہیں۔ مرید حقیقۃً اولاد نہیں ہوتا، وہ ایک دینی علاقہ ہے جو صرف پیر بلکہ استاذ علم دین کو بھی شاگرد پر حاصل ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انما انا لکم بمنزلة الوالد اعلمکم۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے والد کی طرح ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت)

اور زوجہ کو مسائل دینی تعلیم کرنے کا زوج کو حکم ہے۔

قال تعالٰی "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اپنی ذاتوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۶: مسئولہ محمد تقی صاحب از راندیر ضلع خاندیس شرقی بر مکان قاضی صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

کرامت اور فیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:

کرامت خرق عادت ہے کہ ولی سے صادر ہو، اور فیض وبرکات اور نورانیت کا دوسرے پر القا فرمانا ہے۔ یہ القاء اگر برخلاف عادت ہو تو فیض بھی ہے اور کرامت بھی۔ جیسے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نصرانی کے گھر تشریف لے جاکر اسے سوتے سے جگا کر کلمہ پڑھنے کا حکم دیا اس نے فوراً پڑھ لیا۔ فرمایا: فلاں جگہ کا قطب مرگیا ہے ہم نے تجھے قطب کیا۔ نیز ایک بار ایک نصرانی کو کلمہ پڑھا کر اسی وقت ابدال میں سے کردیا۔ اور اگر موافق عادت تربیت وریاضات ومجاہدات سے ہو تو فیض ہے، کرامت نہیں۔ اور اگر خلاف عادت غیر القائے مذکور ہو جیسے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہا مردے کو زندہ، زندہ کو مردہ فرمادیا۔ تو کرامت ہے فیض نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۲۷۷: از کوہ شملہ لکڑ بازار کوٹھی دورلی مرسلہ عبدالرحیم خاں ۱۸/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

مخدوم ومکرم اعلٰی حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب زاد مجدہ، سلام مسنون نیاز مندانہ کے بعد عرض خدمت ہے زید کہتاہے بیعت غائبانہ کوئی شیئ نہیں، اور زید جناب والا کامعتقد ہے۔لہٰذا بیعت غائبانہ جس حدیث شریف سے ثابت ہو جناب والا تحریر فرماکر اور مہر سے مزیّن فرماکر مشکور فرمائیں تاکہ زید کی تسلی کردی جائے۔اور وہ اگر حاضری سے معذور ہے تو آنحضرت سے غائبانہ بیعت کاشرف حاصل کرے۔اس کاجواب اس پتہ پر روانہ فرمائیے۔کوہ شملہ بمعرفت امام جامع مسجد عبدالرحیم کو ملے۔

الجواب:

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ " [1]۔	وہ جو تم سے بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کاہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اور فرماتاہے:

" لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ " [2]	بے شک اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ تم سے بیعت کرتے ہیں درخت کے نیچے۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب یہ بیعت ہوئی ہے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ غائب تھے، بیعت حدیبیہ میں ہوئی اور وہ مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کاہاتھ ہے، پھر اسے اپنے دوسرے دست مبارک پر مار کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے، لفظ حدیث یہ ہیں: **واما تغیبیہ عن بیعت الرضوان فانہ لوکان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان بن عفّان لبعثہ مکانہ فبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان وکانت بیعت الرضوان بعد ماذھب عثمان الی مکۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ الیمنی ھذہ ید عثمان فضرب بھا علٰی یدہ وقال ھٰذہ**

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

لعثمان۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸، ۲۷۹: از موضع کچھی پور ڈاکخانہ سگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مسئولہ احمد حسین محرر روز دوشنبہ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ

جناب فیض مآب، فیض بخش، فیاض زماں، مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام افضالہ، بعد سلام علیک دست بستہ کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ:

(۱) جیسا اور خاندانوں میں سلسلہ پیری مریدی جاری ہے اسی طرح سے جناب حضرت "شاہ مدار" صاحب کا ہے یا نہیں؟

(۲) خدام زیارت مکنپوری اپنے تین خاندان خلفاء وجدی "شاہ مدار" صاحب سے بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فی زمانہ چار ہی خاندان کی بیعت سنی اور خاندان کی نہیں سنی، اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید حضرت شاہ مدار صاحب مرید حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم سے زیادہ ہیں، یہ امر تصدیق طلب ہے، لہٰذا تصدیعہ وہ کہ براہ غرباء پروری اور بندہ نوازی حکم سے اطلاع بخشی جائے۔

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرضوان سید الاولیاء ہیں، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ السریر کو ان سے افضل کہنا جہل وطغیان وافتراء وبہتان ہے۔ بیعت کے لئے لازم ہے کہ پیر چار شرطوں کا جامع ہو:

(۱) سنی صحیح العقیدہ

(۲) صاحب سلسلہ

(۳) غیر فاسق معلن

(۴) اتنا علم دین رکھنے والا کہ اپنی ضروریات کا حکم کتاب سے نکال سکے۔

جہاں ان شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہے بیعت جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از بنارس چھاؤنی محلّہ ڈیٹوری تھانہ سکرور مسئولہ عبدالوہاب سہ شنبہ ۲۰/صفر ۱۳۳۲ھ

کسی کو جبرًا مرید کرنا اور نابالغوں کو بغیر ان کے والدین کی اجازت کے دست بیع کرنا جائز

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالٰی ان الذین تولوا منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲

ہے کہ نہیں؟ فقط

الجواب:

مرید اور جبر دونوں متبائن ہیں جمع نہیں ہوسکتے۔ مریدی اپنے دل کی ارادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنہیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرت مریدین سے اپنی شہرت۔ نابالغ اگر ناسمجھ ہے تو بے اجازت ولی اسے مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں تعلیق ارادت ممکن ہے جس کا قبول اس کے عقل وبلوغ پر موقوف رہے گا۔ اگر کسی میں رشد کے آثار پائے اور گمان کرے کہ اس کے زمانہ عقل تک شاید اپنی عمر وفانہ کرے اور اسے شیخ کی حاجت ہو۔ اور زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکلوں میں ہیں لہٰذا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ ت)

ولہٰذا اسے اپنا کرلے، اور وہ زمانہ عقل تک پہنچ کر اسے قبول کرلے تو بیعت کی تکمیل ہوجائے گی اور اگر عاقل ہے اور اس کی رغبت دیکھے تو مرید کرسکتا ہے، اجازت والدین کی حاجت نہیں[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۱ و ۲۸۲:　　از کلکتہ بڑا بازار سوناپٹی گنیش بھگت کاکڑہ　　۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۴۰ھ

(۱) ایک شخص ایک آدمی سے مرید ہے، پہلے وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور علم بھی کچھ نہیں جانتا تھا اب اللہ تعالٰی نے اس کو کچھ علم بخشا تو وہ دیکھتا ہے کہ جو پیر ہمارا ہے وہ ہم سے بھی بدتر ہے افعال میں اور صرف اردو قرآن شریف کے سوا کچھ نہیں جانتا ہے۔ اور قرآن شریف بھی دیکھ کر پڑھتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ اور کھانا کپڑا بھی مانگ کے چلاتا ہے اور رات دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اب وہ شخص جو مرید ہوا ہے اس کا سوال ہے کہ میں دوسرے سے پھر مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ اور جس شخص سے پہلے مرید ہے وہ خاندانی سید ہے۔ اور اس خط کے شامل شجرہ بھی ان کا جاتا ہے۔

(۲) ایک شخص گویا کلکتہ میں ہے اور اس کے دل میں ہے کہ میں مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ مگر وہ جس سے مرید ہونا چاہتا ہے وہ دوسرے ملک میں ہے، پھر وہ کس طرح سے مرید ہوسکتا ہے؟

الجواب:

(۱) حسب تصریح ائمہ کرام پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

---

[1] مثنوی معنوی دفتر اول ص ۱۲ وگلدستہ مثنوی معارف نعمانیہ لاہور ص ۶۰

اوّل: سنی صحیح العقیدہ۔
دوم: علم دین بقدر کافی رکھتا ہو۔
سوم: کوئی فسق علانیہ نہ کرتا ہو۔
چہارم: اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح اتصال سے ملا ہو۔
اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطع السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہئے جہاں یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔
(۲) بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل ارادت فعل قلب ہے۔**والقلم احد اللسانین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۳: مسئولہ مولانا سید دیدار علی صاحب الوری اواخر شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دربارہ ایسے شخص کے جو فتوٰی دے ایسا کہ جو کوئی خاندان عالیہ قادریہ کو اور خاندانوں سے افضل واعلٰی نہ جانے اور باوجود افضیلت کے پھر دوسرے خاندانوں میں بیعت حاصل کرے وہ ضال اور مضل اور ذریت شیطان لعین میں سے ہے۔ایسا کہنے والا یہ فتوٰی دینے والا کیسا ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے کہ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاولیاء وامام العرفاء وسید الافراد وقطب ارشاد ہیں۔مگر حاشاللہ کہ دیگر سلاسل حقہ راشدہ باطل ہوں یا ان میں بیعت ناجائز وحرام ہو۔اس کی نظیر بعینہٖ مذاہب اربعہ اہل حق ہیں۔ہمارے نزدیک مذہب مہذب حنفی افضل المذاہب واضح المذاہب واولٰہا بالحق ہے مگر حاشا کہ متبعان مذہب ثلٰثہ باقیہ عیاذاباللہ ضال ومضل ہیں۔ایسا کہنا خود صریح باطل وغلو ہے۔**والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۴: ازکانپور مرسلہ مولوی آصف علی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جوپتہ یادرخت بوجہ غفلت تسبیح گرجاتاہے یاجانور ذبح کردیاجاتاہے توپھر بعداز سزائے غفلت اس کاتسبیح میں مشغول ہوناثابت ہے یانہیں؟

الجواب:

رب عزوجل فرماتاہے:

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ "[1]۔	اس کی تسبیح کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جواس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

یہ کلیہ عامہ جمیع اشیائے عالم کوشامل ہے، ذی روح ہو یا بے روح۔ اجسام محضہ جن کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں، کہ دائم التسبیح ہیں کہ "ان من شیئ" کے دائرے سے خارج نہیں۔ مگران کی تسبیح بے منصب ولایت نامسموع نہ مفہوم۔ اور وہ اجسام جن سے روح انسی یاملکی یاجنی یاحیوانی یانباتی متعلق ہے ان کی دو تسبیحیں ہیں: ایک تسبیح جسم، کہ اس روح متعلق کے اختیار میں نہیں وہ اسی "ان من شیئ" کے عموم میں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔ دوسری تسبیح روح، یہ ارادی اختیاری ہے اور برزخ میں ہرمسلمان کو مسموع ومفہوم۔ اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزاحیوان ونبات کو قتل وقطع سے دی جاتی ہے۔ اوراس کے بعد جب جانور مرجائے یانبات خشک ہوجائے منقطع ہوجاتی ہے ولہٰذا ائمہ دین نے فرمایاکہ ترگھاس مقابر سے نہ اکھیڑیں **فانه مادام رطبا یسبح الله فیؤنس المیت**[2] کہ جب تک وہ ترہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے تومیت کادل بہلتاہے۔ مگر قتل وقطع وموت ویبس کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفس جسم کی تھی جب تک اس کاایک جزو لایتجزی باقی رہے گا منقطع نہ ہوگی کہ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ"[3] (اور کوئی چیز نہیں جواسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ت) اسے روح سے تعلق نہ تھاکہ تعلق روح نہ رہنے سے منقطع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطلب فی وضع الجدید ونحوالآس علی القبور داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

مسئلہ ۲۸۵: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۵ھ

مرید ہونا واجب ہے یا سنت؟ نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں؟ مرشد کی کیوں ضرورت ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب الملفوظ

مرید ہونا سنت ہے اور اس سے فائدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال مسلسل۔ تفسیر عزیزی دیکھو آیہ کریمہ:

"صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ"[1]	راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔(ت)

میں اس کی طرف ہدایت ہے، یہاں تک فرمایا گیا:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن۔[2]	جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔(ت)

صحت عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیح متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے تو اس کے برکات ابھی دیکھتے ہیں جنہیں نظر نہیں وہ نزع میں قبر میں حشر میں اس کے فوائد دیکھیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۶: مسئولہ عبدالعزیز انصاری از اٹاوہ شنبہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وعرفائے اہل یقین اس مسئلہ میں کہ زید شیخ وقت نے اپنے بیٹے عمرو کو امور فقر میں اپنا خلیفہ نہیں کیا اور نہ اجازت مرید کرنے کی دی، عمرو نے بعد وفات اپنے والد زید کے بوجہ نہ پانے خرقہ فقر واجازت کے ان کے ایک خلیفہ نصیر سے اجازت خلافت حاصل کی تھی مگر جب کسی کو مرید کیا تو اپنے باپ زید کے نام سے کیا، اپنے پیر اجازت کا نام شجرہ لکھنا نہیں معمول رکھا۔ یہ طریقہ عمرو کا مطابق کتب اہل طریقت وطریقہ مشائخ عظام جائز ہوا یا نہیں؟ پھر عمرو نے اپنے بیٹے خالد کو اپنے حین حیات خرقہ دیا جس کو خالد نے کچھ عرصہ کے بعد یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نہیں لوں گا، اور نہ کبھی خالد نے عمرو کی زندگی بھر تجدید اجازت وخلافت کی بابت کچھ تذکرہ کیا البتہ عمرو نے اپنے مرض وصال میں قریب انتقال اپنی تسبیح وکتب وظائف وغیرہ ایک دوسرے شخص بکر کو جو اس کا اہل تھا مع اجازت وخلافت دے دی اور اپنے مریدین کو بھی اسی کے سپرد کیا مگر اپنے بیٹے خالد کو بوجہ اس کے نااہل ہونے وخرقہ واپس کرنے کے کچھ نہیں دیا، لیکن بعد وفات عمرو کے خالد نے خود بخود اس کے خرقہ کو

---

[1] القرآن الکریم ۱/ ۷

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ الحسینی ص۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص۱۸۱

پہن کراپنے والد کے نام سے مرید کرنا شروع کردیا، اور اسی پر عامل رہے۔ یہ عمل خالد کا بلحاظ کتب معتبرہ اہل تصوف درست تھا یا نہیں جیساکہ اس کا معمول تھا، موافق کتب مع اہل طریقت جواب ہونا چاہئے۔ خالد نے اپنے بیٹے نذیر کو اپنی زندگی میں اپنا خرقہ دیا (جو بمطابق تحریر بالا ناجائز ہونا چاہئے تھا) اب نذیر اپنے مریدین کو اپنے باپ خالد اور دادا عمرو کے نام سے مرید کرنے کا معمول رکھتا ہے اور شجرہ میں بھی انہیں دونوں کا نام لکھا جاتا ہے حالانکہ دونوں غیر مجاز تھے، آیا یہ طریقہ نذیر کا جائز ہے یا ناجائز جبکہ عمرو کو خلافت واجازت اپنے باپ زید سے نہ تھی تو عمرو وخالد ونذیران سب کا یہ فعل وعمل بروئے طریقت ناروا ہونا چاہئے یا نہیں؟ امید کہ کتب معتبرہ سے تحقیق فرماکران تینوں امور کا جواب مفصل عنایت ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب الملکتوب

صورت مستفسرہ میں خالد ونذیر دونوں محض باطل پر ہیں اوران کے ہاتھ پر بیعت ناجائز، اور نادانستہ کی ہو تواس سے رجوع واجب۔ حضرت قدسی منزلت سیدنا میر عبدالواحد صاحب بلگرامی قدس سرہ السامی کتاب مستطاب سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے بیش نماندہ است وآں رسم واسم نیز مبنی بچند شرائط می داں کہ بے آں شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست۔ اما نخست از شرائط پیری یکے[1] آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم[2] از شرائط پیری آنست کہ پیردرادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم[3] از شرائط پیری آنست کہ پیر را عقائد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت پس ایں رسمے کہ از پیری ومریدی ماندہ است بے ایں سہ شرائط اصلاً درست نیست وایں ہر سہ شرائط رابیان مختصر واضح کنم اما شرط اول کہ مسلک صحیح است مرید صادق را تفحص	اے بھائی! پیری ومریدی کی محض رسم اور نام باقی رہا گیا ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، اس نام اور رسم کو بھی چند شرائط پر مبنی سمجھ کر ان شرائط کے بغیر پیری ومریدی بالکل درست نہیں۔ پیری کی اولیں شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرع کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی کرنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کا عقیدہ صحیح اور مذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ یہ رسمی پیری ومریدی ان تین شرائط کے بغیر ہرگز درست نہیں۔ ان تینوں شرطوں کی مختصر بیان کے ساتھ وضاحت کرتاہوں۔ پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ سچے مرید کو صحیح سلسلہ کی چھان بین کرنی چاہئے

سلسلہ درست باید کرد دراکثر جاہا خلط وخبط گشتہ است نوعے ازاں آنست درویشے کہ درحالت حیات بسبب غفلت ویابہ سبب دیگر فرزند خود را خلافت نمی دہد ومردماں راوصیت ہم نمی کند کہ بعداز من باید کہ خرقہ من فرزند مرا بپوشانید واو رابجائے من بنشانند فامامردماں آں مقام روزسوم خرقہ پدر پسر رامی پوشانند واورابجائے پدرمے نشانند از صحت وغیر صحت ایں کار نمی دانند خلقے بہ بیعت اواسیری گرددوادبے رخصت واجازت پدرپیرمی شود ہمہ ضلالت درضلالت است چہ اگرچہ خرقہ متروکہ پدربسبب ارث ملک پسر شدولیکن شرط صحت بیعت رخصت واجازت پدراست نہ مجرد خرقہ پدر مؤلف راست قطعہ؎ اے پسر شرط صحت بیعت درطریقت اجازت سلف است بدغل سکہ بہرہ مزن کاں رہ کاسداں ناخلف است	اکثر جگہ اس میں خلط ملط ہوجاتا ہے۔اس کی ایک قسم یہ ہے کہ کوئی درویش اپنی زندگی میں غفلت یا کسی اور وجہ سے اپنے بیٹے کو خلافت نہیں دیتا اور لوگوں کو وصیت بھی نہیں کرتا کہ میرے بعد میرا خرقہ میرے بیٹے کو پہنانا اور اس کو میری گدّی پر بٹھانا۔لیکن اس علاقے کے لوگ وصال کے تیسرے روز اس کے بیٹے کو خرقہ پہنا کر باپ کی گدی پر بٹھادیتے ہیں اور اس کام کے صحیح یا غلط ہونے کا انہیں کوئی علم نہیں۔لوگ اس کی بیعت کے پابند ہوجاتے ہیں اور وہ باپ کی اجازت ورخصت کے بغیر پیر بن جاتا ہے۔یہ سب گمراہی در گمراہی ہے،اس لئے کہ اگرچہ باپ کا خرقہ متروکہ بطور میراث بیٹے کی ملکیت ہوتا ہے مگر صحت بیعت کی شرط باپ کی رخصت واجازت ہے نہ کہ محض باپ کے خرقہ کا حاصل ہوجانا، قطعہ: "اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہر مت لگا کہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کا ہے"۔
نوع دیگرانست اولیاء اسلاف کہ قطب وغوث بودند فرزندان ایشاں بے صحت اسناد وبے رخصت واجازت بمجرد نسبت فرزندی خلقے رامریدمی کنندوخلق می دانند کہ مابخانوادہ فلاں قطب وغوث پیوند درست کردیم وانابت	دوسری قسم یہ ہے اولیائے اسلاف جو کہ غوث وقطب تھے ان کے بیٹے صحیح سند اور ان کی رخصت واجازت کے بغیر محض بزرگوں سے نسبت فرزندی رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو مرید بناتے ہیں

آوردیم سر بسر گمراہی است۔[1]	لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں غوث اور قطب کے خانوادہ کے ساتھ تعلق قائم کرلیا ہے اور ان کی طرف رجوع کرلیا ہے۔ یہ مکمل طور پر گمراہی ہے۔ (ت)

حضرت سیدنا سید شاہ حمزہ قدس سرہ الکریم نے فص الکلمات شریف میں خلافت کی سات قسمیں بعض مقبول بعض مردود بیان فرمائیں از انجملہ اقسام مردودہ میں فرمایا:

شیخ ازیں عالم نقل کرد وکسے راخلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یا مریدے رابخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت راافترائی گویند۔[2]	شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ قوم اور قبیلہ نے کسی وارث یا مرید کو اس کی خلافت کے لئے تجویز کردیا، مشائخ کے نزدیک یہ خلافت درست نہیں۔ خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہا جاتا ہے (ت)

رہا عمرو اگرچہ نصیر کی جانب سے ماذون ہو کر اس کی خلافت ضرور صحیح اور اسے مرید کرنے کی اجازت ہوگی، مگر محل نظر یہ ہے کہ اس نے اپنے والد زید کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی یا مرید بھی نصیر ہی کا ہے، صورت ثانیہ بہت سخت ہے، اور اصل الزامات کا ورود اولٰی میں بھی نقد وقت ہے، شجرہ کہ مریدین کو دیا جاتا ہے اس میں اتصال سلسلہ اجازت ہی متعارف، اور یہی اس سے مفہوم ہے تو اس میں تدلیس ہوئی تلبیس ہوئی پیر اجازت کی نعمت کا کفران ہوا مریدین کو فریب دینا ہوا بلاواسطے جانب پدر سے اپنے مجاز وماذون ہونے کا اظہار ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور۔ رواہ الشیخان[3] عن اسماء ومسلم عن الصدیقۃ بنتی	نعمت نایافتہ کا اظہار کرنے والا اسی طرح ہے جو سر سے پاؤں تک جھوٹ کا جامہ پہنے ہوئے ہے (اسے امام بخاری وامام مسلم نے اسماء

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۹، ۴۰

[2] فص الکلمات

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب المتشبع بما لم ینل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۵، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب النھی عن التزویر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۶

الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور امام مسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ"۔[1]	وہ جو ایسی بات سے اپنی تعریف چاہتے ہیں جو انہوں نے نہ کی ہر گز انہیں عذاب سے چھٹکارے کی جگہ خیال نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من غشنا فلیس منّا۔[2] نسأل اللہ العفو والعافیۃ، و اللہ تعالٰی اعلم۔	دھوکا دینے والا ہمارے گروہ سے نہیں۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں،اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸۷: از فرخ آباد شمس الدین احمد شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

جس حالت میں کہ پیر کامل میسر نہ ہو تو طالب خدا کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب:

درود شریف کی کثرت کرے یہاں تک کہ درود کے رنگ میں رنگ جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ عبدالکریم شہر کانپور محلّہ بنگام گنج ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان طریقہ معرفت میں کسی کا مرید نہ ہو تو کیا حشر میں اس کا پیر شیطان ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

ایک حدیث روایت کی جاتی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی من غشا فلیس منّا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

من لاشیخ له فشیخه الشیطٰن۔ [1]	جس کا کوئی پیر نہیں شیطان اس کا پیر ہے۔

اس کے پورے مصداق وہ لوگ ہیں کہ مشائخ کرام کے قائل ہی نہیں، جیسے روافض ووہابیہ وغیر مقلدین۔اور شرف وبرکت اتصال بمحبوب ذوالجلال علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت سنت متوارثہ مسلمین ہے،اور اس میں بے شمار منافع وبرکت دین ودنیاوآخرت ہیں بلکہ وہ "وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ" [2] (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ت) کے طرق جلیلہ سے ہے۔**وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹و۲۹۰: مقام گڈہوا ضلع پلامون مرسلہ حکیم محمد عبدالحق صاحب

(۱) جو شخص کسی پیر سے مرید ہوا ہو اور قبل اس کے کہ وہ طریقت کی تعلیم پورے طور سے پائے اس کے پیر نے انتقال کیاتو بعد مرجانے اول پیر کے وہ شخص کسی دوسرے عالم سے جو علم قرآن وحدیث وفقہ میں کامل وسند یافتہ ہو اور پیر کامل سے اس کو اجازت مرید کرنے کی اور خلافت حاصل ہو مرید ہوسکتا ہے یا نہیں؟اور مرید ہونا اس کا شرعًا ازروئے شریعت جائزودرست ہوگا یا نہیں؟

(۲) پیر ہونے کے لئے سیداورآل رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوناضرور ہے دوسری قوم کاعالم وطریقت سے واقف و پیر سے اجازت وخلافت پایاہوا پیر ہونے اور مرید کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا ہے یاکیا تحقیق اس مسئلہ کی ہے مع سند جواب درکار ہے۔**بیّنوا ایّھا العلماء الکرام جزاکم اللہ یوم القیام** (اے علماء کرام! بیان فرمائیے اللہ تعالٰی روز قیامت آپ کو جزا دے۔ت)

الجواب:

(۱) جائز ہے،اس پر شرع سے کوئی ممانعت نہیں جبکہ وہ عالم چاروں شرائط پیری کاجامع ہو اگرایک شرط بھی کم ہے تو اس سے بیعت جائز نہیں۔سب سے اہم واعظم شرط مذہب کا سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہونا۔

دوسری شرط فقہ کااتناعلم کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتاہو اور حاجت جدید

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشہد الحسینی ص۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص۱۸۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

پیش آئے تو اس کا حکم کتاب سے نکال سکے۔ بغیر اس کے اور فنون کا کتنا ہی بڑا عالم ہو عالم نہیں۔
تیسری شرط اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صحیح و متصل ہو۔
چوتھی شرط علانیہ کسی کبیرہ کا مرتکب یا کسی صغیرہ پر مصر نہ ہو۔
ان شرائط کے ساتھ اس سے ارادت کرسکتا ہے، مگر یہ ارادت ارادت استفاضہ ہوگی نہ کہ ارادت استعاضہ، یعنی پیر کو چھوڑ کر اس کے عوض پیر بنانا کہ جو ایسا کرے گا دونوں طرف سے محروم رہے گا بشرطیکہ اس کا پہلا پیران چاروں شرائط کا جامع تھا، اور اگر اس میں وہ شرطیں نہ تھیں تو وہ پیر بنانے کے قابل ہی نہ تھا آپ ہی کسی دوسرے جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت چاہئے۔

(۲) یہ محض باطل ہے، پیر ہونے کے لئے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں، ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو تو نور علیٰ نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسل طریقت کا باطل کرنا ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی، اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، اسی طرح دیگر سلاسل رضوان اللہ تعالیٰ علیٰ مشائخنا اجمعین۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۲۹۱: از ایلٹا کاٹھیاواڑ مرسلہ سید قاسم علی قادری مورخہ ۴/ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مخدومی و مطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں قادریہ خاندان میں مرید تھا مگر چونکہ اب حضرات نقشبند کے بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جاتے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا چلا ہے۔ مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے کہ میں بھی بیعت اس خاندان میں کروں۔ مجھے مکتوبات امام ربّانی الف ثانی کی اردو تینوں جلدیں دی گئی ہیں ان کو پڑھ کر میں ان کا خلاصہ آپ سے طلب کرتا ہوں کہ اس خاندان میں بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور مکتوبات اور دیگر کتب خاندان نقشبندیہ پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلیٰ و افضل ہے اور

تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[1]۔	جسے کسی شَے میں رزق دیا جائے تو وہ اس کو لازم پکڑے۔ (ت)

مکتوبات مثل اور کتب مشائخ کے ہے اور تفصیل عقائد اہلسنت وبیان مسائل نفیسہ فقہ وکلام کے سبب بہت کتب پر مزیت ہے البتہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین کاارشاد **کل ماخوذ من قولہ**[2] الخ (ہر ایک اپنے قول سے پکڑا جاتا ہے الخ۔ ت) سوائے قرآن عظیم سب کتب کو شامل ہے نہ اس سے ہدایہ، درمختار مستثنٰی، نہ فتوحات ومکتوبات وملفوظات۔ اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے۔

مسئلہ ۲۹۲: از شہر رجمنٹ اکاکور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین سہارنپوری ۲۰/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بکر آقا کے کہنے سے ایک شخص کامرید ہوگیا، اور نہ بکر واقف تمام مرید ہونے کی شرطوں سے، صرف آقا کے حکم سے مرید ہوگیا۔ اب بکر ملازم بھی نہیں رہاہے، اب بکر کاخیال ہے کہ میں مرید صادق ہوں یا مریدین سے خارج ہوں، کیونکہ پیر کی طرف دل رجوع نہیں کرتا میں چاہتا ہوں کوئی پیر اور کروں۔

الجواب:

اگر پیر سنی صحیح العقیدہ عالم ہے اور اس کا سلسلہ متصل ہے اور فاسق نہیں تو اس سے دل رجوع نہ ہونا شیطانی وسوسہ ہے توبہ کرے اور اس کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کرے، اور اگر پیر میں ان چاروں باتوں سے کوئی بات کم ہے تو وہ پیر نہیں، کوئی اور پیر کہ ان چاروں باتوں کاجامع ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳و۲۹۴: موضع رجب پور ڈاک خانہ تحصیل امروہہ ضلع مرادآباد حاجی شبیر علی ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) کچھ پیروں نے آج کل پیرامریدی جاری کی ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہواس کو گولیاں دی جاتی ہیں وہ گولیاں چھٹی کے دن گھول کر بچہ کے ہونٹوں سے لگادینے سے بیعت ہوگیا۔ یہ پیرامریدی

---

[1] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

[2] الیواقیت والجواھر بحوالہ الامام مالك المبحث التاسع والاربعون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حضور حکم صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

(۲) مکنپور کے جو حضرت شاہ بدیع الدین شاہ صاحب جن کا کہ نام دیہات میں مدار صاحب کہتے ہیں سنا جاتا ہے بزرگوں سے کہ ان کے گھرانے میں پیرامریدی نادرست ہے، علاوہ اس کے سنا گیا ہے کہ کوئی خلیفہ آپ نے نہیں کیا ہے، اور یہ بھی سنا ہے کہ دو خادم آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے کہ جن کا نام یہ ہے، ایک کا نام احسن، دوسرے کا نام جمّن جتی۔ للہذا احسن ندی ہو کر بہہ گیا اور جمن جتی اور کسی سے بیعت ہوگئے، للہذا جو مکن پور کے پیر جی لوگ ہیں اور یہ پیرامریدی آپ کے نام سے کرتے ہیں یہ پیرامریدی جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حکم حضور صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

الجواب:

(۱) ایک دن کا بچہ بھی اپنے والی کی اجازت سے مرید ہوسکتا ہے، اور گولیاں بے اصل ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بہہ جانا وغیرہ بے اصل ہے مگر اس فرقہ کے لوگ بے شرع اکثر ہیں، اور بے شرع کسی فرقے کا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۵ و ۲۹۶: از گلمائز ڈاک خانہ ماہی ضلع فرید پور مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) زید طریقہ نقشبندیہ متبرکہ میں بیعت ہوا اور اپنے شیخ سے مقامات پورا کیا مگر بعض مقام میں قدرے شبہہ رہتی ہے اور خلافت واجازت نہ ملتی ہے، شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا، اب زید کے لئے اس شبہہ کو دور کرنے اور اجازت وخلافت حاصل کرنے کے واسطے دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے یا اپنے شیخ سے جو حاصل ہوئی اسی پر اکتفا کرنا چاہئے؟ اگر اسی پر اکتفاء کرنے کی کوشش کی تو ترقی وفیض یاب ہوسکتا ہے اور شبہہ باقی ماندہ دور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے تو اسے نقشبندیہ طریقہ کا ہونا ضروری ہے یا دیگر چہار طریقہ میں سے جو ہو کافی ووافی ہوں گے؟ پھر اسی نقشبندیہ طریقہ کی جو مشائخ زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں اگر وہ زید کے شیخ سے کمالیت واشغال میں کم درجہ کے ہیں ان کو مرشد بنائے یا جو مشائخ زید کو مسافت بعیدہ وغیرہ وغیر ملکی ہونے کے میسر نہیں ہوتے ہیں حالانکہ

وہ سب زید کے شیخ سے بڑھ کر ہے یا برابر ہے تو اب زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں ان سے پورا کرے یا جو غیر میسر ہیں ان کی توقع وامید پر رہے؟

(٢) قادری کوئی شخص دوسرے قادری سے یا نقشبند دوسرے نقشبندی سے یا قادری نقشبندی سے یا نقشبندی قادری علٰی ہذا البواقی خواہ علی الوفاق ہوئے یا علی الخلاف بیعت ہونے کو چاہے تو از سر نو بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ بیعت جدیدہ کہلائے گی یا کیا؟ اور شیخ اول ہی بدستور رہیں گے یا دونوں؟ اور مرید کن کا کہلائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہو تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے۔ اکابر طریقت فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا (ت)

خصوصاً جبکہ اس سے کشود کار بھی ہو چکا ہو، حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ۔[2]	جسے اللہ تعالٰی کسی شیئ میں رزق دے وہ اس کو لازم پکڑے۔ (ت)

دوسرے جامع شرائط سے طلب فیض میں حرج نہیں اگرچہ وہ کسی سلسلہ صریحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے،

کما فی سبع[3] **سنابل مبارکۃ عن سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔**	جیسا کہ سبع سنابل شریف میں سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہو اس کی تکمیل بطور خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا

1

[2] شعب الایمان حدیث ١٢٤١ دار الکتب العلمیہ بیروت ٢/ ٨٩

3

چلنے کی نہیں،

کما افادہ الامام القشیری فی رسالۃ المبارکۃ والامام السھروردی فی العوارف الشریفۃ وبیناہ فی فتاوٰی افریقۃ۔	جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیا ہے۔(ت)

بلکہ کسی لائق تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظ قرب رکھے اپنے شیخ کے خلفاء میں سے کوئی اس قابل ہو تو وہ اولٰی ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلاف راہ اطالت عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخۃ سے کسی کو افضل جاننا سوء ادب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از بانس بریلی محلّہ قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نور اللہ شاہ صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین فتحپور ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الراسخون رحمکم اللہ تعالٰی فی ھٰذہ المسئلۃ (اے علماء راسخین! اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) کہ جس مرید کو اپنے شیخ سے تعلیم طرق صوفیہ مراتب اذکار واشغال وغیرہ نہ معلوم ہوئے اور وہ شیخ انتقال فرما گئے یا بوجوہات معقولہ ان سے تعلیم محال۔ پس اس مرید کو شیخ ثانی سے تجدید بیعت توبہ کرکے طالب ہونا اولٰی ہے یا کہ اسی حال پر بے تعلیم رہنا مناسب، اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی بیعت ہر خلافت کے وقت کس لئے صادر ہوئی۔

الجواب:

دوسرے شیخ سے طالب ہو مگر اپنی ارادت شیخ اول ہی سے رکھے اور اس سے جو فیض حاصل ہو وہ اپنے ہی کی عطا جانے۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں ایک شخص کے دو باپ نہیں ہوسکتے، ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوسکتے، ایک مرید کے دو شیخ نہیں ہوسکتے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دست اقدس پر بیعتیں ان کو امام ماننے اور ان کی اطاعت کرنے کی تھیں جیسے ہر جدید بادشاہ کے ہاتھ پر کی جاتی ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۸: از ریاست رامپور محلّہ گھیر زبیر خاں مرسلہ مرزا محمد فاروق بیگ صاحب ۱۰/ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

حقوق پیر بغرض تصحیح وترمیم:

(۱) یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیوض وبرکات سے محروم رہے گا۔

(۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان ومال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

(۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فورًا بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتدانہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال ومقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کا کرنا زہر قاتل ہے۔

(۴) جو وِرد وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔

(۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے یہاں تک کہ سوائے فرض وسنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

(۶) حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

(۷) اس کے مصلے پر پَیر نہ رکھے۔

(۸) اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

(۹) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

(۱۰) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ وضو کرے، ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں۔

(۱۱) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے، بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

(۱۲) جس جگہ مرشد بیٹھتا ہو اس طرف پَیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو۔

(۱۳) اور اس طرف تھوکے بھی نہیں۔

(۱۴) جو کچھ مرشد کہے اور کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسٰی وخضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔

(۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

(۱۶) اگر کوئی شبہہ دل میں گزرے توفوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہہ حل نہ ہوتا تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

(۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو اسے بھی عرض کردے۔

(۱۸) بے ضرورت اور بے اذن مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

(۱۹) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور بآواز اس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

(۲۰) اور مرشد کے کلام کو دوسرے سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

(۲۱) اور مرشد کے کلام کو رَد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

(۲۲) اور کسی دوسرے کا سلام وپیام شیخ سے نہ کہے۔

(۲۳) جو کچھ اس کا حال ہو برا یا بھلا اسے مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔

(۲۴) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ہو تو اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲۵) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب میں یامراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے (کذافی ارشاد رحمانی) **قال العارف الرومی** (عارف رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ت):

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو | ہمچو موسٰی زیر حکم خضر رو

صبر کن بر کار خضر اے بے نفاق | تانگوید خضر رو ہٰذا فراق [1]

جب تونے پیر بنالیا تو خبردار اب سر تسلیم خم کرلے، موسٰی علیہ السلام کی طرح

[1] مثنوی معنوی وصیت کردن بر رسول خدا مر علی مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۳۱۱

خضر علیہ السلام کے حکم کے ماتحت چل اے نفاق سے پاک شخص حضرت خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام یہ نہ فرمادیں کہ جا یہ جدائی ہے۔ت)

قال العطار (شیخ عطار علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ت):

(۱) گر ہوائے ایں سفر داری دلا	دامن رہبر بگیر و پس بیا
(۲) در ارادت باش صادق اے مرید	تا بیابی گنج عرفاں را کلید
(۳) دامن رہبر بگیر اے راہ جو	ہر چہ داری کن نثار راہ او
(۴) گر روی صد سال در راہ طلب	راہبر نبود چہ حاصل زان تعب
(۵) بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہی عشق
(۶) پیر خود را حکم مطلق شناس	تا براہ فقر گردی حق شناس
(۷) ہر چہ فرماید مطیع امر باش	طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
(۸) آنچہ میگوید سخن تو گوش باش	تا نگوید او بگو خاموش باش [1]

(۱) اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راہنما کا دامن پکڑ، پھر آ۔

(۲) اے مرید! ارادت میں صادق ہو، تاکہ تو معرفت کے خزانے کی چابی پائے۔

(۳) اے راہ طریقت کے متلاشی! کسی راہنما کا دامن پکڑ، جو کچھ تو رکھتا ہے اس کی راہ میں قربان کردے۔

(۴) اگر تو طلب کی راہ میں سو سال چلتا رہے، راہنما اگر نہیں ہے تو اس مشقت کا کیا فائدہ ہے!

(۵) کسی رفیق کے بغیر جو کوئی عشق کے راستے پر چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

(۶) اپنے پیر کو حاکم مطلق سمجھ، تاکہ فقیری کی راہ میں تو حق کو پہچاننے والا ہو جائے۔

(۷) جو کچھ پیر فرمائے اس کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو جا، اس کی خاک پا کو آنکھوں کا سرمہ بنا۔

(۸) پیر جو بات کرے تو ہمہ تن گوش ہو جا، جب تک وہ نہ کہے کہ بولو تو چپ رہ۔ت)

1

الجواب:

یہ تمام حقوق صحیح ہیں، ان میں بعض قرآن عظیم اور بعض احادیث شریفہ اور بعض کلمات علماء اور بعض ارشادات اولیاء سے ثابت ہیں اور اس پر خود واضح ہیں جو معنی بیعت سمجھا ہوا ہے، اکابر نے اس سے بھی زیادہ آداب لکھے ہیں، اتنوں پر عمل نہ کریں گے مگر بڑی توفیق والے، اور نمبر ۱۷ سے شیطانی خواب پریشان مہمل مستثنٰی ہے کہ اسے بیان کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اور نمبر ۲۲ عوام مریدین کے لئے ہے جن کو بارگاہ شیخ میں بھی منصب عرض معروض دیگراں حاصل نہ ہوا یسوں سے اگر کوئی عرض سلام کے لئے کہے عذر کردے کہ میں حضور شیخ میں دوسرے کی بات عرض کرنے کے ابھی قابل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۹ و ۳۰۰: از شہر کہنہ بریلی قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نور اللہ شاہ اشرفی الجیلانی کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بیعت ہونے میں والدین یا شوہر وغیرہ کی اجازت شرط ہے یا نہیں؟

(۲) اپنا مرشد انتقال کرگیا ہو یا موجود ہو مگر بوجوہات معقولہ واقعہ اس سے تعلیم محال ہو تو بغرض تعلیم طریقہ کرام دوسرے شیخ سے طالب ہونا اولٰی ہے یا بے علم رہنا بہتر؟

الجواب:

(۱) جو پیر سنی صحیح العقیدہ عالم غیر فاسق ہو اور اس کا سلسلہ آخر تک متصل ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین خواہ شوہر کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۲) جہل سے طلب اولٰی ہے مگر پیر صحیح سے انحراف جائز نہیں، جو فیض ملے اسے شیخ ہی کی عطا جانے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۱ تا ۳۰۴: از شہر غازی پور مرسلہ علی بخش محرر رجسٹری ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی بزرگ سے بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے عقیدت ہو اور بوجہ دوری وہ شخص اس بزرگ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے تو وہ شخص اس بزرگ سے کیسے مرید ہوسکتا ہے یا ہو ہی نہیں سکتا کسی طرح پر؟

(۳) ایک وظیفہ ایسا ارشاد فرمائیے اور اجازت دیجئے جس میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنا ہو چاہے بطرق شغل قادریہ یا چشتیہ وغیرہا یا کسی اور طریقہ پر ہو۔

(۴) ایک مختصر درود شریف ایسا تحریر فرمایئے اور اس کی اجازت دیجئے کہ جو غیر منقوط ہو یعنی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہ ہو۔

الجواب:

(۱) بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے۔

(۲) بذریعہ قاصد یا خط مرید ہوسکتا ہے۔

(۳) وظیفہ کے لئے پورا کلمہ طیبہ مناسب تر ہے مگر اس کے ساتھ درود شریف لانا ضرور ہے یعنی یوں وِرد کرے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صرف جز ثانی مع درود کا بھی ورد کرسکتا ہے مگر مبتدی یا طالب کہ محتاج تصفیہ ہے اسے صرف جزء اول کا ذکر و شغل بتاتے ہیں کہ اس میں حرارت ہے اور دوسرا جز کریم ٹھنڈا لطیف اور تزکیہ گرمی پہنچانے کا محتاج، ہاں جب جز اول سے حرارت حد سے متجاوز ہو تو تعدیل کے لئے بتاتے ہیں کہ مثلاً ہر سو بار لاالٰہ الا اللہ کے بعد ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہہ لے کہ تسکین پائے۔

(۴) اس کی حاجت کیا ہے، وہ صیغہ مثلاً یہ ہوسکتا ہے اللّٰھم صلّ وسلّم لرسولك محمد واٰلہ، اس میں لام بمعنی علٰی ہے آپ اس کا ورد کریں اجازت ہے۔

مسئلہ ۳۰۵ تا ۳۰۷: از علی گڑھ محلّہ دویکا پڑاؤ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب — مورخہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ بیعت کرنا یعنی جو آج کل عرف میں پیری مریدی سے مشہور ہے سنت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ سنت ہے۔

(۲) زید مذکور باوجود مسجد میں بروقت جماعت حاضر ہونے کے بلاوجہ شرعی جماعت سے علیحدہ نماز پڑھتا ہے محض اسی بنیاد پر کہ مسئلہ اول میں عمرو کے ساتھ اتفاق نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں۔

(۳) زید مذکور اپنے پیش امام سے جو کہ استاد بھی ہیں سلام و کلام سے پرہیز کرتا ہے اور بجائے احسان ماننے کے غیروں سے کہتا ہے وہ کیا جانے ہم سے مقابلہ کرالو، اس کی وجہ بھی مذکور ہے ان سب صورتوں میں شرعًا کیا حکم ہے؟ بیّنوا بحوالۃ الکتاب و توجروا عند اللہ بحر الثواب (بحوالہ کتاب بیان فرمایئے اللہ تعالٰی کے بحر ثواب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بیعت بیشک سنت محبوبہ ہے، امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عوارف شریف سے شاہ ولی اللہ دہلوی کی قول الجمیل تک اس کی تصریح اور ائمہ واکابر کا اس پر عمل ہے، اور رب العزت عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ"[1]	بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تواللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ"[2]	ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"[3]	بے شک اللہ تعالٰی راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔(ت)

اور بیعت کو خاص بجہاد سمجھنا جہالت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾"[4]	اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰
[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰
[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸
[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

زید بوجہ ترک جماعت فاسق فاجر مردود الشہادۃ مستوجب عذاب نار ہے۔ زید بلاوجہ شرعی اپنے باطل خیال کے باعث مسلمان سے ترک سلام وکلام کرکے دوسرے جرم کا مرتکب ہوا اور جبکہ امام اس کا استاد بھی ہے تو عاق بھی ہوا، اور اس پر ان حرکات شنیعہ سے توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۸: از ضلع چاندہ ممالک متوسط نزول سرور آفس مسئولہ رحیم بخش خاں محمد شہزاد خاں ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمترین ایک مولوی وحید صاحب نامی کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا دس بارہ برس تک برابر خدمت کرتا رہا جہاں تک ہوسکا اپنی برادری کے لوگوں کو بھی آپ کی بیعت میں داخل کرایا، جب مولوی صاحب کا رسوخ ہماری برادری میں اچھی طرح اثر پذیر ہوگیا تو مولوی صاحب لگے ہماری برائی کرنے، جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ خاکسار خادم قدیم سے کچھ قصور ہوا ہے تو حضور مجھ کو سزا دیتے عام لوگوں میں بلاسبب رسوا کرنا کیا مصلحت ہے، اس پر جھوٹی قسم کھاگئے کہ ہم نے کچھ کسی سے نہ کہا، اتفاق سے وہ لوگ بھی موجود تھے اس وقت مولوی صاحب بہت نادم ہوئے، میں خاموش ہوگیا، وقت گذشت کیا، کیونکہ ہر طرح سے اپنی برائی ہوتی تھی اگرچہ مولوی صاحب کی ہی غلطی کیوں نہ ہو۔

دوسرے آپ نے ایک شادی بھی اس بستی کی ایک ایسی عورت سے کرلی جو مرید بھی نہیں اور جس کا شوہر مفقود الخبر ہوگیا ہے، اس سے تمام بستی کے لوگ بدگمان وبدعقیدہ ہوگئے یہاں تک کہ نماز بھی ان کے پیچھے نہ پڑھتے تھے، تابعدار نے اپنا پیر بنالیا تھا، اس لئے بہت ہی کوشش وبستی کے لوگوں کی خوشامد کرکے فساد کو رفع دفع کرایا مگر چند روز کے بعد آپ نے اپنی منکوحہ صاحب کو علانیہ مسجد میں بلاپردہ آنے پر کچھ روک ٹوک نہ کیا یہاں تک کہ مسجد کے پابند نمازی لوگوں نے بھی کہا مگر جواب یہ ملا کہ لونڈی ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا ہماری پٹھان برادری کی لڑکی ہے لونڈی کیسے ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ بہت شر پیدا ہوگیا۔ نہ بی بی صاحبہ پردہ میں رہتی ہیں نہ مولوی صاحب تنبیہ کرسکتے ہیں۔ ایسی حالت میں تین بچے بھی ہوگئے مگر حالت ہنوز روز اول ہے اب یہ ہوگیا ہے کہ نئے نئے لُچّے لفنگے روز مرید ہوتے ہیں۔ غریب پابند صوم وصلاۃ کے قدیم خدمت گزار مردود علانیہ بنائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا مردود کیا ہوا خدا اور رسول اور پیروں کا مردود ہے ہماری بی بی امہات المومنین ہیں مریدوں کے لئے۔ ہر روز نئے نئے جھگڑے فساد برپا ہوتے رہتے ہیں۔

آج ایک مرید کو مقبول بنایا کل دوسرے کو مردود کیا، یہ سب باتیں توظاہر ہیں، علاوہ اس کے ایسے حالات ہیں جن کااظہار کرنا زبان گوارانہیں کرتی۔ یہ خاکسار عجیب پریشانی میں ہے۔ خداکے واسطے رسول کے واسطے اوراپنے طریقت کے بزرگوں کے واسطے مجھے کوئی راہ نجات کی بتائیں، یہ کہ ایسی حالت میں کسی دوسرے صاحب شریعت وطریقت کے ہاتھ پر بیعت کرسکتاہوں یا نہیں؟اورایسے شخص کی بیعت فسخ ہے یانہیں؟

الجواب:

پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہو۔

دوسرے: اتنا علم رکھتاہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

تیسرے: فاسق معلن نہ ہو۔

چوتھے: اس کاسلسلہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔

جس میں یہ چاروں شرطیں جمع ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے اورایسے پیرکے افعال واقوال پراعتراض سخت حرام اور موجب محرومی برکات دارین ہے، اس کی جو بات اپنے ذہن میں خلاف معلوم ہو واجب ہے کہ اچھی تاویل کرے اورتاویل میں سمجھ نہ آئے تو یہ سمجھے کہ اس کا کوئی عمدہ منشاہوگا جو میری سمجھ میں نہ آیا، اب آپ اپنے پیر کو دیکھئے ان چار شرطوں میں سے اگر کسی شرط کی کمی ہے تو بیعت ناجائز ہوئی، آپ کو چاہئے کہ کسی پیر جامع شرائط پر بیعت کریں، کمی شرط کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اس کی منکوحہ باریک کپڑے پہنے جن سے بدن یا بال چمکتے ہوں، یا بالوں یاگلے یاکلائی یاپنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر ہو یا کپڑے اتنے چست ہوں کہ بدن کی ہیأت بتاتے ہوں اوروہ یوں علانیہ مجمع مرداں میں آتی ہے اور شوہر جائز رکھے تو دیّوث فاسق معلن ہے قابل پیری نہیں، اوراگرایسانہیں اور چاروں شرطیں جمع ہیں تواس پراعتراض جائز نہیں اوراس کی بیعت سے روگردانی منع ہے، وہ قسم جواس نے کھائی اس میں تاویل یہ سمجھے کہ ہم نے خود کسی سے کچھ نہ کہا بلکہ ہم سے کہلوایاگیااس طرح حضرت سیدتنا کلثوم بنت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے شوہر سیدناعمرفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے پر جو فضائل ان کے بیان کئے ان کے والد امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا: **واللہ ماقالت ولکن قولت**[1] خدا کی قسم یہ

[1] تاریخ الامم والملوک للطبری من ندب عمرورثاہ رضی اللہ عنہ دار القلم بیروت ۵/ ۲۸

انھوں نے نہ کہے بلکہ ان سے کہلوائے گئے، اور اس کا کہنا کہ مریدوں کے لئے میری بیوی امہات المومنین ہیں اگرچہ سخت معیوب وناشائستہ ہے مگر نہ اس قابل کہ چاروں شرطیں ہوتے ہوئے اس کی بیعت فسخ کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۹: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بغیر اجازت شوہر کے مرید ہوسکتی ہے یانہیں؟ اگر بغیر اجازت ہوگئی تو کیاحکم ہے؟

الجواب:

ہوسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۰: از کھنڈیا ضلع ریاست رامپور مسئولہ عزیز احمد ۲جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چندلوگ سنبھل مکن پور کے اس طرح بیعت کرتے ہیں کہ پیالہ پلاتے ہیں اور بندگان خدا کو کسی قسم کی تعلیم نہیں کرتے یہی لوگ موضع کھنڈیا علاقہ ریاست رامپور میں جمع ہوئے اور بیان کیاکہ طریقہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہی ہے۔ ایک صاحب خاندان قادریہ کے وہاں موجود تھے انہوں نے کہاکہ چار طریق سے بیعت شرعاً جائز ہے ایک بذریعہ خواب کے دوسرے قبر سے تیسرے پیالہ پلاکر چوتھے اس شخص سے جو صاحب اجازت نہ ہو۔ ان دونوں بیانوں میں کون سا صحیح ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیاکہ حضور کا طریقہ بیعت پیالہ پلاناتھا حاش للہ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا، اور یہی طریقہ آج تک مشائخ میں ہے پیالہ پلانا بھنگڑوں بیقیدوں کے یہاں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ"[1]	اے نبی! یہ جو تم سے بیعت کررہے ہیں یہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں یہ تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر نہیں اللہ کادست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔

معلوم ہواکہ طریقہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تھا نہ کہ پیالہ پلاناتھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

مسئلہ ۳۱۱: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ محمد ثناء اللہ طالب علم ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید علم دین حاصل کررہاہے اس کاارادہ یہ ہے کہ جب میں فارغ التحصیل ہو جاؤں گا تومیں جہاں جہاں بزرگ لوگ ہیں وہاں جاکر ان سے ملاقات کروں گااور جس سے دل گواہی دے گااس ہی سے مرید ہو جاؤں گا۔ علم کے حاصل کرنے کے زمانہ میں چندلوگ اہل وطن اور غیر وطن ایک بزرگ کے مرید ہوئے اور زید سے بھی اصرار کیاکہ تم بھی مرید ہو جاؤ، بعداصرار کے زید بھی مرید ہو گیا، آیا شرعًا مرید ہوا یا نہیں؟

الجواب:

اگران کے اصرار کے بعداس کے دل میں عقیدت آ گئی اور بالقصد مرید ہوامرید ہو گیا، اور صرف ان کے اصرار کے سبب بے دلی سے بیعت کی مرید نہ ہواکہ ارادت قلب سے ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۲: از لاہور مسجد بیگم شاہی ٹولی مولوی احمد دین صاحب ۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے شجرہ خوانی دام تزویر ہے اور اس پر بہارستان مولانا جامی سے یہ عبارت نقل کرتاہے:

از حضرت سید بہاؤالدین صاحب نقشبندرحمۃ اللہ علیہ پرسیدند کہ حضرت شجرہ شماچیست، فرمودند کہ کسے از شجرہ خوانی بجائے نرسد، پس خدائے عزوجل رایگانگی می شناسیم وبہمہ انبیاء واولیاء ایمان آریم ومقید سلسلہ نیستیم۔	حضرت سید بہاؤالدین نقشبند علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھاکہ اے حضرت! آپ کا شجرہ کیاہے؟ فرمایا شجرہ پڑھنے سے کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچا، پس ہم اللہ عزوجل کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور تمام انبیاء اولیاء پر ایمان لاتے ہیں کسی سلسلہ کے مقیّد نہیں ہیں۔ (ت)

یہ قول صحیح ہے یاغلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

یہ قول محض باطل ہے اور اس میں ہزارہااولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی، ساختہ ہے، اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کالفظ کہیں نہیں اور "پس خدائے عزوجل" سے اخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے بہارستان میں نہیں۔ شجرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے جس طرح حدیث کی اسنادیں، امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ اولیاء وعلماء ومحدثین وفقہاء سب کے امام ہیں

فرماتے ہیں:

لولاالاسناد لقال فی الدین من شاء ماشاء۔[1]	اگراسناد نہ ہوتا توجس کاجودل چاہتادین میں کہہ دیتا۔(ت)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں: **اوّل** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کاحفظ۔

دوم صالحین کاذکر کہ موجب نزول رحمت ہے۔

سوم نام بنام اپنے آقایان نعمت کوایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔

چہارم جب یہ اوقات سلامت میں ان کانام لیوار ہے گاوہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرّف الی اللہ فی الرخاء یعرفك فی الشدۃ۔رواہ ابو القاسم[2] بن بشران فی امالیہ عن ابی ھریرۃ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	توخوشحالی میں اللہ تعالٰی کوپہچان وہ مصیبت میں تجھ پر نظر کرم فرمائے گا۔اس کو ابوالقاسم بن بشران نے امالی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اوراسی کے غیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۱۳: ازآنولہ محلّہ کٹرہ پختہ کوچہ بنگلہ ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

علمائے شریعت وہادیان طریقت کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی مختلف حالتیں ہوئیں، کبھی فسق وفجور کی طرف مائل رہتاتھااور کبھی عبادت الٰہی میں مستغرق ہوجاتاتھا،آخر میں وہ کئی پیروں سے بیعت ہوکر مختلف قسم کی ریاضتیں اوربہت سی عبادتیں کیں اورچلّے کئے،اب وہ ولایت کامدعی ہے اور کہتاہے میں قطب ارشاد ہوں،اب وہ فسق وفجور کی طرف مائل ہونے کی یہ وجہ بتاتاہے کہ پہلے میں اس لئے کرتاتھاکہ لوگ مجھ پربدگمان رہیں اور میری ولایت ظاہر نہ ہواوراب چونکہ خدائے تعالٰی نے حکم دیاہے اس لئے اپنی ولایت ظاہر کرتاہوں۔اورلوگوں سے بیعت بھی

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۲۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۷۹

لیتا ہے حالانکہ اس کو کسی ظاہری پیر سے اجازت نہیں ملی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ خدا کی طرف سے بذریعہ الہام مجھے اجازت ملی ہے اور اب کسی بندہ کی طرف رجوع کرنا میرے لئے ناجائز ہے، اس کے آثار یہ ہیں کہ اس کی توجہ میں بڑا زبردست اثر ہے اس سے بیعت کرنے کے تھوڑے دنوں بعد لطیفہ قلب روشن ہو کر ذکر جاری ہو جاتا ہے اس کا مجلس پر بھی اثر ہو جاتا ہے اور اس سے بیعت کرنے پر بہت سے گمراہ آدمی پابند صوم وصلوٰۃ ہو جاتے ہیں اور ان نغ دل میں عشق الٰہی بھر جاتا ہے اور دیوانہ وار پھرتے ہیں اس کی سرّی نماز میں بہت شور وغل ہوتا ہے اور کبھی جذبہ آتا ہے رقص بھی کرتے ہیں، کیا مذکورہ بالا صفات کے ساتھ موصوف شخص سے جو کسی ظاہری پیر سے اجازت یافتہ نہ ہو بیعت کرنا اور اسے بیعت لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے شخص کو بیعت لینا جائز نہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ؎

اے پسر شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف ست

بدغل سکہ نہ بہرہ مزن کان رہ کاسدان ناخلف ست [1]

(اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط، طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔ فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہر مت لگا کہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کا ہے۔ ت)

حضرت سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ ودیگر اکابر کرام قدست اسرارہم فرماتے ہیں:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطان۔ [2]	بے پیرے کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

یہ جو ظاہری ذوق وشوق لوگوں میں دیکھا جاتا ہے قابل اعتبار نہیں شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور اس پر واضح دلیل نماز میں شور وغل مچانا، اور رقص کرنا یہ نہیں مگر شیطان کی طرف سے کہ نماز فاسد کرے، صحابہ کرام واکابر اولیاء عظام سے ایسا کبھی منقول نہ ہوا ان سے زیادہ تاثیر وبرکت کس کی ہو سکتی ہے مگر صادقین سے برکت ہوتی ہے اور کاذبین سے حرکت۔ قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝" [3] اپنے عمل باطل نہ کرو۔ وقال تعالٰی "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝" [4] اللہ کے حضور

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم در بیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۰

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشر ۃ مطبعۃ المتشھد الحسینی ص ۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

[3] القرآن الکریم ۴۷/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸

ادب سے کھڑے رہو۔اس کااقرار کرنا کہ فسق وفجور کرتا تھا اوراس کاعذر بیان کرنا کہ اخفاء ولایت کے لئے تھا،عذر بدتراز گناہ ہے۔حضرات ملامتیہ قدست اسرارہم کی ریس کرتا ہے،وہ کبھی مستحب بھی ترک نہیں کرتے معاذاللہ فسق وفجور کیا معنی۔

او گمان بردہ کہ من کردم چو او فرق راکہ بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے بھی اس کی مثل کیا،وہ جنگجو فرق کو کب دیکھتا ہے۔ت)

شیطان کے دھوکے اس سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں،حضرت سیدی ابوالحسن جوسقی خلیفہ حضرت سیدی علی بن ہیتی فیض یافتہ بارگاہ سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک مرید کواعتکاف میں بٹھایا ایک شب حجرہ سے زارزار رونے کی آواز آئی،دروازہ پر تشریف لے گئے،حال پوچھا،عرض کی شب قدر میرے پیش نظر ہے آفاق نور سے روشن ہیں درودیوار حجرو شجر سجدے میں گرے ہیں میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں سینے میں ایک لوہے کی سلاخ ہے کہ جھکنے نہیں دیتی اس پر روتا ہوں۔ فرمایا:اے فرزند! یہ لوہے کی سلاخ وہ سِر ہے جو میں نے تیرے سینے میں القاکیا ہے وہ تجھے جھکنے نہیں دیتا یہ شب قدر نہیں شیطان کاشعبدہ ہے۔یہ فرماکر دونوں دست مبارک پھیلائے اورآہستہ آہستہ انہیں قریب لاتے گئے جتنا ہاتھ سمٹتے وہ نور تاریکی سے مبدل ہوتا تھا جب دونوں ہاتھ مل گئے واویلااور فریاد کی آواز آئی۔فرمایا:اب تو میرے مریدوں کواغوانہ کرے گا۔یہ فرماکر چھوڑدیا۔وہ جھوٹا کرشمہ سب باطل ہوگیا۔اس کے دھوکے اس سے بھی سخت ہیں،والعیاذ باللہ تعالٰی۔اوراس کاوہ کلمہ کہ "اب کسی بندہ کی طرف رجوع میرے لئے ناجائز ہے"اگر اپنے ظاہر عموم پر رکھا جائے تو صریح کلمہ کفر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی بندے ہیں اوران سے کسی وقت بے نیازی کسی نبی مرسل کو بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ این وآن۔

والعیاذباللہ تعالٰی من وساوس الشیطان ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم o واللہ تعالٰی اعلم۔	شیطان کے وسوسوں سے اللہ تعالٰی کی پناہ،بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت وقوت نہیں،اوراللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۱۴: از مدرسہ منظراسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خاندان قادریہ میں ایک بزرگ سے بیعت ہوا

لیکن ان بزرگ صاحب نے کچھ نصیحت احکام شرعیہ کی نہ کی اور چند ہی روز کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اب زید خاندان قادریہ میں کسی دوسرے بزرگ سے بیعت حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

اگر وہ پیر جامع شرائط بیعت تھے یعنی عالم، سنی، صحیح العقیدہ، متصل السلسلہ، غیر فاسق، تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے فیض لے سکتا ہے۔ اور ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط کم تھی تو اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہی نہ تھی، دوسرے سے بیعت کرے جو ان شرائط کا جامع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
کشف حقائق واسرار ودقائق ۱۳۰۸ھ
(ظاہر کرنا حقیقتوں، رازوں اور باریک باتوں کو)

مسئلہ ۳۱۵: از بڑودہ باڑہ نواب صاحب مرسلہ حضرت نواب سید نور الحسن خاں بہادر ۲۵ شعبان ۱۳۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمّد واٰلہ وصحبہ واولیاء امّتہ وعلماء ملّتہ وعلینا معھم اجمعین۔

امّا بعد

ایں پاسخ اشعار وقت اشعار تصوف اشعار حسب الارشاد لازم الانقیاد حضرت عظیم الدرجہ جناب صاحب والامناقب نواب سید نورالدین حسین خاں بہادر رئیس اعظم بڑودہ ادام اللہ تعالٰی اقبالہم وضاعف اجلالہم۔ بزبان عام اردو ومطالب سہل الحصول مطابق عقائد	یہ جواب ہے تصوف سے متعلق کچھ بلند پایہ اشعار کا۔ ان کے ارشاد کے مطابق جس کی فرمانبرداری لازم ہے یعنی بلند وعظیم درجات ومناقب کے مالک محترم جناب سید نور الدین حسین خان بہادر رئیس اعظم بڑودہ، اللہ تعالٰی ان کی خوش بختی کو ہمیشہ رکھے اور ان کی بزرگی کو دگنا کردے، عام اردو زبان میں کہ مطالب آسانی سے حاصل ہوں، جو مطابق ہے

اہل حق ومدارک افہام وعقول بتاریخ بست وپنجم شعبان المعظم روزجاں افروز دوشنبہ ۱۳۰۸ھ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ در بانس بریلی ملک ہند بخامہ خام نگار فقیرذلیل ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی آل رسولی غفراللہ لہ وحقق املہ باوصف قلّت بضاعت وجہل صناعت بامداد نور باطن حضور لامع النور سلالۃ الواصلین نقاوۃ الکاملین بحر طریقت بدر حقیقت حضرت سیدناومولانا وشیخنا حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بمیاں صاحب قبلہ مارہری ادام اللہ فیضہم المعنوی والصوری درساعت واحدہ ریختہ ع گرقبول افتدزہے عزّوشرف	اہل حق کے عقائد اور موافق ہے عقول وافہام کے۔یہ جواب بانس بریلی ہندوستان میں بروز پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۰۸ھ کو اس فقیر حقیر،ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی،آل رسولی (اللہ اس کی مغفرت فرمائے اوراس کی امید برآری فرمائے)کے قلم سے پونجی کی قلّت اور فن میں عدم مہارت کے باوجود صرف ایک گھنٹے میں معرض تحریر میں آیا۔یہ ان کے نور باطن کی مدد سے ہوا جو روشن نور والے،واصلین کے خلاصہ،کاملین میں عمدہ،طریقت کے سمندر اور حقیقت کے چاند ہیں یعنی ہمارے سردار،ہمارے آقا،ہمارے شیخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ مارہروی،اللہ تعالٰی ان کے معنوی اور صوری فیض کو ہمیشہ رکھے۔ اگر قبول ہوجائے تو کیا ہی عزت اور شرف ہے(ت)

شعر اول: سب پیر اور مشائخ میرا سوال بولو صورت جلال کیا ہے اور کیا جمال بولو

الجواب: اللہ جل وعلارحیم بھی ہے اور قہار بھی ہے رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔دوستوں کو انواع نعمت سے نوازنا ان کے لئے بہشت اوراس کی خوبیاں آراستہ فرمانا انہیں اپنی رضا ودیدار سے بہرہ مندی بخشنا تجلی شان جمال ہے۔دشمنوں کو اقسام عذاب کی سزادینا ان کے لئے دوزخ اور اس کی سختیاں مہیا فرمانا انہیں اپنے غضب وحجاب میں مبتلا کرنا تجلی شان جلال ہے۔پھر دنیامیں جوکچھ نعمت ونقمت وراحت وآفت ہے انہیں دونوں شانوں کی تجلی سے ہے۔کبھی یہ شانیں ایک دوسرے کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔مثلاً دنیا میں اپنے محبوبوں کے لئے بلا بھیجنا کہ:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔[1]	تمام لوگوں سے بڑھ کر تکلیفیں نبیوں پر آئیں پھر ان سے کم درجہ والوں پر پھر ان سے کم درجہ والوں پر۔(ت)

[1] کنزالعمال حدیث ۶۷۸۰ و ۶۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۲۸و۳۲۹

بظاہر شان جلال ہے اور حقیقۃً شان جمال کہ اس کے باعث وہ اللہ تعالٰی کی بڑی بڑی نعمتیں پاتے ہیں، قال اللہ تعالٰی:

"لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ "۔[1]	اسے اپنے لئے برانہ جانو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

کفار کو کثرت مال وغیرہ دنیا کی راحتیں دینا بظاہر شان جمال ہے اور درحقیقت شان جلال ہے کہ اس کے سبب وہ اپنی غفلت وگمراہی کے نشے میں پڑے رہتے ہیں اور ہدایت کی توفیق نہیں پاتے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝" ۔[2]	کافر کا خیال کہ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دے رہے ہیں کچھ ان کے لئے بھلی ہے یہ ڈھیل تو ہم اس لئے دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ میں پڑیں اور ان کے لئے ذلت کی مار ہے۔

تجلی وجمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازی کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنچھیاں، اور تجلی جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخوف و تعب جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے بلکہ اگر طاقت سے زیادہ واقع ہوتی ہے فنا کر دیتی ہے۔ انہیں دونوں تجلّیوں کا اثر تھا کہ ایک روز وعظ میں بر سر منبر حضور پر نور سیدنا غوث اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا گیا کہ حضور کا جسم اقدس سمٹ کر ایک چڑیا کے برابر ہو گیا اور اسی وقت یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ تن مبارک پھیل کر ایک بُرج کی مثل ہو گیا اور دیکھا گیا کہ حضور (رضی اللہ تعالٰی عنہ) منبر سے گرنے لگے یہاں تک کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست اقدس کے سہارے روک لیا، یہ وہ عظیم تجلی تھی جس کا تحمل بے قوت نبوت ناممکن تھا، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قوت مصطفویہ سے مدد فرما کر اس کا تحمل کرادیا، اسی شان جلال کا اثر ہے جو حضور پر نور سیدنا غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہ الکریم وعلیہ وسلم کے ایک مرید پر حضور کے پیچھے نماز میں واقع ہوئی کہ سجدہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۸

جاتے ہی جسم گھلنے لگا گوشت پوست، استخواں سب فنا ہوگیا صرف ایک قطرہ آب باقی رہا۔ حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد نماز روئی کے پارہ میں اٹھا کر دفن کردیا اور فرمایا سبحان اللہ ایک تجلی میں ساعت قیامت ہے یہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو فنا کردے گی اسی لئے باری عزوجل اس دن یوں ارشاد فرمائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ"[1] کل تک سب کہتے تھے یہ ملک میری ہے یہ ملک میرا ہے آج بتاؤ کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی فرمائے گا "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾"[2] ایک اللہ قہر والے کی۔ اس وقت باسم قہار اپنا وصف بیان فرمائے گا کہ وہ تجلی شان قہر کی ہوگی، **وحسبنا اللہ**۔

شعر دوم: خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا ۔۔۔ مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو

الجواب: اس کی ایک ظاہری مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے، نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے نہ قوت وضعف کا فرق ہے، نہ جدا جدا رنگ ہیں، نہ متعدد نام ہیں، وہی نور واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا، پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی وقوت ہوتی رہی، شب چہاردہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی، پھر اس میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ فنا ہوگیا۔ وہی نور واحد آئینہ مصفّا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے کہ نگاہ خیرہ وحیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہوا، اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کمی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں کولوں وغیرہ سیاہ بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا وہی ایک نور ہے کہ جب قریب اُفق جانب شرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب دن نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں تو دیکھو ایک آفتاب کی تجلی اور اتنے اختلاف، اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جدا نام ہیں اور جدا اوصاف، بااینہمہ وہ نور اپنی ذات میں ایک ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں، نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہوگیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا، نہ شفق کے وقت اس نے لباس سرخ پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید، نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہوگیا تھا نہ بدر پر پڑتے بشکل دائرہ، نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف،

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اس شے واحد کی اتنی تعبیریں اور اس قدر حالتیں ہو گئیں۔ پس یہ مثال نور مطلق ذات باری عزوجل کی سمجھنا چاہئے کہ واحد حقیقی ہے تغیر واختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں، پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں جنہیں ہم عالم نام رکھتے ہیں یہ ظاہری تفہیم کے لئے ایک بہت ناقص وناکارہ وناتمام مثال ہے "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ"[1] (اور ان کی شان سب سے بلند ہے۔ت) اس سے زائد بیان سے باہر اور مرتبہ عقل سے وراء ہے۔ تا کرا بخشند وبکہ روزی دارند (یہاں تک کہ کس کو بخشیں گے اور کس کو روزی دیں گے۔ت)

شعر سوم: مخفی میں کیونکہ تھا وہ سری میں کس طرح تھا
پھر روح کیوں ہوا ہے دل کا خصال بولو

الجواب: وہ نور پاک اپنی ذات میں نہایت ظہور پر ظاہر ہے اور اپنے بے نہایت ظہور کے سبب باطن کہ نور جس قدر تابندہ تر ہوگا نظر اس پر کام کم کرے گی، جب نور احدیت کی تابش غیر محدود ہے چشم جسم وچشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں تو وہ اپنے کمال ظہور کے سبب کمال خفاوبطون میں ہے پھر اپنے مظاہر وتجلیات میں تو اس کا ظہور ذی عقل پر ظاہر ہے اور اسی نور کے متعدد پرتووں نے روح وقلب وغیرہ وغیرہ بے حساب نام پائے ہیں جس طرح ہم ابھی مثال میں واضح کر آئے قلب وروح کی معرفت بے معرفت الٰہی نہیں ہوتی۔

من عرف نفسه فقد عرف ربّه،[2] **من عرف نفسه کلّ لسانه**۔[3]	جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کی زبان بند ہو گئی۔(ت)

ناواقفوں سے فقط اتنا ارشاد ہوا:

"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾"۔[4]	تو فرما روح میرے رب کے امر سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۶۰

[2] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

عالم دو ہیں: عالم امر و عالم خلق،

"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ "[1]	سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے رب سارے جہان کا۔(ت)

عالم خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے انسان، حیوان، نباتات، جمادات، زمین و آسمان وغیرہا کہ نطفہ و تخم و عناصر سے بنے عالم امر وہ جو صرف امر کن سے بنا، اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ و ارواح و عرش و لوح و قلم و جنت و نار وغیرہ۔ تو فرمایا روح عالم امر سے ایک چیز ہے، عقل کا حصہ اسی قدر ہے، آگے اس کی ماہیت اکابر اہل باطن جانتے ہیں، سبحان اللہ! آدمی خود اسی روح کا نام ہے اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ؎

تنت زندہ بجاں جان نہانی   توازجاں زندہ وجاں رانہ دانی

(تیرا بدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے، اور جان کو نہیں جانتا ہے۔ت)

اور سِرّ و خفی و روح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم سے ہیں جن میں تجلیات حق کے رنگارنگ ذوق کا ادراک کار عیاں ہے نہ کار بیان ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

اللہ کی قسم تو اس شراب کا مزہ نہیں پہچان سکتا جب تک اسے چکھ نہ لے۔ت)

شعر چہارم:

اربع عناصر اب یوں نکلے کہو کہاں سے

مرتا سو کون اس میں کس کو وصال بولو

الجواب: نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنا اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا، اول پانی پیدا ہوا، پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا، پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہو کر زمین ہوگیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کئے، یونہی پانی سے آگ بنی، ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہَوا ہُوا ہوا اور ہَوا گرم ہو کر آگ، یا جس طرح مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے چاہا، غرض پانی مادہ تمام مخلوق کا ہے۔ امام احمد و ابن حبان و حاکم کی

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۴

حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کل شیئ خلق من الماء**[1] ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ موت بدن کے لئے ہے جس کے معنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ روح پہلے نہ تھی جب بنی تو پھر اس کے لئے فنا نہیں، یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ولہذا بعد مرگ سمع وبصر، علم وفہم وغیرہ تمام افعال کہ حقیقۃً روح کے تھے برقرار رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ ترقی پاتے ہیں، جن کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پرند قفس میں محبوس ہے اس کی پَرافشانی اسی پنجرے کے لائق ہوگی جب اسے نکال دیجئے تو اس کی پروازیں دیکھئے۔ فقیر نے اپنی کتاب "**حیات الاموات فی بیان سماع الاموات**" میں اس مسئلہ کو بحمداللہ تعالٰی نہایت شرح وبسط سے ثابت کیا ہے یہ روح اپنے معدن اصلی سے غریب الوطن ہو کر قفس بدن میں بحکم الٰہی ایک مدت معین تک محبوس ہے جب وقت آئے گا اپنی اصل کی طرف رجوع کرے گی "**یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾**"[2] (اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ت) اس کا نام وصال ہے۔ت)

شعر پنجم:

اول ہے روح علوی دوسری کا نام سفلی
ایک روح دو صفت کیوں پکڑا کمال بولو

الجواب: اس شعر کے دو معنے ہیں: ایک یہ روح مجرد ہے یعنی جسم اور جسم کی سب آلائشوں سے پاک ومنزہ، یہ صفت اس کی علوی ہے، پھر وہی روح اس جسم پر عاشق اور اس سے متعلق اور حیات دنیوی میں اس کی عادی کام اس جسم کے آلات پر موقوف، یہ صفت اس کی سفلی ہے مگر اس بلندی سے اس تنزّل میں آنے کے بعد ہی وہ اپنے کمالات کو پہنچتی ہے "**قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا**"[3] (ہم نے فرمایا تم جنت سے اُتر جاؤ۔ت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باعث ہزاراں برکات وخیرات ہوا۔

دوسرے یہ کہ انسان میں صفت ملکوتی وصفت بہیمی وصفت شیطانی سب جمع ہیں، اگر صفت ملکوتی پر عمل کرے مَلک سے بہتر ہو اور اگر دوسری صفت کی طرف گرے بہائم سے بدتر ہو۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۲۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۵۶

[2] القرآن الکریم ۸۹/ ۲۷و۲۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۸

حدیث میں آیا ہے:

قال اللہ تعالٰی عبدی المومن احب الیّ من بعض ملئکتی[1]	اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مومن مجھے اپنے بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہے۔

اور کفّار کے حق میں فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ"[2]	وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

اور اس کا کمال انہیں دو صفت کے اجتماع سے کہ جب وہ باوجود موانع کہ صفت بہیمی اسے شہوات کی طرف بلاتی ہے اور صفت شیطانی خیرات سے روکتی ہے پھر ان کا کہنا نہ مانے اور اپنے رب کی عبادت وطاعت میں مصروف ہو تو اس کی بندگی نے وہ کمال پایا جو عبادت ملائکہ کو حاصل نہیں کہ ملائکہ بے مانع وبے مزاحم مصروف عبادت ہیں اور یہ ہزار جالوں میں پھنسا ہوا ان سب سے بچ کر بندگی بجالاتا ہے۔

فرشتہ گر بہ بیند جوھر تو
دگر رہ سجدہ آرد بر در تو
(فرشتہ اگر تیرے جوہر کو دیکھ لے تو پھر تیرے در پر سجدہ کرے۔ت)

شعر ششم:

دِکھتا ہے جو کہ خاکی آنکھوں سے سب فنا ہے
دِکھتا ہے کس نظر سے وہ جگ اُجال بولو

الجواب: ظاہر ہے یہ آنکھیں فانی ہیں اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا، للہذا دنیا میں دیدار الٰہی سوا حضرت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی نبی مقرب کو بھی نصیب نہ ہوا ہاں چشم روح باقی ہے ہم ابھی ذکر کر آئے کہ روح کے لئے تو اولیاء نظر دل سے اُس جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور روز حشر وہ آنکھیں ملیں گی جنہیں پھر کبھی موت وفنا نہیں تو اس دن چشم جسم سے بھی مسلمان دیدار الٰہی تبارک وتعالٰی سے مشرف ہوں گے۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین!

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الصوم دار الفکر بیروت ۴/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

شعر ہفتم:

ہر چیز ذات حق سے معمور ہے ولیکن
ملتا ہے کس محل میں ابر وہلال بولو

الجواب: اس کا جواب وہ ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہوا انہوں نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی: الٰہی! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: **عند المنکسرۃ قلوبھم لاجلی**[1] اُن کے پاس جن کے دل میرے لئے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک شخص حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا پنجوں کے بل گھٹنے ٹیکے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون رواں ہے، عرض کی حضرت! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: میں ایک قدم میں یہاں سے عرش تک گیا عرش کو دیکھا کہ رب عزوجل کی طلب میں پیاسے بھیڑیے کی طرح منہ کھولے ہوئے ہے بانگے بر عرش زدم کہ ایں چہ ماجرا ست ہمیں نشان دیتے ہیں **الرحمٰن علی العرش استوٰی** (رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استوا فرمایا۔ ت) میں رحمٰن کی تلاش میں تجھ تک آیا تیرا یہ حال پایا، عرش نے جواب دیا: مجھے ارشاد کرتے ہیں کہ اے عرش! اگر ہمیں ڈھونڈنا چاہے تو بایزید کے دل میں تلاش کر۔[2]

شعر ہشتم:

سب جسم ہے محمد موجود ذات حق ہے
اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو

الجواب: حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام عالم نور حضرت سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پیدا کیا تو اصل ہر چیز کی نور سراپا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے پس مرتبہ ایجاد میں بس وہی وہ ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے قصیدہ نونیہ نعتیہ میں بحمد اللہ تعالٰی اس نفیس مضمون میں بہت ابیات رائقہ لکھے ہیں، **ھٰھُنا قولی** ۔

خالق کل الورٰی ربك لا غیرہ — نورك كل الورٰی غیرك لم، لیس، لن[3]

(کل کائنات کا خالق تیرا رب ہے نہ کہ اس کا غیر، تیرا نور ہی کل کائنات ہے اور تیرے سوا لم، لیس، لن ہے۔ ت)

ای لم یوجد ولیس موجودًا ولن یوجد ابدًا (یعنی کہیں نہیں پایا گیا، نہ موجود ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ ت) اور مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے وحدت وجود کے جس قدر معنے عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دار الفکر بیروت ۶/ ۲۹۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی رحمہ اللہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۰۰

[3] بساتین الغفران منظومہ نونیۃ فی مدح سید الانبیاء رضا دار الاشاعت لاہور ص ۲۲۳

موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حدذات میں اصلاً وجودِ ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ"[1] (ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔ت) اور حاشا یہ معنی ہر گز نہیں کہ من وتو زید وعمرو ہر شَے خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔یہی کفر واسلام کا پردہ سنبھالنا ہے۔

شعر نہم:

نکتہ نہیں علم کا قرآن میں سمایا
معنی علم کے نکتہ کے اب محال بولو

الجواب: علم کا نکتہ وہ باریک بات سمجھ میں نہ آئی یہاں اس سے مراد ذات پاک باری عزوجل ہے کہ ہر گز اس کی کُنہ نہ فہم تصور میں آسکے نہ بیان وکلام میں سماسکے ادراک اس کا محال اور خوض اس میں ضلال، **والعیاذ باللّٰه ذی الجلال**، قرآن اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی صفت ہے۔صفت ذات میں ہوتی ہے ذات صفت میں نہیں آسکتی۔

کس نہ دانست کہ منزل گہ آں یار کجاست ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(کسی کو معلوم نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اتنا جانتا ہے کہ کسی گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ت)

هذا واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی سیّدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وسلم۔اٰمین!

رسالہ
کشف حقائق واسرار ودقائق
ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/۸۸

اورادووظائف وعملیات

مسئلہ ۳۱۶: از صاحب گنج گیا مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف

سوال یہ ہے: "السلام علیکم یاخواجہ عبدالکریم جانب مشرق، السلام علیک یاخواجہ عبدالرحیم جانب شمال، السلام علیک یاخواجہ عبدالرشید، جانب جنوب، السلام علیک یاخواجہ عبدالجلیل"۔ جانب مغرب بعدہ یہ پڑھنا:

اللّٰھم انت قدیم ازلی تنزیل العلل ولم تزل ولاتزال ارحمنی برحمتك یاارحم الراحمین. اللّٰھم اغفر لامة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم. اللّٰھم ارحم امة سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعدہ پڑھنا درود شریف کابعدِ طاق جائز ہے یانہیں؟ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بھی لکھاہے اور نیز کیمیائے سعادت میں ہے۔

الجواب:

دعائے مذکور جائز ہے اور اس میں بہت برکات ہیں۔ یہ چاروں حضرات جہات اربعہ میں اوتادِ اربعہ ہیں۔ یہ اسمائے طیبہ ان کے اشخاص کے نہیں بلکہ عہدہ کے ہیں۔ جس طرح ہر غوث کانام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کے نام عبدالملک اور عبد الرب ہیں۔ جو اس عہدہ پر مقرر ہوگا ظاہر میں کچھ نام رکھتا ہو یا باطن میں اس کا یہ نام رکھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۷: از سہسوان محلّہ مستولی ٹولہ مرسلہ پرورش علی صاحب

نسیان کا مجرب علاج کیا ہے؟

الجواب:

دفع نسیان کو ۱۷ بار سورہ الم نشرح ہر شب سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کرنا، اور صبح ۱۷ بار پانی پر دم کرکے قدرے پینا، اور چینی کی رکابی پر یہ حروف اھ ظ م ف ش ذ لکھ کر پلانا نافع ہے۔ اور چالیس روز سفید چینی پر مشک وزعفران وگلاب سے لکھ کر آب تازہ سے محو کرکے پئیں۔ تسمیہ اس کے بعد **فسھّل یاالٰھی کل صعب * بحرمة سیدالابرار سھّل* یامحی الدین اجب، یا جبرائیل بحق یابدوح۔ والسلام۔**

مسئلہ ۳۱۸: از مقام سوروں ضلع ایٹہ۔ اللہ دیا وچندو منہار روز دوشنبہ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

رہنمائے دین متین، مرشد راہ یقین بندہ دام فیضہ۔ بعد اظہار لوازم کے یہ عاصی پر معاصی بندہ خاکسار حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہے، آج کل مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضور مجھ کو ذکر قلبی بتلادیجئے، آپ حضور لکھ دیں فوراً خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا اسم شریف کیا ہے، وہ مجھ کو تحریر کردیجئے گا۔ اور ایک حافظ آئے تھے "سرائے ترین" سوداگر کنگھی والے، وہ مجھ کو ایک حاضرات بتلاگئے ہیں، حضور اجازت دیں تو عمل میں لاؤں۔ سورہ رحمٰن کے دوسرے رکوع میں ہے: **یامعشر الجن**، حضور اس کا جواب بہت جلد دیجئے گا اور خان حمید الدین شاہ صاحب مجھ کو ایک عمل ہمزاد تجربہ کا دے گئے ہیں وہ اب تک بغیر اجازت حضور کے نہیں کیا۔

الجواب:

حاضرات جن سے جنوں کو بلانا اور ان سے صحبت وملاقات مقصود ہو محمود نہیں۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں: "کم سے کم وہ ضرر کہ جن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے"۔ یہ کتنا بڑا ضرر ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا: "کیا متکبروں کا ٹھکانہ جہنّم نہیں"۔[1]

ذکر کے طریقے کثیر ہیں، تلاوت قرآن وکلمہ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھئے۔ اور جو اذکار بطریقہ اشغال ہیں وہ بالمشافہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔ سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف **یُوْحَانِذْ** ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مسئلہ ۳۱۹: (سوال مذکور نہیں)

اجازت نامہ اوراد و وظائف و اعمال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے جملہ نقوش و تعویذات خاندانی جو فقیر کو اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا حضرت جناب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مارہری قدس سرہ العزیز یا ارشادات ائمہ کرام واولیائے عظام و علمائے اعلام سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے پہنچے یا فقیر نے بفضلہٖ تعالٰی مجاز وماذون ہو کر خود ایجاد کئے یا آئندہ ایجاد کروں ان سب کی اجازت عامہ تامہ صحیحہ نجیحہ اپنے خواہر زادہ برخوردار حکیم علی احمد خاں سلمہ کو دی۔ مولٰی تعالٰی اپنے کرم سے برکت فرمائے شرط یہ ہے کہ کسی کام خلاف شرع کے لئے نہ خود استعمال کریں نہ کسی ایسے کو دیں یا بتائیں جو کوئی کام خلاف شرع چاہتا ہو۔

[1] جس طرح عورتیں اکثر تسخیر شوہر چاہتی ہیں کہ شوہر ہمارے کہنے میں ہوجائے جو ہم کہیں وہی کرے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسے شرک فرمایا اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا نہ کہ محکوم۔ [2] یا یہ چاہتی ہیں کہ اپنی ماں بہن سے جدا ہوجائے یا [3] ان کو کچھ نہ دے ہمیں کو دے، یہ سب مردود خواہشیں ہیں۔ [4] مقدمات فوجداری میں مسلمانوں کو نقوش حفاظت دیئے جائیں۔ [5] دیوانی و مال کے مقدمات میں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے نہ دیں کہ ظالم کی اعانت حرام ہے۔ [6] حب و تسخیر عورت کے لئے نقش و عمل کسی کو نہ دیا جائے اس میں اکثر مقاصد فاسد بھی ہوتے ہیں اگر فی الواقع نکاح ہی کا طالب ہو جب بھی صریح اندیشہ معصیت ہے کہ اجنبی کی محبت دلِ عورت میں پیدا ہونا سمِ قاتل ہے ممکن کہ نکاح میں تعویق ہو یا اولیائے زن نہ مانیں اور محبت طرفین سے پیدا ہوچکی تو اس کا نتیجہ برا ہو۔ [7] یونہی اگر تسخیر زن نہ چاہے بلکہ اولیائے زن کی تسخیر کہ وہ اس سے نکاح کر دیں اور یہ ان کا کفو نہ ہو یعنی ایسا کم ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث مطعونی یا معصیت شرعی ہو جب بھی ہرگز نہ دیں کہ یہ مسلمانوں کی مضرت رسانی ہے بلکہ [8] بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مطلقاً دیا ہی نہ جائے نکاح خصوصًا ہندوستان میں عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور انجام کا علم اللہ عزوجل کو۔ ممکن کہ یہ رشتہ طرفین میں کسی کے لئے شر ہو تو شر کا سبب بنانہ چاہئے، یہاں ایسوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی ہے کہ استخارہ شرعی کریں اور دعا کہ

اللہ عزوجل وہ کرے جو بہتر ہو۔[۹] نہ خود کسی مسلمان کی ضرر رسانی کا کوئی عمل کیا جائے نہ کسی کو بتایا جائے اگرچہ وہ اپنی کتنی ہی مظلومی اور اس کا ظالم و موذی ہونا ظاہر کرے، ہاں اگر ثبوت شرعی سے ثابت ہو جائے کہ وہ عام طور پر موذی وظالم ہے تو اس کے لئے اسی قدر ضرر کی خواہش روا ہے جس قدر کا شرعًا اسے استحقاق ہے اس سے زیادہ حرام ہے اور اس کا صحیح معیار پر اندازہ خصوصًا اپنے معاملہ میں بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا ہمیشہ یہاں سپر ہی ہاتھ میں رکھی تلوار کام میں نہ لائی گئی، اسی پر عمل رہے۔[۱۰] مسلمانوں کو لوجہ اللہ تعویذات واعمال دیئے جائیں دنیوی نفع کی طمع نہ ہو جیسا آج تک بحمد اللہ تعالٰی یہاں کا دستور ہے۔[۱۱] کفار کو اگر نقوش دیئے جائیں تو مضمر، انہیں مظہر کی اجازت نہیں اور وہ بھی اس امر میں ہو جس سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہو اور ان سے معاوضہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔ جو کافر خصوصًا مرتد جیسے قادیانی، نیچری، وہابی، رافضی، چکڑالوی، غیر مقلد مسلمان کو ایذا دیا کرتا ہوا گرچہ رسائل کی تحریر یا مذہبی تقریر سے اس پر سے دفع بلا خواہ رفع مرض کا بھی نقش نہ دیا جائے، اور ایسا نہ ہو اور اس کام میں کسی مسلمان کا ذاتی نقصان بھی نہ ہو جب بھی مرتدوں کا مبتلائے بلا ہی رہنا بھلا۔ اور اگر دیں تو ضرور بمعاوضہ کہ اس میں دینی نفع تو تھا ہی نہیں دنیوی بھی نہ ہو تو آخر کس لئے۔ یہ بارہ[۱۲] بارتیں بطور نمونہ ہیں، غرض ہر طرح مصلحت شرعیہ ملحوظ رہے اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین!

مسئلہ ۳۲۰: از کیلا سپور ضلع سہارنپور مرسلہ عبداللہ صاحب امام مسجد منہاران ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

میں سورہ واقعہ کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ شروع چاند میں جو پہلی جمعرات کے دن بعد نماز مغرب، اول آخر درود شریف کے بعد چھ مرتبہ سورہ مذکورہ کی تلاوت کرے اور پھر دوسرے روز پانچ بار پڑھے اسی طرح دوسری جمعرات آنے تک پانچ پانچ بار پڑھتا رہے دوسری جمعرات کو سورہ شریف پانچ بار پڑھ کر مع درود شریف کے اس ہفتہ کی تلاوت خدا کی نذر کر۔ اس کے بعد فورًا پھر مع درود شریف چھ بار سورہ شریف کی تلاوت کرے اور بعدہ روزمرہ بدستور تیسری جمعرات آنے تک پانچ پانچ بار پڑھے اس ہفتہ کا ثواب حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بخشے۔ اور پھر فورًا از سر نو شروع کرے اور ترکیب بالا جمعرات تک کرے اس ہفتہ کا ثواب جمیع ارواح مومنین کو ہدیہ، عمل تمام ہو۔ لہٰذا حضور باجازت اس عمل کی مجھے دیں اس میں جو کچھ غلطی ہو تو اصلاح فرمادیں، اور ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالٰی

کے اسماء میں سے ایک اسم رکھا گیا ہے اور وہ اسم سورہ یسین کے وسط میں ہے اس کے پانچ کلمے اور سولہ حرف ہیں چار حرف منقوط ہیں اور دو حرفوں پر اوپر نقطے ہیں اور دو حرفوں کے نیچے ہیں لہٰذا میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے پتہ نہ چلا، امید کہ آپ اس مشکل کو حل کریں۔

الجواب:

کسی عمل کا ثواب مولیٰ تعالیٰ کی نذر کرنا محض جہالت ہے وہ غنی مطلق ہے اور حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خواہ اور نبی یا ولی کو ثواب بخشنا کہنا بے ادبی ہے بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے، پہلے ہفتہ کی تلاوت کا ثواب نذر حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کرے، دوسرے کی تلاوت کا ثواب نذر باقی انبیاء واولیاء، تیسرے کا ثواب ہدیہ ارواح جملہ مومنین و مومنات کرے، اس طرح کیجئے میں نے آپ کو اجازت دی، وہ سورہ مبارکہ کی ایک پوری آیت ہے کارڈ میں آیت نہیں لکھی جاسکتی اس کا اول س ل م اور آخر ر ح ی م۔ اس سائل نے ۱۶ حرف یوں بتائے کہ سلام میں چار حرف سمجھے یہ غلط ہے مصحف کریم میں یہ لفظ بے الف ہے تو پندرہ ہی حرف ہیں اس میں چار حرف منقوط ہیں ق ن ب ی، مگر نون کے اوپر نقطہ کہنا نہ چاہئے کہ وہ جوف میں ہے فقط۔

مسئلہ ۳۲۱: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

یکے ملا میگوید کہ در دعا گنج العرش و در دعا عکاشہ وغیرہ ادعیات عربی وفارسی و در نور نامہ ہندی کہ درآں ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتفصیل است ثواب چنداں نوشتہ است کہ چہل شہید وحج وغیرہ امورات ثواب حاصل آید کہ بخواند، آں ملا میگوید ہرچہ ثواب نوشتہ است آں حاصل نباشد و غلط نوشتند برائے فروختگی کتاب نوشتہ وہیچ اصل نیست آیا گفتہ ملا بموجب شرع شریف است یا مخالف اگر ثواب ہمچناں ست کہ نوشتہ است براہ مہربانی	ایک ملا کہتا ہے کہ دعاء گنج العرش اور دعاء عکاشہ وغیرہ عربی وفارسی دعاؤں پر اور اسی طرح نور نامہ ہندی جو میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تفصیلی ذکر پر مشتمل ہے، کو پڑھنے پر ثواب اس قدر لکھا ہے کہ چالیس شہیدوں اور حج وغیرہ نیک امور کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ملامذکور کہتا ہے یہ ثواب جو لکھا ہوا ہے حاصل نہیں ہوتا یہ غلط لکھا ہوا ہے صرف کتابیں فروخت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیا ملا کا قول شرع شریف کے مطابق ہے یا مخالف؟ اگر ثواب

سند وحوالہ کتاب کہ در ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چنداں ثواب ست تحریر فرمایند بلاحیثیت۔	ایسا ہی جیسا کہ لکھا ہوا ہے توبراہ مہربانی سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ میلاد مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنے پر اس قدر ثواب ہے؟ (ت)

الجواب:

رسالہ منظومہ ہندیہ کہ بنام نور نامہ مشہور است روایتش بے اصل است خواندنش روانیست چہ جائے ثواب وبرادعیہ در مطابع انچہ روایتہائے اسنادی نویسند اکثر بے اصل است وثواب بدست رب الارباب، یکبار سبحان اللہ میزان رلبُر میکند و لاالٰہ الااللہ پستر از عرش نمی ایستد، یک کلمہ ازینہا اگر مقبول شود جزائے اوجز جنت نیست وثواب اللہ اطیب واکثر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندی زبان میں لکھا ہوا رسالہ جو نور نامہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی روایت بے اصل ہے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ثواب کی جگہ پر اور دعاؤں پر مطبعوں میں جو اسنادی روایتیں لکھتے ہیں وہ اکثر بے اصل ہیں۔ اور ثواب تو اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے، ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا نیکیوں کے ترازو کو بھر دیتا ہے اور لاالٰہ الا اللہ کہنا عرش سے نیچے نہیں رکتا، ان میں سے اگر ایک کلمہ بھی قبول ہو جائے تو اس کا ثواب جنت کے ماسوا نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰی کا عطا کردہ ثواب بہت پاکیزہ اور بہت زیادہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب لکھنوی رضوی متعلّم مدرسہ ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماقولکم یاحماۃ السنۃ السنیۃ البیضاء ویامحاۃ البدعۃ القبیحۃ الظلماء نصرکم اللہ تعالٰی بتائیدات الرحمانیۃ وایدکم بالنصر السبحانیۃ فی ھذہ المسئلۃ ان اشرفعلی التھانوی الذی تفوّہ بالکفر الجلی فی کتابہ حفظ الایمان	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے اے روشن چمکدار سنتوں کے حامیو، اور اے تاریک قبیح بدعت کو مٹانے والو! اس مسئلہ میں کہ اشرفعلی تھانوی جس نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں کفر صریح کا قول کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم وہ کتاب (دراصل) حبط الایمان (ایمان کی بربادی) ہے۔ اس میں تھانوی نے

وماھو واللہ الاحبط الایمان قد کتب عملا للامساك فی ص۱۰۹ فی کتابہ المسمی بآثار تبیانی الجزء الثالث من اعمال قرآنی المطبوع فی برقی پریس الواقع فی دھلی ۱۳۳۵ھ فقال ماترجمتہ عمل اٰخر. للامساک. یکتب علی ورقۃ الکرم ویعلق علی الفخذ الایسر بأبجد ھو زحطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ وقیل یا ارض ابلعی مائك ؤیسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر، کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأھا اللہ امسك ایھا الماء النازل من صلب فلان بن فلانۃ بلا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]. ھل فیہ تعریض القراٰن العظیم للاھانۃ وللانجاس والتوھین والتلویث بالارجاس وقولہ ھذا ھل فیہ کفر ام ضلال ام لیس فیہ شیئ من ھذہ الاحوال۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملك الجلیل۔	اپنی کتاب آثار تبیانی جزء ثالث از اعمال قرآنی کے حوالے سے امساک کے لئے ایک عمل لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے ایک اور عمل واسطے امساک کے۔ انگور کے پتے پر لکھ کر بائیں ران پر باندھے ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ۔ اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھادیتا ہے۔ اے فلاں بن فلانہ کی پشت سے نازل ہونے والے پانی رک جا بسبب "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" کے۔ کیا اس میں قرآن عظیم کی توہین اور اسے گندگی میں ملوث کرنے کی پیشکش ہے؟ اور حفظ الایمان میں اس کا قول مذکور کفر ہے یا گمراہی یا ان میں سے کچھ نہیں۔ تفصیل کے ساتھ بیان کرو جلالت والے بادشاہ کے پاس اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

الامام الاجل سیدی محمد البوصیری قدس سرہ قال فی قصیدتہ الکریمۃ الھمزیۃ ام القری فی حق ابی جھل	میرے آقا امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ نے اپنے قصیدہ کریمہ ہمزیہ "ام القری فی مدح خیر الوری" میں ابوجہل لعین کے بارے میں فرمایا:

[1] اعمال قرآنی حصہ سوم دار الاشاعت کراچی ص۱۱۶و۱۱۷

"اس جیسے کی خطائیں شمار نہیں کی جاسکتیں"۔اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)	اللعین ع ماعلی مثلہ یُعَدّ الخطاء [1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳و۳۲۴: از شہر کہنہ ۱۶رجب ۱۳۳۵ھ بارہ دری مسئولہ مصطفٰی علی خاں

(۱) کسی شخص کا غصہ بڑھ جائے تو اس کے لئے آپ کوئی تعویذ دیں اور کچھ پڑھنے کو بتائیں۔

(۲)ماں باپ میں یا بہن بھائی ہو یا میاں بیوی ہو محبت اور اتفاق پیدا ہو پڑھنے کو بتائیں یا کوئی تعویذ دیجئے۔

الجواب:

(۱)دفع غضب کے لئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جس وقت غصہ آئے دل کی طرف متوجہ ہو کر تین بار لاحول پڑھے تین گھونٹ ٹھنڈا پانی پی لے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، لیٹا ہو تو اُٹھے نہیں۔

(۲)سب گھر والوں میں اتفاق کے لئے بعد نماز جمعہ لاہوری نمک پر ایک ہزار ایک "۱۰۰۱" بار یا ودود پڑھیں، اول آخر دس "دس" بار درود شریف، اور اس وقت سے اس نمک کا برتن زمین پر نہ رکھیں، وہ نمک ساتے دن گھر کی ہانڈی میں ڈالیں، سب کھائیں، مولٰی تعالٰی سب میں اتفاق پیدا کرے گا۔ہر جمعہ کو سات دن کے لئے پڑھ لیا کریں۔

مسئلہ ۳۲۵: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو دینی یا دنیوی بات یاد نہ رہتی ہو وہ کیاپڑھے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سپید چینی کی تشتری پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ا ھ ط م ر ف ش ذ اور اسے ذرا سے پانی سے دھو کر اس پر ۹۹۸ بار، اور نہ ہوسکے تو ۴۰۰ یا ۱۰۰ ہی بار یاحفیظ پڑھ کر دم کرے اور وہ پانی پی لے۔روزایسا ہی کرے، اور

[1] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل السادس حزب القادریۃ لاہور ص ۱۶

سوتے وقت ۱۷بار سورہ الم نشرح شریف پڑھ کر سینے پر دم کرلیا کرے اور کلنگ ذبح کرکے ذبح کی گرمی میں اس کا مغز نکال کر ۴۰ بار اس پر یاحفیظ دم کرکے کھالے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

نوٹ

۲۶ویں جلد کتاب الفرائض سے شروع ہوکر کتاب الشتّی
کے حصہ اول پر اختتام پذیر ہوئی، ان شاء اللہ العزیز
۲۷ویں جلد کتاب الشتّی حصہ دوم سے شروع ہوگی۔